طلبہ کے لیے اثر انگیز نصائح

پسند فرمودہ

خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

انتخاب

حضرت مولانا حذیفہ بن غلام محمد صاحب وستانوی

ناظمِ تعلیمات جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

جمع وترتیب

مولانا نظام الدین صاحب قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

جملہ حقوق بحق جامعہ محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب: طلبہ کے لیے اثر انگیز نصائح

نام مرتب: مولانا نظام الدین صاحب قاسمی (راجو پٹی) سیتامڑھی

رابطہ نمبر: 8180933955

کمپوزنگ: رفیق احمد اشاعتی کٹیہاری

سیٹنگ : محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا

تصحیح : مولانا شفیع احمد صاحب قاسمی اِجرا، مدھوبنی

صفحات : ۳۹۸

تعداد : ۱۱۰۰

سن اشاعت: مئی ر ۲۰۱۳

ملنے کا پتا

شعبۂ نشر واشاعت

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ضلع نندوربار، مہاراشٹر-۴۲۵۴۱۵

فون:02567-252256

فہرست مضامین

شمار	عناوین	صفحہ نمبر
	﴿باب اول﴾ علم دین کی فضیلت واہمیت	12
1	رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت	13
2	علم واہل علم کی فضیلت واہمیت	17
3	مدارسِ اسلامیہ کا مقصد	30
4	اشاعت علم اکابرین کی نظر میں	48
	﴿باب دوم﴾ حصول علم میں اخلاص واخلاق کی اہمیت	50
5	تصحیح نیت	51
6	اخلاص واخلاق پیدا کریں	61
7	اچھے اخلاق اپنائیے!	64
8	اخلاص اکابرین امت کی نظر میں	75
9	اسلاف کے اثر انگیز احوال واقوال	77
10	مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی طلبہ کو قیمتی نصیحت	89

11	طالب علم کی کامیابی کے تین بنیادی اصول	90
	﴿باب سوم﴾ حصول علم میں ادب کی ضرورت	94
12	حصول علم کے لیے ادب ضروری ہے	95
13	ادب کی برکات اور بے ادبی کا وبال	98
14	استاذ کی مجلس (درس) میں حاضر ہونے کے آداب	103
15	اساتذۂ کرام کا ادب واحترام	107
16	استاد کی خدمت وزیارت	110
17	استاذ کے فضائل اور حقوق	126
18	مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا	141
19	فقط علم نہیں !!!!	154
20	حضرت قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی طلبہ کو قیمتی نصیحت	158
	﴿باب چہارم﴾ حصول علم میں مصائب برداشت کرنا	159
21	علم کے لیے مشقتوں کو برداشت کرنا	160
22	فقر وفاقہ	163
23	علم کی خاطر اسلاف کی قربانیاں	166

24	کامیابیوں کا راز جہد مسلسل میں مضمر ہے	172
25	حصول علم کے لیے اسلاف کی قربانیاں	182
26	صرف چھ صفات پر دنیا جھک جائے گی	212
	﴿باب پنجم﴾ حصول علم کے راستے	234
27	حصول علم !مگر کیسے؟	235
28	مطالعہ کی اہمیت	237
29	مطالعہ کے آداب	240
30	مطالعہ کی کمی	247
31	سبق کی پابندی	250
32	تکرار و مذاکرہ کی اہمیت	255
33	تقریر کی تیاری کیسے کریں	257
34	حسنِ انشاء	272
35	انشاء پردازی کیسے سیکھیں؟	275
36	عربی زبان کیسے سیکھیں؟	280
37	کیف تحفظ؟ کیف تقرأ؟ کیف تفهم؟	285
38	امتحان کی تیاری	313

39	پرچہ کیسے حل کریں؟	317
40	کامیابی کے راز	319
41	طلبِ علم میں غفلت کے اسباب	321
42	طلبہ کی سستی اور اس کا علاج	348
	باب ششم فقط حصول علم نہیں عمل بھی	350
43	علم نافع کی علامت	351
44	نظام نوافل کو بھی رواج دیجیے	355
45	تہجد کی پابندی کیجیے	363
46	کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی	370
47	اکابر کی نمازیں	374
48	ہماری نمازیں قبول نہیں ہوتیں؟	380
49	نماز میں دل لگانے کا طریقہ	385
50	طلبہ اور نماز کی حاضری	387
51	اپنے متعلقین کو نماز کی پابندی کی تاکید اور اس کی فضیلت	390
52	اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کیجیے	392
53	وارثین انبیاء علیہم السلام کے............نام	396

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدارس جوایک تعلیم گاہ ہے، تو وہ تربیت گاہ بھی ہے

خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانویؒ
رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

حامداً و مصلیاً و مسلماً!

مدارس کے طلبہ کے لیے تربیتی نظام یہ ایک ضروری اور مفید عمل ہے، مدارس جوایک تعلیم گاہ ہے، تو وہ تربیت گاہ بھی ہے، احقر کا تعلق پڑھنے پڑھانے سے تقریباً پچاس سال سے ہے، جس میں احقر نے پڑھا اور پڑھایا اور دورِ نظامت اس طرح تین مرحلے سے زندگی پوری ہو رہی ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ اور مشائخ سے ہر وقت تربیتی باتیں سنتا رہا اور ان کی باتوں نے ہی احقر کو کسی کام کا بنایا۔ اور ان کے طرز پر اپنے تدریسی دور اور نظامت میں طلبہ کو وعظ وارشاد کرتا رہا۔

قرآن کہتا ہے: ﴿وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں جامعہ کے اساتذہ کی مجلس میں بارہا یہ بات دُہراتا ہوں کہ مدارس کے اساتذہ یہ صرف لیکچرار نہیں ہیں۔ یہ معلم کے ساتھ مربی بھی ہیں، اساتذہ کو تربیت پر پوری توجہ دینی چاہیے۔

میرا تیس سال کا معمول ہے کہ میں روزانہ عصر بعد طلبہ سے تربیتی بات کرتا ہوں اور طلبہ کو اِس سے بہت ہی فائدہ ہوتا ہے۔

جامعہ کے فارغین نے بھی یہاں سے جانے کے بعد عصر کے بعد کی مجلس کو بہت مفید بتایا۔

یہ کتاب جس کا تعلق ''تربیتی مضامین'' سے ہے۔ جس کو عزیزم مولوی حذیفہ نے بڑی محنت سے رسائل ومجلّات اور انٹرنیٹ سے منتخب کیا اور اسے طلبہ میں عصر بعد کی مجلس میں سنانے کا اہتمام کیا۔

اُن بکھرے مضامین کو جامعہ کے استاذ مولانا نظام الدین قاسمؔی نے ترتیب دیا ہے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ کاوش طلبہ کے لیے خصوصاً اور سب کے لیے عموماً مفید ثابت ہوگی۔

(مولانا) غلام محمد وستانویؔ (صاحب)

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

علم مقصود نہیں، مقصود عمل ہے

حضرت مولانا محمد حذیفہ صاحب وستانوی

ناظم تعلیمات جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

علم مقصود نہیں، مقصود عمل ہے۔ علم وسیلہ اور ذریعہ ہے، جیسے وضو نماز کے لیے، مگر عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ ''علم برائے علم اور تعلیم برائے کسب'' ہے جو معاشرہ کی بہت ساری خرابیوں کی اصل وجہ ہے اور شریعت میں علم سے مقصود علمِ دین ہے اور تعلیم سے مقصود وہ تعلیم ہے جو رضائے الٰہی کے مطابق زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھائے۔ اور دینی تعلیم اور علم انسان کی نجات کا ذریعہ ہے جو عمل کی دعوت دے۔

اس بات کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مدارس اسلامیہ کے قیام کا مقصد محض علم نہیں، بل کہ علم کے ذریعہ امت کو اعمالِ صالحہ پر آمادہ کرنا، یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب مدارس میں طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی جائے، اور بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے مدارس میں تربیت پر یا تو توجہ نہیں یا بہت کم۔ اللہ ہم اساتذہ اور منتظمین کو تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی صحیح تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ مجموعہ دراصل جامعہ اکل کوا کے تربیتی نظام کی ایک کڑی کا حصہ ہے، جامعہ میں طلبہ کی تربیت کے لیے جہاں بہت سی عملی صورتیں ہیں، وہیں تعلیم برائے تربیت اور خطابت برائے تربیت بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ ہر روز عصر کے بعد ایک طالب علم درجات عالمیت وفضیلت کے طلبہ کے سامنے اکابرین کے ملفوظات، واقعات اور تحریروں میں کوئی مفید اور اثر انگیز مضمون سناتا ہے۔ جس سے الحمدللہ بہت فائدہ ہوا، اور ہو رہا ہے۔

عام طور پر ناکارہ اپنے مطالعہ میں آنے والے ایسے مضامین طلبہ کو دیتا ہے اور اس کی تعلیم ہوتی ہے۔ طلبہ اور رُفقائے کار کے مطالبہ پر۱۴۳۲/۱۴۳۳ھ کے مضامین کو کمپوز کرایا گیا تھا۔ مشغولیت کی وجہ سے بندہ ترتیب نہیں دے سکا اور مولانا نظام الدین صاحب کو اس پر آمادہ کیا۔ الحمد للہ! موصوف نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی اور بڑے عمدہ سلیقہ سے ۶/ ابواب میں مرتب کردیا۔ عناوین کی تعداد ۵۴۳/اور صفحات ۳۹۸ ہے، جو واقعۃً ایک محنت طلب کام تھا، اللہ موصوف کو جزائے خیر سے نوازے اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اخیر میں محمد بمبئی اور مجاہد پھلمبری کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اِنہوں نے ان مضامین کو بڑے عمدہ انداز میں طلبہ کے سامنے پڑھ کر سنایا اور اسے کمپوز کیا۔ اور مولانا محمد مہر علی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ)، مولانا رفیق احمد (کٹیہار، بہار) اور مولانا شفیع احمد قاسمی (اجرا، مدھوبنی، بہار) صاحبان کا بھی، جنہوں نے مواد کی سیٹنگ بہت اچھے انداز میں کی۔

اور اخیر میں ایک بار پھر مولانا نظام الدین صاحب کا ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے میری امید کی برآوری میں سب سے زیادہ اہم رول ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ اِن تمام معاونین کو دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرما کر ان کی جائز تمناؤں کو پورا فرمائے، مصائب کو رفع فرمائے اور ہم سب کو اخلاص کے ساتھ موت تک دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے، اور ہم سے راضی ہو جائے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور طلبہ کو اِن اکابرین کی ان نصیحتوں پر عمل کی توفیق سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

(مولانا) حذیفہ وستانوی (صاحب)

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

عرضِ مرتب

زیرِ نظر کتاب ''طلبہ کے لیے اثر انگیز نصائح'' اُن نصائح کا مجموعہ ہے جنہیں ہمارے ناظم تعلیمات حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی مدظلہٗ نے اپنے مطالعہ کے دوران مختلف رسائل ومجلّات یا انٹرنیٹ پر ملاحظہ فرمایا اور اُسے طلبہ کے لیے مفید سمجھ کر مستقلاً کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ فرمایا، چوں کہ یہ سارے مضامین منتشر تھے اس لیے راقم الحروف کو مرتَّب کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے طلباء کے اخلاق وعادات کے سنوارنے کا ایک خاص طریقہ ودیعت فرمایا ہے، اس لیے جہاں بھی طلباء کے لیے کوئی مفید چیز نظر آتی ہے، فوراً اُسے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ''مجموعہ'' بھی اُسی کا غمّاز ہے۔

آپ کا معمول ہے کہ کوئی ایسی بات، جو طلبہ کے اخلاق وتربیت سے متعلق ہو تو اسے عصر بعد طلباء کے سامنے پڑھواتے ہیں تاکہ سارے طلبہ سنیں اور اُسے عمل میں لانے کی کوشش کریں، اِسی غرض سے یہ سارے مضامین مرتب کیے گیے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس سوچ اور فکر کو طلبہ کے لیے مفید بنائے۔ آمین!

(مولانا) نظام الدین قاسمی

۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

باب اول

علم دین کی فضیلت و اہمیت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دو غرضیں تھیں، ایک تعلیم دینا اور دوسری تربیت کرنا، تعلیم کے ذریعہ علم پھیلتا ہے اور تربیت کے ذریعہ اخلاق درست ہوتے ہیں، ان دونوں چیزوں کے بغیر دنیا کی کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی، ایک شخص عالم تو بہت بڑا ہے، لیکن بداخلاق ہے تو اُس کا علم کبھی مؤثر نہیں ہوگا، وہ دوسروں کو کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اور دوسرا شخص بہت با اخلاق ہے، لیکن جاہل ہے تو محض اخلاق ہی سے وہ دنیا کو تربیت نہیں دے سکتا۔

علم انسان کی ذات میں نہیں ہوتا وہ باہر سے لایا جاتا ہے، لیکن اخلاق انسان کے اندر موجود ہے اسے درست کیا جاتا ہے، تو ایک چیز انسان کے گھر کی ہے، اس کی اصلاح اور درستی کی جاتی ہے، اور دوسری چیز انسان میں سرے سے ہے ہی نہیں اس کو انسان کے اندر ڈالا جاتا ہے، پیدائشی طور پر انسان جاہل پیدا ہوا ہے، اس میں کوئی علم نہیں تھا، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

"یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تمہیں ذرہ برابر علم نہیں تھا، یعنی جاہل مطلق پیدا ہوئے تھے، اور اللہ نے تم میں سننے اور دیکھنے اور سمجھنے بوجھنے کی طاقت رکھی تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو"۔

اس آیت میں یہ معلوم ہوا کہ انسان کی ذات میں علم نہیں بل کہ بالکل خالی ہے لیکن صلاحیت ہے، اگر علم سیکھنا چاہے تو سیکھ سکتا ہے، اسی لیے انسان کو جاہل کہا گیا، جاہل اسے کہتے ہیں جو علم نہ رکھتا ہو البتہ علم حاصل کرنے اور اس کو اخذ کرنے کی اس میں صلاحیت موجود ہو، دیوار کو ہم جاہل نہیں کہیں گے کیوں کہ اس میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لاؤڈ اسپیکر کو ہم جاہل نہیں کہیں گے کیوں کہ اس میں علم اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں، انسان ہی کو جاہل کہا جائے گا، کیوں کہ اس میں عالم ہونے کی صلاحیت اور استعداد ہے۔

علم سے عمل کے سوتے پھوٹتے ہیں، جب کہ تربیت سے اخلاق کی نہریں جاری ہوتی ہیں، پیغمبر دنیا میں اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے پرچار کے لیے تشریف لاتے ہیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پوری دنیا کو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دی اور جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کیا، ان لوگوں پر مشتمل جو معاشرہ قائم ہوا، اس پر فرشتوں کو بھی رشک آتا تھا۔

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ جہاں جہاں بھی گیے ان کے کردار اور ان کی صورتوں کو دیکھ کر لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، آج جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، ان کو پروفیسر آرنلڈ کی کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' یعنی (اسلام کا تعارف) پڑھ لینی چاہیے کہ کس طرح ایک عیسائی نے ان کے اس دعویٰ کی دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس تعلیم کو لے کر اس دنیا میں تشریف لائے، اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دنیا والوں کو بتایا جائے کہ انسان کی نجات صرف دو چیزوں پر موقوف

ہے، ایک ایمان اور دوسری عمل صالح ،لیکن لوگوں نے عمل صالح کو وہ حیثیت نہیں دی جو ایمان کو دی، حالاں کہ یہ دونوں چیزیں باہم لازم وملزوم ہیں، ایک بنیاد ہے اور دوسری اس بنیاد پر استوار شدہ دیوار۔

اسی وجہ سے قرآن حکیم میں ہر جگہ انسان کی فلاح اور کامیابی کو ایمان اور عمل صالح دونوں پر مبنی قرار دیا گیا،لیکن ہر جگہ ایمان کو پہلی اور عمل صالح کو دوسری حیثیت دی گئی، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ، إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾۔(سورۃ العصر:۱/۳)

”زمانہ (اپنی پوری انسانی تاریخ کے ساتھ اس بات کا) گواہ ہے کہ انسان سراسر خسارے میں ہے،مگر وہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے“۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر شے کو ہمارے مادی علل واسباب کے تابع فرمایا ہے، یہاں کی کامیابی بھی صرف ذہنی عقیدہ سے حاصل نہیں ہوسکتی ،جب تک کہ اس عقیدہ کے مطابق عمل نہ کیا جائے ،صرف یہ یقین رکھنے سے کہ روٹی ہماری بھوک کا قطعی علاج ہے، ہماری بھوک ختم نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم روٹی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد نہ کریں اور پھر اس کے حاصل کرنے کے بعد اس کو چبا چبا کہ نہ نگلیں، یہی صورت ہمارے دوسرے دنیوی اعمال کی ہے، چناں چہ اس دنیا میں عمل کے بغیر ایمان اور عقیدہ حصول کامیابی کے لیے مفید نہیں ہے۔

البتہ یہ بات درست اور صحیح ہے کہ جو اِن اصولوں کو صرف صحیح مانتا اور باور کرتا ہے وہ اس سے بہر صورت بہتر ہے، جو اس کو سرے سے مانتا ہی نہیں، کیوں کہ اول الذکر کے

کبھی نہ کبھی راہ راست پر آجانے کی امید پیدا ہوسکتی ہے اور دوسرے کے لیے تو اول پہلی ہی منزل باقی ہے، لہٰذا آخرت میں بھی وہ منکر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا شاید زیادہ مستحق قرار پائے کہ وہ کم از کم اس کے فرمان کو صحیح تو مانتا ہے۔

علم کا فطری تقاضا عمل ہے ورنہ علم کا کوئی فائدہ نہیں، اس بات کو یوں سمجھئے کہ ایک بوتل زہر سے بھری ہوئی ہے ایک شخص کو علم ہے کہ اس میں زہر ہے لیکن وہ اس بوتل کو پی رہا ہے اور دوسرے شخص کو یہ بالکل علم نہیں کہ اس میں زہر ہے، وہ بھی اس کو پی رہا ہے، اب جس کو علم ہے کہ اس میں زہر ہے پھر بھی وہ پی رہا ہے تو اس علم کا کیا فائدہ؟

اسی لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ علم کی صحیح تعریف یہ ہے کہ علم اس جاننے کا نام ہے جس جاننے کے بعد آدمی عمل کے لیے بے تاب ہوجائے، لہٰذا معلوم ہوا کہ علم کا تقاضا عمل ہے، ایک وہ عمل جس کا کرنا ضروری ہے اور فرض ہے، اور دوسرا وہ عمل جس کا کرنا سنت اور مستحب ہے۔

(حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ)

علم اور اہل علم کی فضیلت واہمیت

(۱) ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ اُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہو (اخروی) درجے بلند کرے گا۔

(ترجمہ بیان القرآن)

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ علماء کا درجہ مؤمنین سے ۷۰۰/ گنا زیادہ ہے، اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

(احیاء العلوم: ج ۱/ ص ۶۸)

(۲) ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾۔ ترجمہ: گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اُس کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی۔ وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے۔

ابن قیم نے فرمایا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے علم اور اہل علم کی فضیلت پر چند وجوہ سے۔

(۱) اللہ نے اہل علم کو انسانیت میں گواہ بنایا ہے اور دوسروں کو نہیں بنایا ہے۔

(۲) ان کی شہادت کو اپنی شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

(۳) اپنے فرشتوں کی شہادت کے ساتھ بھی ذکر کیا۔

(۴) یہ دلالت ہے ان کی پاکیزگی اور عدالت پر، کیوں کہ اللہ تعالیٰ عادل ہی کو گواہ بنایا کرتے ہیں۔

(۵) ان کی تعریف کی، کہ بڑے علم والے ہیں، یہ بات مشیر ہے اس طرف کہ یہ لوگ علم کے ساتھ خاص ہیں اور یہ لوگ علم والے ہیں اور علم کے ساتھی ہیں۔

(٦) اللہ تعالیٰ نے پہلے خود گواہی دی جو بڑے خوب شاہد ہیں پھر مخلوق کے بہترین اصحاب یعنی فرشتوں اور علماء کو ذکر فرمایا اور یہ علم کی فضیلت وشرافت کے لیے بہت بڑی چیز ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے گواہ بنایا ہے علماء کو ایک بڑی چیز کی گواہی پر جو کہ گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بڑی ہستی کسی بڑی چیز پر ہی کسی کو گواہ بناتی ہے مخلوق کے بڑوں اور اس کے سرداران کو (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے علماء کو گواہ بنایا اپنی گواہی پر تو اُن کی تفضیل اور سیادت تمام مخلوق پر ثابت ہوئی) (اتحاف السادۃ المتقین: ج ۱/ص ۶۷)

احادیث اہمیت علم:

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ (متفق علیہ، ریاض الصالحین: ۱۳۰۸)

طبرانی کی ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ اس کو ہدایت الہام فرماتے ہیں۔ (الاتحاف: ج ۱/ص ۷۰) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نبوت کے رتبہ کے شرف سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں ہے۔ (احیاء العلوم: ج ۱/ص ۱۷)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس میں تین صفات پیدا کرتے ہیں: (۱) دین کی سمجھ بوجھ (۲) دنیا سے بے رغبتی (۳) اپنے عیوب کو دیکھنا۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۲۵)

طلباء کی فضیلت:

(۲) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم سیکھنے کے لیے چلتا ہے تو اللہ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان فرمادیتے ہیں۔

(مسلم، ریاض الصالحین: ص ۵۲۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ آدمی کے مرنے پر اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے البتہ تین اعمال ایسے ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۱) صدقہ جاریہ (جس سے لوگ نفع اٹھارہے ہوں) (۲) علمی سلسلہ جس سے لوگوں کو نفع پہنچ رہا ہو (۳) نیک وسعادت مند اولاد جو اُس کے لیے دعا گو رہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ دنیا خود بھی لعنت زدہ ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی لعنت زدہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور جو طاعت کے اعمال ہیں اور عالم اور متعلم یہ لعنت سے مستثنٰی ہیں۔

لعنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا ہے۔

(۵) حضرت انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو علم کی طلب کے لیے گھر سے نکلتا ہے جب تک اپنے گھر واپس نہ آجائے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہوتا ہے۔ (مسلم، ریاض الصالحین: ص ۵۲۷)

(۶) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد (غیر عالم) پر ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تمہارے عام مسلمانوں پر ہے اس کے بعد آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے

زمین وآسمان والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں، اور مچھلیاں تک اس کے لیے دعا کرتی ہیں جو لوگوں کو خیر و بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔ (ترمذی: ص ۵۲۷)

علماء کی فضیلت:

(۷) حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص علم کی طلب کے راستہ پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستہ کو سہل فرما دیں گے، اور فرشتے اس کے لیے اس طلب علمی کی وجہ سے خوش ہو کر پروں سے سایہ کرتے ہیں، اور عالم کے لیے زمین وآسمان کی تمام مخلوق حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں دعائے مغفرت کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں! اور انبیاء کی وراثت نہ درہم ہوتی ہے نہ دنانیر، بل کہ ان کا ورثہ تو علم ہی ہوتا ہے جس نے اس علم کو حاصل کر لیا اچھا خاصہ حاصل کر لیا۔

(ابوداؤد، ترمذی، ریاض الصالحین: ص ۵۲۸)

عالم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

(۸) حضرت ابن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے تر وتازہ (شاد باد، ہرا بھرا) رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اس کو جوں کا توں (یعنی جیسا سنا اسی طرح) دوسرے کو پہنچا دیا، بسا اوقات سننے والے سے جن تک بات پہنچی ہو وہ زیادہ قدر دان اور اس کو محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی: ج ۲/ص ۵۲۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں نبوت کے درجہ کے زیادہ قریب اہل علم اور اہل جہاد ہیں، اہل علم اس لیے کہ یہ رسول کی لائی ہوئی چیز کی طرف لوگوں کی رہنمائی

کرتے ہیں (یعنی دین اور دینی امور) اور اہل جہاد اس لیے کہ یہ اپنی تلواروں کے ساتھ اس چیز (کی حفاظت) کے لیے جو انبیاء لے کر آئے ہیں۔ (اتحاف: ج۱/ص۷۳)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی، مشکوۃ: ص۳۴)

علم کا فائدہ لازوال ہے:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ:

رَضِینَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِینَا لَنَا عِلْمٌ وَ لِلْجُهَّالِ مَالُ
فَإنَّ الْمَالَ یَفْنِی عَنْ قَرِیْبٍ وَ اِنَّ الْعِلْمَ یَبْقِی لاَ یَزَالُ

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ہم دل و جان سے خوش ہیں کہ ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال“۔

کیوں کہ مال تو عنقریب ختم ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا کیوں کہ علم نافع کے ذریعہ سے آدمی متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ باقی رہتی ہے اور مرنے کے بعد بھی فنا نہیں ہوتی؟ چناں چہ علامہ مرغینانیؒ نے فرمایا کہ:

الجاهلون فموتی قبل موتهم و العالمون و ان ماتوا احياء

ترجمہ: ”جاہل تو موت سے پہلے ہی مر جاتا ہے، اور عالم موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے“۔ شیخ برہان الدین کے اشعار ہیں:

و في الجهل قبل الموت موت لاهل
فاجسامهم قبل القبور قبور

ترجمہ: جاہل کی زندگی بھی گویا کہ موت ہے، ان کے جسم قبروں میں جانے سے پہلے گویا کہ قبر ہیں (روحوں کے لیے)۔"

و ان امرالم یحی بالعلم میت و لیس لہ حین النشور نشور

(تعلیم المتعلم: ص ۳۷)

ترجمہ: اور جس شخص نے علم کی وجہ سے حیات نہیں پائی اس کا جینا بھی موت سے کچھ کم نہیں ہے، قیامت کے دن جب علماء قبروں سے اٹھیں گے تو یہ آدمی علماء کے ساتھ نہیں ہوگا"۔

کسی شاعر نے کہا جس کا ترجمہ یہ ہے: صاحب علم آدمی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، اگرچہ موت کے بعد اس کے جسم کے ریزے ریزے ہو جاتے ہیں"۔

وذوالجهل ميت و هو يمشي على الثرى

يظن من الاحياء و هو عديم

ترجمہ: اور جاہل مردہ ہے اگرچہ وہ زمین پر چل رہا ہو، اور وہ اپنے کو زندوں میں سمجھتا ہے لیکن وہ لاشئ محض ہے۔ (تعلیم المتعلم: ص ۳۸)

حکماء کا قول ہے کہ: "علم آدمی کا ہمیشہ رہنے والا بیٹا ہے" (جامع بیان العلم: ج ۱/ ۱۸)

علم کا فائدہ:

حضرت ابومسعود انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے آ کر کہا: میری سواری نہیں ہے آپ مجھے کوئی سواری دیں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کو اس شخص کا پتہ بتا دوں جو اس کو سواری دے دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: کہ جو کسی کی رہنمائی کرے کسی خیر کی طرف تو اس کے لیے بھی اس خیر کے کرنے والے کی طرح اجر ہے۔ (مشکوۃ: ص ۳۳)

علم کی مثال:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو علم و ہدایت دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس کی مثال بارش کی سی ہے جو برستی تو ہے ساری زمین پر مگر زمین کا جو ٹکڑا عمدہ ہوتا ہے پانی کو اپنے قلب و جگر میں جذب کر لیتا ہے پھر اس سے طرح طرح کے چارے اور گھاس وغیرہ برآمد ہوتے ہیں اور کچھ حصہ اس زمین کا ایسا ہوتا ہے جو بارش کے پانی کو اوپر روکے رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (جس سے تالاب وغیرہ بنتے ہیں) اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے کہ وہ اس کو پیتے ہیں، اپنے کھیتوں، باغات وغیرہ کو سیراب کرتے ہیں اور ایک حصہ زمین کا ایسا بنجر اور اجاڑ ہے کہ نہ پانی اوپر روک سکتا ہے نہ جذب کر سکتا ہے کہ گھاس وغیرہ ہی پیدا ہو (گویا بارش اس پر ضائع ہو گئی تا کہ نہ خود اسے فائدہ ہوا نہ دوسرے کسی کو) ایسی ہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میرے لائے علم و ہدایت میں سے کچھ لیا دین کی سوجھ بوجھ پیدا کی، اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچایا۔

افضل اعمال کون سے ہیں؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول! سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم۔ اس نے کہا: اے

اللہ کے رسول! میں آپ سے عمل کے بارے میں سوال کرتا ہوں اور آپ علم کے بارے میں فرماتے ہیں: آپ علیہ السلام نے فرمایا: علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل نفع دیتا ہے اور جہالت کے ساتھ بہت سارا عمل کوئی نفع نہیں دیتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۵۴)

علم سیکھنے والے کے لیے اللہ کافی ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۵۴)

علم برکتِ رزق کا ذریعہ ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے صبح کو چلتا ہے فرشتے اس پر سایہ کرتے ہیں اور اس کے روزگار میں برکت ہوتی ہے اور اس کے رزق میں کمی نہیں ہوتی اور رزق اس کے لیے مبارک ہوتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۵۴)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو علم طلب کرنے کے لیے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو اس کے رزق کا ضامن بنا دیتے ہیں۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۵۴)

علم میزان کے بھاری ہونے کا ذریعہ ہے:

حضرت ابراہیم نقل فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کی نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور دوسری میں برائیاں، تو نیکیوں کا پلڑا اٹھ جائے گا (یعنی ہلکا پڑ جائے گا) پس جب وہ مایوس ہو جائے گا اور سمجھ لے گا کہ اب آگ ہی مقدر ہوگی ایک چیز بادل کی طرح آئے گی اور نیکیوں کے پلڑے میں داخل ہو جائے گی اور

نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ تو اس آدمی سے پوچھا جائے گا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تمہارا کون سا عمل ہے؟ تو وہ کہے گا نہیں جانتا تو کہا جائے گا کہ یہ وہ خیر کی باتیں ہیں جو تو نے لوگوں کو سکھائیں اور تمہارے بعد والے اس پر چلتے رہے۔ (جامع البیان العلم: ج۱/ص۵۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو اٹھائیں گے اور ان میں سے علماء کو الگ کریں گے اور فرمائیں گے کہ اے علماء کی جماعت! میں نے تمہیں اپنا علم عذاب دینے کے لیے نہیں دیا تھا، پس بخشے بخشائے چلے جاؤ۔
(جامع البیان العلم: ج۱/۵۷)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء کو حساب سے الگ کریں گے (یعنی حساب نہ ہوگا) اور فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ کہ میں نے تمہیں اپنی حکومت اس لیے دی تھی کہ تمہارے ساتھ خیر کا ارادہ کیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء کو ایک گروہ کی شکل میں جمع فرمائیں گے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، پھر اللہ تعالیٰ علماء کو بلائیں گے اور فرمائیں گے میں نے تمہیں اپنی حکومت عذاب دینے کے لیے نہیں دی اور میں جانتا ہوں کہ تم سے بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں جو کہ دوسروں سے بھی ہوئی ہیں اور میں نے ان کی پردہ پوشی کی اور تم کو معاف کر دیا (کیوں کہ) میری عبادت تمہارے فتوؤں کی وجہ سے کی جاتی تھی اور میرے بندوں کو تم علم سکھاتے تھے، تم جنت میں بغیر حساب کے چلے جاؤ۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۵۷)

علم اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی

فرمائی: کہ اے ابراہیم! میں علم والا ہوں اور ہر علم والے سے محبت کرتا ہوں۔
(جامع بیان العلم: ج ۱/۵۴)

عالم چراغ کے مانند ہے:

علم نہ ہوتو لوگ جانور کی طرح ہوں، علماء نے لکھا ہے کہ: علماء زمین میں ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے اور علماء اسلام کی نشانیوں میں سے ہیں اور عالم چراغ کی مانند ہے جو گزرتا ہے اس کے پاس سے روشنی حاصل کرتا ہے اگر علماء نہ ہوتو لوگ جانور کی طرح ہوں۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۷۲)

علم کی وجہ سے سرداری ملتی ہے:

عامر بن واثلہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نافع بن عبدالحارث کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا۔ ایک دفعہ ان سے دریافت کیا کہ جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ابن ابزی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ ابن ابزی کون شخص ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہمارا ایک غلام ہے۔ حضرت عمرؓ نے اعتراضاً فرمایا: غلام کو امیر کیوں بنایا؟ انہوں نے کہا: کہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔ حضرت عمر نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کلام کی بدولت بہت سے لوگوں کے رفع درجات فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پست کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج ۴/ص ۵۳۳)

یہ بھی منقول ہے کہ تین چیزوں والا یقیناً سردار ہوگا: فقہ، امانت اوادب۔

خالد بن صفوان سے حجاج نے پوچھا کہ بصرہ کا سردار کون ہے؟ خالد نے فرمایا: حسن۔ حجاج نے کہا: وہ عالم ہے؟ تو خالد نے فرمایا لوگ اپنے دین کے متعلق ان کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا کے متعلق مستغنی ہیں یعنی لوگوں کو اپنے دین کے اعتبار سے ان کی ضرورت ہے اور

ان کو لوگوں سے کوئی طمع اور لالچ نہیں، میں نے اہلِ بصرہ کی ہر بزرگ ہستی کو دیکھا ہے کہ وہ ان کی محفل میں بیٹھنا چاہتا ہے تا کہ ان کی بات سنے اور اس کو لکھے اس پر حجاج نے کہا واللہ سردار ہیں۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۴۷)

ابن المقفع سے منقول ہے کہ علم حاصل کرو اگر تم بادشاہ بنو گے تو اپنے عصروں میں علم و فضل کی وجہ سے ممتاز ہو گے اور اگر عام آدمی رہو گے تو بھی زندگی گزر جائے گی۔ ان ہی کا ارشاد ہے کہ تمہیں یہ بات خوش نہ کرے کہ لوگ تمہاری عزت مال و سلطنت کی وجہ سے کریں کیوں کہ یہ عزت، مال و سلطنت کے جانے سے جاتی رہے گی بل کہ یہ بات تمہارے لیے خوش کن ہے کہ تمہاری عزت علم و دین کی وجہ سے ہو۔

لقمان حکیم سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر انسان کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: وہ مومن عالم ہے جب بھی اس کے نفع کی ضرورت ہو اس کے ہاں مل جائے۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۴۷)

جس دن علم حاصل نہ ہو اس دن کوئی خیر نہیں:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس دن میرے علم میں اضافہ نہ ہو جو مجھے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے وہ دن میرے لیے برکت کا دن نہیں۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۴۲)

علم سونا چاندی سے بہتر ہے:

ابو کثیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ علم کی میراث سونے چاندی کی میراث سے بہتر ہے، نیکو کار نفس موتیوں سے بہتر ہے اور جسم کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۱۰۲)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ علم کے بغیر عمل کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ راستے کے بغیر چلنے والا اور علم کے بغیر عمل کرنے والا اچھائی سے زیادہ خرابی پیدا کرے گا علم کو حاصل کرو عبادت کو نقصان نہ پہونچاؤ۔

طلب علمی میں مر جائے تو انبیاء سے ایک درجہ نیچے ہوگا:

جس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو، تا کہ وہ علم حاصل کر کے دین اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ کے فرق ہوگا۔
(جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۵۵، مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے خلفاء پر ہو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو سکھاتے ہیں۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۵۵)

علم ساری دنیا سے بہتر ہے:

حضرت ہشام حضرت علی کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس نے علم حدیث کو حاصل کیا اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، تو یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (یعنی تمام دنیا سے) (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۶۰)

ابن مسعود کا طالب علم کو مبارک باد:

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ جب علم حاصل کرنے والے جوانوں کو دیکھتے تو فرماتے: حکمت کے چشموں، اندھیرے کے چراغوں، پرانے کپڑے والے، تروتازہ دل والے، پابند رہنے والے، ہر قبیلہ کی خوشبوؤں کو خوش آمدید ہو۔
(جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۶۲، جامع: ج ۱/ص ۱۵۳)

علم والا سردار ہوتا ہے:

بعض حکماء سے منقول ہے کہ جو علم کی لگام تھام لیتا ہے لوگ اس کو پیشوا بنا لیتے ہیں اور جو حکمت میں ماہر ہوتا ہے وہ باوقار آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: کہ علم حاصل کرو، اگر تم مالدار ہو گے تو یہ علم تمہارے لیے کمال کا سبب ہوگا اگر تنگ دست ہو تو مال کا سبب ہوگا۔ (جامع بیان العلم: ج ا/ص ۶۸)

علم حاصل کرنا خوش نصیبی ہے:

ابو درداء سے منقول ہے کہ علم خوش نصیبوں کو دیا جاتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ (جامع بیان العلم: ج ا/ص ۶۸)

طالب علم کی قبر منور ہوگی:

کعب سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہنر (علم دین) کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیوں کہ میں علم کے سیکھنے اور سکھانے والے کی قبر کو نور سے بھر دوں گا یہاں تک کہ وہ اپنے قبروں سے وحشت محسوس نہ کریں گے۔
(جامع بیان العلم: ج ا/ص ۷۳)

مدارسِ اسلامیہ کا مقصد

اللہ تعالیٰ کو دین اسلام قیامت تک چلانا ہے، جس کے فروغ کے لیے مختلف طریقے اور صورتیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر دور میں پیدا کی ہیں، ان میں سے ایک اہم صورت مدارس اسلامیہ ہیں جو اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں، اب ان قلعوں کو مضبوط کرنا علمائے کرام کی اصل ذمہ داری ہے، جس کا ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

میں اس وقت دینی مدارس کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں نے ابھی قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِم آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے اس میں آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں، مجمع علمائے کرام کا ہے؛ لہٰذا مجھے اس آیت کی تفسیر بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں ہے، لیکن چوں کہ حضرات علمائے کرام کی برکتوں سے بہرہ ور ہونے کے لیے الحمد للہ شہر کے معززین اور عوام کا بھی بہت بڑا مجمع موجود ہے، اس واسطے اہلِ علم سے معذرت کے ساتھ میں آیت کی تھوڑی سی تشریح کرتا ہوا آگے بڑھوں گا۔

اس آیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد میں سے پہلا مقصد یہ بیان فرمایا گیا کہ ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِم آيَاتِهٖ﴾ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک کام یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں اور ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سننے والے بھی ویسا ہی پڑھیں، ہر لفظ قرآن کی تعلیم ہو۔ دوسرا مقصد یہ بیان فرمایا ﴿ وَيُزَكِّيهِم ﴾ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اخلاق اور اعمال وافعال اور عقائد کا تزکیہ کریں، اصلاح کریں، تزکیہ کا حاصل تربیت ہے۔

تیسرا مقصد یہ بیان فرمایا کہ: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ قرآن کریم کی تعلیم دیں، یعنی قرآن کریم کے معنیٰ سمجھائیں، کیوں کہ الفاظ قرآن سکھانے کا ذکر تو ﴿ يَتْلُوا عَلَيْهِم آيَاتِه ﴾ میں آگیا ہے تو ''وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ'' کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مطالب اور معانی اور اس کے حقائق لوگوں کو سمجھائیں، اس کی تعلیم دیں اور چوتھا مقصد یہ بیان فرمایا کہ: ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت کی تعلیم دیں، تو یہ چار مقاصد ہوئے۔

(۱) ایک آیات قرآنیہ کا پڑھنا سکھانا۔ (۲) دوسرے اعمال واخلاق اور عقائد کا تزکیہ کرنا۔ (۳) تیسرے قرآن کریم کے معانی ومفاہیم اور مطالب سمجھانا۔ (۴) چوتھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دینا۔

یہ چار مقاصد بعثت بیان فرمائے ہیں، دیکھا جائے تو ان چاروں کاموں کا خلاصہ دو کام ہیں، یعنی ایک تعلیم اور دوسرا تربیت۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کا کام مکہ معظّمہ کی زندگی سے شروع فرمادیا تھا اور بسا اوقات آپ کو روپوش ہوکر پوشیدہ طور پر بھی یہ کام کرنا پڑا، دارارقم میں یہ سلسلہ شروع ہوا، اگر کہا جائے کہ اسلامی تعلیم کا سب سے پہلا مرکز ''دارارقم'' ہے۔ تو اس لحاظ سے مبالغہ نہیں ہوگا کہ مکی زندگی کا سب سے پہلا تعلیمی مرکز دارارقم تھا۔

صفہ کا مدرسہ:

مسجد نبوی کے ایک حصے میں صفہ نامی چبوترہ ہے، اسے مدینہ منورہ میں آپ اسلام کا باقاعدہ مدرسہ سمجھ لیں، ہجرت کے بعد اُسی صفے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت زیرِ تعلیم رہی، ان میں سب سے زیادہ شہرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوئی، جو یمن سے آئے تھے، اپنے گھربار اور تمام معاشی مشاغل کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آپڑے تھے، اور تقریباً یہی حال باقی تمام اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تھا۔

جن کا مقصد یہ تھا کہ آپ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زبان مبارک سے بھی علم حاصل کریں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے سے بھی علم حاصل کریں، اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تفسیر و تعلیم اپنی زبان سے بھی فرماتے تھے اور اپنے عملی نمونے سے بھی، قرآن میں جہاد کا حکم ہے تو جہاد کس طرح کیا جائے، وضو کا حکم ہے تو وضو کس طرح کیا جائے گا، نماز کا حکم تو نماز کیسے پڑھی جائے گی، زکوٰۃ کا حکم، روزے کا حکم، اعتکاف کا حکم، قربانی کا حکم، تبلیغ کا حکم، عدالت و انصاف کا حکم، اسلامی حکومت کے قیام کا حکم، عدالتوں اور سیاسی جماعتوں کے معاملات کے احکام، جہاد، صف بندی، دشمنوں کے ساتھ مقابلہ، دوستوں کے ساتھ تعلقات، دشمنوں کے ساتھ معاہدات، خرید و فروخت، معاشی ترقی کیسے ہوئی؟

اِن تمام قرآنی احکام پر عمل کا عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا اور یہ سب قرآن کی تفسیر تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات شریفہ کیا تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا ’’کَانَ خلقہ

القرآن''یعنی ان کی عادات وہ تھی جو قرآن ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پورے قرآن کا عملی نمونہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تھے،تو اصحاب صفہ قرآن سے تعلیم حاصل کرر ہے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور کتابی شکل میں موجود تھا اور اس کے عملی نمونے سے تعلیم حاصل کرر ہے تھے، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں موجود تھا، اس مدرسے کا نصاب کتاب قرآن مجید تھا، استاد تھے تاجدار دو عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور شاگرد تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ ایسا بے مثال مدرسہ تھا کہ زمین وآسمان نے ایسا مدرسہ کبھی نہیں دیکھا، ایسا استاد زمین وآسمان نے اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد کبھی دیکھا اور نہ کبھی دیکھے گا اور شاگرد بھی زمین وآسمان نے صحابۂ کرامؓ کے جیسے نہیں دیکھے جو اُس مدرسے میں زیر تعلیم تھے۔

اصحابِ صفہ کا حال:

اصحاب صفہ کا حال یہ تھا کہ یہ فکر کیے بغیر، کہ کھائیں گے کہاں سے، اللہ پر بھروسہ کرکے، تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آپڑے تھے۔ چناں چہ ان کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا، بعض اوقات کئی کئی وقت کے فاقے بھی گزر جاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسے اوقات بھی گزرے ہیں کہ طویل فاقہ ہوا اور میں مسجد نبوی کے حصے میں بھوک سے نڈھال ہو کر فرش پر پڑا ہوتا تھا، میرے اندر اتنی بھی طاقت نہ ہوتی تھی کہ بیٹھ سکوں، ان کی باتیں سن رہا ہوتا تھا، سمجھ رہا ہوتا تھا، لیکن فاقہ کے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا، بعض اوقات اِس حالت میں مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو انہوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا۔

اس طرح اللہ پر بھروسہ کر کے، توکل کر کے یہ جماعت صفہ کے اندر آئی تھی، ایک ایک وقت میں ان کی تعداد ۸۰ر تک بھی رہی؛ البتہ مدینہ طیبہ میں جو باقی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، ان میں سے زیادہ تر حضرات تو مزدوری میں لگے ہوئے تھے، کچھ حضرات کے کھجوروں کے باغات تھے اور کچھ حضرات تجارت میں لگے ہوئے تھے، ان کو جیسا بھی ذریعۂ معاش حاصل تھا، اس میں سے وہ اپنے بال بچوں کو جو روکھی سوکھی کھلاتے تھے اسی میں سے کچھ حصہ اصحابِ صفہ تک پہنچادیتے تھے۔

چناں چہ صفہ کے پاس مسجد نبوی کے دروازے کے طور پر، جو دو کھجوروں کے تنے پر کھڑے ہوئے تھے ان میں مدینے کے کچھ لوگ آ کر کھجوروں کے خوشے لٹکا دیا کرتے تھے، تاکہ اصحابِ صفہ اُن سے اپنی بھوک مٹالیں، فقر وفاقے کا زمانہ تھا، یہ فاقہ کش اور بوریہ نشین جماعت تھی، بل کہ یہ تو ایسی جماعت تھی کہ انہیں بوریہ بھی شاید ہی نصیب ہوا ہو۔

صفہ کے مدرسے کے فاضلین:

یہ جماعت فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے نکلی تو ایک تاریخ ساز جماعت ثابت ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے آپ کی وفات تک کل ۲۳ر سال کی تعلیم وتربیت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ملی تھی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس مقدس جماعت نے ایسے کارنامے دنیا کو دکھائے کہ آج تک دنیا حیران ہے، مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد دس سال کے اندر اندر پورے جزیرہ نمائے عرب پر اُس جماعت کی حکمرانی قائم ہو چکی تھی۔

جب جزیرہ نمائے عرب کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف سعودی عرب ہی مراد نہیں ہوتا، بل کہ اس میں سعودی عرب، بحرین، کویت، ابوظہبی، دبئی، شارجہ، قطر،

عمان، مسقط اور تمام خلیجی ریاستیں داخل ہیں، یعنی کم وبیش ایک درجن چھوٹے بڑے ممالک اور ریاستوں کے مجموعے کا نام ''جزیرہ نمائے عرب'' ہے۔

اس جزیرہ نمائے عرب پر صفہ کے مدرسے کے اُسی استاد اور معلم کی حکمرانی تھی، جو پیٹ پر دو دو پتھر باندھ کر کبھی نماز کی امامت کرتا تھا اور کبھی میدان جہاد میں اللہ کے راستے کے شیدائیوں کی قیادت فرماتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی پورے جزیرہ نمائے عرب پر قائم تھی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس جماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگرد تھی، یہی آپ کے اعوان وانصار تھے، ہجرت کے سال سے مدینہ طیبہ میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور:

دس سال بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور حکمرانی آیا۔ تیس سال تک وہ مقدس خلافت راشدہ قائم رہی، جس نے دنیا پر مثالی سیاست وحکومت کے اَن مٹ نقوش چھوڑے۔ اس نے عدل وانصاف، امن وایمان اور علم وحکمت کے میدانوں میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے اور دنیا کو یہ بتلایا کہ کامیاب حکومت اور فلاحی ریاست کا نمونہ کیا ہوتا ہے۔

یہ خلافت راشدہ کا مقدس دور ہے، اس دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے لوگوں کے دلوں کو جیتا اور جہاں چلے گئے اقوام نے اپنے دروازے ان کے لیے کھول دیئے، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ علم وحکمت کے مینار، یہ انصاف قائم کرنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور ہمارے ملک میں باپ جیسی محبت کرنے والے حکمران بن کر آرہے ہیں، یہ عدل وانصاف کے جو نمونے پیچھے قائم کرتے چلے

آرہے ہیں، ہمارے ملکوں اور ہمارے علاقوں میں بھی قائم کریں گے۔

اسلام تلوار کے بجائے حقانیت کے زور سے پھیلا ہے:

یہ ہمارے دشمنوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یا عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے اس کی گردن پر تلوار رکھ کر یہ کہا گیا ہو کہ ''لا إلـه إلا الله محمد رسول الله'' پڑھو، اسلام میں ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ کا اعلان ہے، کہ دین میں کوئی اکراہ (زبردستی) نہیں ہوسکتی، حق اور باطل تمہارے سامنے کھرا آگیا ہے، جس کا جی چاہے حق کو اختیار کرکے جنت کا رہائشی بن جائے اور جس کا جی چاہے باطل پر جما رہے اور جہنم کا ایندھن بن جائے، بہر حال اسلام میں زبردستی نہیں ہے کہ تم ضرور اسلام لاؤ اور کلمۂ توحید پڑھو۔ ہاں! تبلیغ ہے، تعلیم ہے، جو چاہے اُس تبلیغ وتعلیم کو قبول کرلے اور جو چاہے باطل پر جما رہے۔

خیر! یہ مقدس جماعت تبلیغ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا کو پہنچانے کے لیے جزیرۂ نمائے عرب سے نکلی اور جہاں جہاں ظالم وجابر بادشاہوں اور حکمرانوں نے اس تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، ان کو دعوت اسلام دی اور جزیہ کی شرط پر مصالحت کی پیش کش کی، جنہوں نے مصالحت کی اس پیش کش کو نہ مانا، ان سے جہاد کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کے بازوؤں میں وہ طاقت دی تھی، ان کی تلواروں میں وہ تیزی رکھی تھی کہ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں کے اندر قیصر وکسریٰ کی طاغوتی طاقت کا یعنی دنیا کی دونوں ظالم سُپر پاور طاقتوں کا خاتمہ کردیا، اور دنیا کو ان کے مظالم سے نجات دلا کر وہاں اسلام کا عدل وانصاف قائم کیا۔

اورحضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں تو اسلام یہاں مکران کے قریب تک آچکا تھا، اُدھر آذربائیجان اور قفقاز کے ممالک فتح ہو چکے تھے، اور افریقہ کے بہت سارے ممالک اسلام کے زیرنگیں آچکے تھے،تقریباً پچیس سال کے عرصے میں یہ انقلاب رونما ہو گیا تھا کہ دنیا کی دو سپر طاقتوں کا خاتمہ کر کے اسلام دنیا کی واحد سُپر طاقت بن چکا تھا۔

لیکن یہ صرف تلوار کے زور سے نہیں بل کہ حقانیت کے زور سے ہوا، علم وحکمت اور مثالی اخلاق کی بنیادوں پر انصاف اور انسانیت کے رکھوالوں نے اپنے حسین کردار کے عملی نمونے قائم کر کے دکھلا دیئے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں بہت زیادہ طاقت بھی استعمال نہیں کرنی پڑی، زیادہ تر وہیں کے عوام نے مجاہدین کے لیے راستے کھولے، اپنے جابر و ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر کے اُن کا استقبال کیا اور مسلمانوں کو اپنا سرتاج بنایا، اِس طرح وہاں کے لوگوں کی رضا ورغبت سے اسلام پھیلتا چلا گیا۔

یہ اسلام پھیلانے والے کون تھے؟ وہی ''دارارقم'' اور''صفہ'' کے فاقہ مست اور بوریہ نشین طلبہ اور فارغ التحصیل علماء جو جزیرہ نمائے عرب سے نکلے تو اُس وقت اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھ میں تھیں، لیکن چند ہی سال بعد دنیا نے دیکھا کہ قوموں کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آ گئی ہے اور اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گیا، یہ فیض تھا اُس درس گاہ اور اس کے معلم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی مقدس جماعت تیار کر دی تھی کہ جن کو دیکھ کر لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے۔

مالدیپ اور مالا بار میں اسلام کیسے پھیلا؟

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے سندھ کے علاقے

میں آیا، لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالا بار میں آیا، جو اب بھارت کے جنوبی صوبے کیرالا کا بڑا ساحلی علاقہ ہے؛ تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق تجارت کے سلسلے میں عربوں کی آمد ورفت پہلے ہی سے مالا بار میں تھی۔

لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا، اس زمانے میں مالا بار کا راجہ زمون یا ''سامری'' کے نام سے مشہور تھا، اس راجہ نے معجزہ ''شق القمر'' کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق شروع کی اور اس واقع کو بطور یاد داشت سرکاری روزنامچے میں درج کرایا۔

بالآخر اسے معلوم ہوا کہ سرزمین عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھوں یہ معجزہ رونما ہوا ہے، یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کرلیا اور تخت وسلطنت اپنے ولی عہد کے سپرد کرکے خود کشتی کے ذریعے سرزمین عرب کی طرف روانہ ہوا، لیکن راستے ہی میں یمن میں وفات پائی، اور یمن کے ساحلی علاقے میں مدفون ہوا، پھر عرب تاجروں کے ذریعے مالا بار میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا، اسلام نے اس لیے اور بھی تیز رفتار ترقی کی، کہ عرب مسلمانوں کے کریمانہ اخلاق، ہمدردی اور سب کے لیے خیر خواہی، رحم دلی، سچائی اور رواداری نے ان کے دل جیت لیے، وہ ذات پات کی بندشوں کو دور کرکے مظلوم ومغلوب انسانوں کے لیے ابر رحمت ثابت ہوئے، ان کی تجارت نے اس ملک کی ترقی کا سامان کیا۔

چناں چہ مالا بار کا ایک اور راجہ جس نام ''عجائب الانظار'' کی روایت کے مطابق ''چیرامن پیرومل'' تھا، دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوگیا، اس نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ مالا بار میں تبلیغ اسلام کا کام

پوری مستعدی سے وسیع پیمانے پر جاری کیا جائے، جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی بکثرت اسلام میں داخل ہوئے اور اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔

تقریباً مالدیپ کا پورا ملک، جس میں سرندیپ بھی داخل ہے، اسلام کے زیرِ نگیں آیا، اسلام کی عظیم الشان حکومت وہاں قائم ہوئی، وہی مالدیپ جس کا دارالحکومت آج بھی مالے کے نام سے مشہور ہے اور سری لنکا اور کولمبو جاتے ہوئے اس کا ایئر پورٹ راستے میں پڑتا ہے؛ یہ کئی جزائر کا مجموعہ ہے۔ وہاں اسلام کس طرح پھیلا؟ یہاں اسلام پھیلانے والے بھی وہ مسلمان تاجر تھے جنہوں نے رسول اللہ کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی تھی

یہ لوگ تجارت کے لیے سراندیپ اور مالدیپ آکر آباد ہوئے، یہاں ساری آبادی مشرکین کی تھی، حکومت بھی مشرکین کی تھی، انہوں نے تجارت کا کام شروع کیا، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد لوگوں نے دیکھا کہ ان کے حالات کچھ اور ہیں، ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، ان کی رفتار، گفتار اور کردار، ان کی تجارت، ہر چیز ہم سے مختلف اور نرالی ہے، لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان وہی مالِ تجارت لے کر اُسی بازار میں بیٹھتے ہیں اور مقامی لوگوں کے پاس بھی وہی مالِ تجارت ہے، مگر کاروبار مسلمانوں کا بڑھتا ہے، ان کا نہیں بڑھتا، رفتہ رفتہ لوگوں نے ملنا جلنا شروع کیا، حالات پوچھے، انہوں نے اسلام کا تعارف کرایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سراندیپ اور مالدیپ میں اُن مسلمانوں کو دیکھ کر لوگ مسلمان ہونا شروع ہوگیے حتیٰ کہ بادشاہ بھی مسلمان ہوا اور اہل دربار بھی مسلمان ہوگیے، تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں نے یہ تماشا دیکھا کہ وہ کفرستان اسلامستان میں بدل گیا، یہاں کوئی لشکر کشی نہیں ہوئی، حتیٰ کہ تبلیغ کے قافلے بھی نہیں پہنچے تھے، جو اسلام کا پیغام بھی ساتھ لائے

تھے اوران کا عملی نمونہ دیکھ دیکھ کر لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے چلے گیے۔

اس کے بعد مسلمان تاجروں اور سیاحوں کے ذریعہ اسلام بحر الکاہل کے ممالک جاوا، سماترا (انڈونیشیا)، سنگاپور، ملایا (ملائیشیا)، وغیرہ کو طے کرتا ہوا جنوبی چین تک جا پہنچا، ان ممالک میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی طریقوں سے ہوا، جنگ و جہاد کا اس میں کوئی دخل نہ تھا، یہ کرامت تھی اس درس گاہ کی، جس کے مبلغین یا فارغ التحصیل تھے یا اُن کے شاگرد تھے، الحمدللہ! دارِارقم اور اصحاب صفہ سے جو طریقہ شروع ہوا تھا اس کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔

حکمت کی بات مؤمن کا گمشدہ متاع ہے:

اس سلسلے میں جو تعلیم ملی تھی اس تعلیم کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ "کلمة الحکمة ضالة المؤمن" یعنی حکمت کی ہر بات مؤمن کا گمشدہ متاع ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق بات، حکمت اور دانائی کی بات جہاں سے ملے وہ تمہاری اپنی چیز ہے، تم اسے لے لو چاہے کافر سے ملے، اپنوں سے ملے یا دشمنوں سے، اس کو اپنا لو، یہ ایک بنیادی نکتہ تھا، چناں چہ بعد میں جب مسلمانوں کی فتوحات پھیلیں اسلام ایران و عراق، مصر و شام، افریقہ، اندلس اور دوسرے ممالک میں پہنچا تو وہاں کی تہذیبوں سے بھی واسطہ پڑا، وہاں کی سائنس اور ٹیکنالوجی بھی اُن کے سامنے آئی، فلسفے بھی سامنے آئے، وہاں کی طب ان کے سامنے آئی، اور انہوں نے ان علوم وفنون کو بھی اپنایا۔

یونانی فلسفہ:

یونان کا فلسفہ اسلامی عقائد سے ٹکرا رہا تھا، علمائے اسلام اور مسلم حکمرانوں نے یونانی فلسفے کے عربی میں ترجمے کرائے اور اس میں بھی انہوں نے وہ مہارت حاصل کی، کہ وہ خود عظیم الشان فلسفی بن گئے اور اس فلسفے میں جو باتیں اسلامی عقائد سے متصادم تھیں

فلسفیانہ دلائل ہی سے ان کا قلع قمع کیا، ارسطو کی ایجاد کردہ منطق سے کام لے کر اور یونانی فلاسفروں کے طریقۂ استدلال ہی کو استعمال کر کے ثابت کیا کہ فلسفے کے دلائل کا تقاضا وہ مفروضات نہیں، جو ارسطو اور افلاطون نے اختیار کیے تھے، بل کہ عقلی دلائل ان عقائد کی گواہی دیتے ہیں جن کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

غرض! امام رازیؒ اور امام غزالیؒ جیسے علمائے دین اور حکمائے اسلام نے فلسفے کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ثابت شدہ سائنسی حقائق کبھی اسلام سے نہیں ٹکرائے اور اسلام کبھی سائنسی حقائق سے نہیں ٹکرایا، جب کبھی اسلام کا تصادم ہوا، فلسفوں سے ہی ہوا۔ اور الحمدللہ! علمائے اسلام نے فلسفوں کو سمجھ کر، ان کے دلائل کو سمجھ کر، ان کے طرزِ استدلال کو اختیار کر کے انہی کے دلائل اور طرز استدلال سے ان کے باطل نظریات کا قلع قمع کیا، امام فخر الدین رازی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہما کی مثالیں اس سلسلے میں واضح ہیں، یہ سلسلہ چلتا رہا، ہر زمانے میں علوم وفنون کو اس زمانے کے حکمائے اسلام اور علمائے کرام اپناتے رہے، ان کی اصلاح کرتے اور ان کو ترقی دیتے رہے۔

اسلامی نظام میں دین و دنیا کی تفریق نہیں ہوتی:

اسلام نظام تعلیم میں دوئی نہیں تھی، ایسا نہیں تھا کہ دین کی تعلیم الگ درس گاہوں میں ہوتی ہو، دنیاوی یا عصری علوم وفنون کی تعلیم الگ درس گاہوں میں ہوتی ہو، ہر قسم کے علوم وفنون کی تعلیم ایک ہی درس گاہ میں ہوتی تھی، پھر ان میں سے بعض لوگ تمام علوم وفنون میں مہارت پیدا کرتے تھے، اور بہت سے حضرات ایسے تھے کہ ان میں کسی نے علم حدیث میں مہارت پیدا کی، جیسا کہ ائمہ حدیث امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی۔

کچھ حضرات نے علم فقہ میں کمال پیدا کیا، جیسے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد، امام شافعیؒ اور ان کے شاگرد، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگرد وغیرہم، بہت سوں نے فقہ، علم کلام اور فلسفے میں بھی ایک ساتھ کمال پیدا کیا، جیسے امام غزالیؒ، بہت سوں نے تفسیر میں کمال پیدا کیا، جیسے کہ ہمارے بہت سے مفسرین کرام ہیں اور ان میں سے امام رازیؒ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ فلسفے اور حکمت کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر کے امام بھی ہیں تو اِس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔

کچھ حضرات نے خاص خاص علوم وفنون میں تخصصات کیے، لیکن وہ اپنے زمانے کے دوسرے علوم وفنون سے بھی بہرہ ور ہوتے تھے، چاہے وہ دینی علوم ہوں یا دنیاوی علوم؛ کیوں کہ اسلام میں تو دین اور دنیا کی تفریق ہے ہی نہیں۔ ایک اچھا مسلمان دنیاوی علوم وفنون بھی اللہ کی رضا اور مخلوق کی خدمت اور ملک وملت کے فوائد کے لیے ہی حاصل کرتا ہے، اس واسطے دنیاوی علوم وفنون کا ثواب بھی وہی ہوتا ہے جو اسلامی علوم کا ہے۔

منطق کی کتاب ”قطبی“ پڑھ کر ایصال ثواب:

میں نے بعض بزرگوں سے یہ واقعہ سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کے استاد تھے، ایک دن دارالعلوم دیوبند میں قطبی کا درس پڑھا رہے تھے، یہ منطق کی کتاب ہے، جس میں دین وایمان نام کی کوئی چیز نہیں ہے، خالص فنی کتاب ہے، حساب اور ریاضی کی طرح منطق بھی ایک فن اور مفید فن ہے، قطبی کے سبق کے دوران ہی کسی نے آکر درخواست کی کہ حضرت! میرے فلاں رشتہ دار کا

انتقال ہوگیا ہے ایصال ثواب کرادیں، تو فرمایا! ٹھیک ہے جب منطق کا سبق ختم ہوا تو طلبہ سے کہا کہ ہم جس نیت سے حدیث اور فقہ پڑھاتے ہیں، اسی نیت سے منطق بھی پڑھاتے ہیں اس لیے ہمارا منطق پڑھنا پڑھانا بھی ایک عبادت ہے، تم نے جو سبق پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں کے والد کو پہنچا دو۔

اسلام میں دین اور دنیا کی تفریق نہیں، تعلیم کے اندر بھی یہ خلیجیں نہیں تھیں کہ یہ دنیاوی تعلیم کی درس گاہیں ہیں، وہ دینی تعلیم کی درس گاہیں، البتہ دنیاوی تعلیم کی درس گاہیں بھی دینی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں، وہاں سے ابوریحان البیرونی اور ان جیسے دوسرے عظیم فلاسفر وحکماء اور اس وقت کے سائنس داں پیدا ہوئے، تو وہ بھی علم حدیث، علم تفسیر، عربی زبان، فقہ اور اصول وفقہ وغیرہ سے بے بہرہ نہیں تھے بل کہ وہ ان کا بھی وافر علم رکھتے تھے۔ اس زمانے کے مسلمانوں میں سائنس داں اور اطباء بھی تھے، جغرافیہ، ریاضی، علم ہیئت اور فلکیات کے ماہرین بھی تھے، جو دینی علوم سے بھی بہرہ ور تھے، لیکن سارے کے سارے سرکاری تعلیمی ادارے دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے دور میں نظام تعلیم وہی چل رہا تھا، یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی، اس زمانے کی سائنس اور دوسرے دنیاوی علوم ہمارے ہندوستان کے تمام مدارس میں رائج تھے، اور اس وقت کے علماء ان تمام مضامین کو یعنی انجینئر نگ (علم الہندسہ) حساب، الجبرا، جیومیٹری، علم ہیئت اور فلکیات، جغرافیہ اور طب وغیرہ کو اپنے دینی مدارس میں پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔

مسلمانوں کے جامع نظام تعلیم کا زوال:

لیکن ہماری شامت اعمال رنگ لائی اور ہماری محکومیت کا دور شروع ہوا، جب

انگریز اپنی مکاری اور دھوکہ بازی کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں لٹیرے بن کر اور برصغیر پر عذاب بن کر نازل ہوئے، انہوں نے اپنی چال بازیوں سے ہندوستان کی زمینوں پر قبضے کرنے شروع کیے اور رفتہ رفتہ چال بازیوں کے ذریعے اپنے قدم جماتے چلے گیے، کیوں کہ اس زمانے میں ہمارے حکمران وہ سارے سبق بھول چکے تھے جو قرآن وسنت اور خلفائے راشدین نے امت کو دیا تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ، محمد بن قاسمؒ، طارق بن زیادؒ اور دوسرے بزرگان دین نے جو کچھ سکھلایا تھا وہ اسے بھی ''قصہ پارینہ'' بنا چکے تھے، شخصی حکومت کی وجہ سے وہ عیاشی اور طرح طرح کی آرام طلبیوں میں گھر گیے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی افواج کا جو سیلاب آیا اس میں وہ خس وخاشاک کی طرح بہتے چلے گیے۔

1857ء کی جنگ آزادی:

اس وقت کے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے آخری وقت تک انگریزی حکومت اور فوج کا بھرپور مقابلہ کیا، اس سلسلے کی آخری کوشش 1857ء میں بہادر شاہ ظفر مرحوم کے دور میں ہوئی، یہ مغلیہ دور کے آخری بادشاہ تھے، مگر ان کی حکومت صرف دہلی کے لال قلعہ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، باقی تقریباً سارے ملک پر انگریز کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

1857ء میں جہاد آزادی کی تحریک اٹھی اور وہی مقدس جماعت جو دار ارقمؓ اور صفہ کے تعلیم یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کررہی تھی، وہ بوریہ نشین ملاّ، وہی مسجدوں کے امام، وہی خانقاہوں کے پیشوا میدان میں آئے۔

ان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے، جنہوں نے بعد میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور دوسرے علمائے دین اس جہاد میں پیش پیش تھے، ان حضرات نے تھانہ بھون کے پاس

انگریزی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جہاد آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

لیکن ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشوں کا وقت آیا ہوا تھا اور ہمیں اپنے کیے کی سزائیں ملنے والی تھیں، اپنے ہی بعض مسلمانوں کی غداریوں کی وجہ سے یہ تحریک آزادی شکست سے دوچار ہوئی اور ہندوستان میں دہلی کے چوراہوں پر پھانسی کے پھندے لٹکائے گیے، علمائے حق کو ان پر پھانسیاں دے دے کر شہید کیا گیا۔

انگریزوں کی طرف سے ہندوستان کے طول وعرض میں وحشت وبربریت کا جو دور مسلمانوں پر آیا وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے، ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء بروز سنیچر ''جلیانوالہ باغ، امرت سر'' (پنجاب) کے وہ دلدوز مناظر آج بھی تاریخ کو یاد ہیں جس میں ۱۵۰۰/انسان مارے گئے تھے۔

مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی ایک اور خطرناک چال:

انگریزی حکومت پورے کرّ وفر کے ساتھ پورے برصغیر پر قابض ہوگئی، یہ چال باز اور دھوکہ باز حکومت تھی، شروع شروع میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، علمائے حق کو پھانسیوں پر لٹکایا۔

اس کے بعد انہوں نے امن کا لباس اور تمدن کا لباس پہنا، اپنے بھیڑیے پن کو کوٹ پتلون میں چھپانے کی کوشش کی اور ایسی تدبیریں شروع کیں جن سے مسلمان اپنے قرآن پاک کو بھول جائیں، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول جائیں، اپنے دین کو فراموش کر کے ایک غلام قوم کے طور پر ان کے تابع فرمان ہوجائیں۔

انہیں ہندوؤں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، انہیں سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے تھا، کیوں کہ یہ قوم حکمرانی تو جانتی تھی، محکومی اور غلامی سے ناآشنا تھی، یہ انگریزی حکومت کو

دل سے قبول کرنے والی قوم نہیں تھی، مسلمانوں کو قابو میں لانے اور ان پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے دینی مدارس کو بے اثر کر دینا انگریزوں کی سیاسی ضرورت تھی، انہوں نے دینی مدارس پر فوج کشی نہیں کی، بل کہ انہوں نے سب سے پہلے یہ کیا کہ ہندوستان کے سرکاری دفاتر سے فارسی زبان کو ختم کر کے انگریزی زبان مسلط کر دی۔

جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ جب اس ملک کے باشندے سرکاری دفاتر میں پہنچے تو وہ سرکار کی نظروں میں اَن پَڑھ اور جاہل تھے، چاہے وہ کتنے ہی اونچے درجے کے تعلیم یافتہ کیوں نہ ہوں مگر صرف انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے سرکاری اداروں میں وہ جاہل اور اَن پڑھ قرار دیئے گیے، وہ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لیے سرکاری اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرنے پر مجبور ہو گئے، جہاں ایک اجنبی قوم کی زبان اور اجنبی تہذیب ومعاشرت کی حکمرانی تھی اور اسلامی تعلیمات کا داخلہ ممنوع تھا۔

اسلام کسی قوم کی زبان سیکھنے سے منع نہیں کرتا:

اسلام کسی قوم کی زبان سیکھنے سے منع نہیں کرتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور چند ہی دنوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی زبان میں مہارت پیدا کر لی، چناں چہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمان تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کو خط بھیجتے تو یہودیوں کی زبان میں اُن سے خط لکھواتے تھے اور جب یہودیوں کا خط آتا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا ترجمہ عربی زبان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے تھے، اسلام کسی زبان کا دشمن نہیں ہے۔

انگریزی زبان مسلمانوں پر سیاسی حربے کے طور پر مسلط کی گئی:

اسلام انگریزی زبان کا بھی دشمن نہیں، لیکن اس وقت مسلمانوں پر انگریزی زبان ایک سیاسی حربے کے طور پر مسلط کی جارہی تھی، اسلام کو نظام تعلیم اور نصاب تعلیم سے خارج کردیا گیا تھا، تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنی اسلامی روایات اوراپنے ماضی سے رشتہ توڑکر اپنا قبلہ یورپ اور انگلستان کو بنالے اور جسمانی محکومیت کے ساتھ ذہنی غلامی کا طوق بھی اپنے گلوں میں ڈال لے۔

چناں چہ اس زمانے میں ہمارے بزرگوں نے یہی کہا کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرو، اس لیے کہ اُن اسکولوں میں نظام تعلیم سیکولر تھا، اس میں زبان بھی اجنبی، تہذیب وتمدن بھی دوسرے، روایات وآثار بھی دوسری قوم کے، خلاصہ یہ کہ ایک غلام قوم تیار کرنے کے لیے جس تعلیم وتربیت کی ضرورت تھی وہ پوری طرح ان اسکولوں اور کالجوں میں مہیا کردی گئی تھی۔

(ازماہنامہ ''الحسن'' مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی)

اشاعت علم اکابرین کی نظر میں

علم حاصل کرنے کی اپنی ایک فضیلت ہے مگر یہاں بات تو ختم نہیں ہو جاتی ہے آخر ہر کام کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ جب تک وہ مقصد حاصل نہ ہو، انسان منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ چناں چہ اس علم کو پڑھنے کے بعد پڑھانا بھی چاہیے پڑھنے پڑھانے میں لگا رہنا چاہیے اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "**اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا**" مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

چناں چہ جو معلم بنتا ہے وہ نبی علیہ السلام والے مقصد میں شریک بن جاتا ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم حاصل کرو اور اسے لوگوں کو پڑھاؤ۔ اور لوگوں کو وقار اور سکینہ سکھاؤ اور تم اس کے لیے تواضع اختیار کرو جس سے تم نے علم سیکھا ہے اور تم جابر علماء میں سے نہ بنو۔ یعنی اگر علم آئے تو ساتھ ساتھ تواضع بھی بندے کے اندر آنی چاہیے اس لیے کہ درخت کے جس شاخ پر پھل زیادہ ہوتا ہے وہ شاخ زیادہ جھک جاتی ہے اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ علم نافع عطا فرما دیتا ہے وہ بندہ اپنے ایمان والے بھائیوں کے سامنے "وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ پر عمل کرتا ہے اور ان ایمان والوں کے سامنے جھک جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں: "**ان احدا لا یولد عالماو العا لم بالتعلم**" کوئی بھی بندہ عالم پیدا نہیں ہوتا ہے (ماں کے پیٹ سے) علم تو پڑھنے پڑھانے سے ملتا ہے۔
حضرت سلمان فرماتے ہیں: "**علم لا یقال بہ ککنز لا ینفق**" وہ علم جس کو

نہ بتایا جائے ایسے خزانے کے مانند ہے جس کو خرچ ہی نہ کیا جائے۔

فضیل بن غزوانؒ فرماتے ہیں۔ ''کنا نجلس انا وابن شبرمة والحارث العکلی والمغیرة والقعقاع بن یزیدبا للیل نتذا کر الفقه فر بمالم نقم حتٰی نسمع النداء لصلوٰ ة الفجر'' ......ہم چند لوگ، یعنی میں ابن شبرمہ، حارث العکلی، مغیرہ اور قعقاع بن یزید مل بیٹھ کر رات کو فقہ کے بارے میں مذاکرہ کرتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم مجلس سے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ ہم فجر کی نماز کی اذان سن لیا کرتے تھے۔

ان کی ساری ساری رات علم کے مذاکرہ میں گزر جایا کرتی تھی۔

یہی فضیل بن غزوان ایک جگہ اورارشاد فرماتے تھے:

''لا تمنع العلم من اهله فتا ثم ولا تنشره عند غیر اهله فتهجل وکن طبیًا رفیقا یضع دوائه حیث یعلم انه ینفع''

علم کو اس کے اہل سے روکو نہیں، یہ گناہ ہے اور اس کو کسی نا اہل کو دو نہیں، کہ یہ جہالت ہے اور تم ایک رفیق طبیب کی مانند بن جاؤ وہ اپنی دوا کو ایسی جگہ پر رکھتا ہے جہاں پر وہ جانتا ہے کہ یہاں دوا رکھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

وہ ایسی جگہ دوا لگاتا ہے جہاں لگانے سے اسے فائدہ نظر آتا ہے تو جس طرح رفیق طبیب اپنی دوا کا استعمال کرتا ہے تم بھی اپنے علم کو اپنے شاگردوں پر استعمال کرو۔

﴿باب دوم﴾

حصولِ علم میں اخلاص واخلاق کی اہمیت

تصحیح نیت

سب سے پہلی چیز تمام اعمال میں نیت ہے۔ کیوں کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ظاہر کی شکل وصورت کے اعتبار سے اعمال میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن اگر باطن کی طرف نگاہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ کون سا عمل، عمل کہلانے کے لائق ہے۔ نماز مسلمان بھی پڑھ رہے ہیں اور منافقین بھی، دونوں کی نماز صورۃً نماز ہے لیکن اللہ تعالیٰ مؤمنین کی نماز کے بارے میں فرمارہے ہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُون﴾ بلاشبہ مومن کامیاب ہوگئے اور منافقین کے بارے میں فرمارہے ہیں ﴿وَ اِذَا قَامُو اِلَی الصَّلاۃِ قَامُوْا کُسَالٰی﴾ (کہ جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں)۔

دونوں طرف نماز ہے لیکن نیت کے فرق کی وجہ سے ایک سبب قرب خداوندی ہے ایک سبب بُعد خداوندی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کتنے اعمال صورت کے اعتبار سے دنیاوی اعمال نظر آتے ہیں لیکن حسن نیت کی بناء پر اعمال آخرت شمار ہوتے ہیں اور کتنے اعمال صورت کے اعتبار سے آخرت کے اعمال نظر آتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال شمار ہوتے ہیں۔ (تعلیم المتعلم: ص/۱۲)

اسی لیے علماء نے ہر عمل کے لیے نیت کو شرط قرار دیا ہے۔ علامہ طحطاوی نے اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ نیت عادت اور عبادت میں تمیز کرتی ہے مثلاً: بسا اوقات آدمی سارا دن کھانا نہیں کھاتا کبھی اشتہاء نہ ہونے کی وجہ سے، کبھی مرض کے عذر کی وجہ سے

اس کو کوئی روزہ نہیں کہے گا بل کہ یہ فاقہ کہلائے گا، اور اگر اس میں نیت روزہ کی ہو تو اب یہ کھانے پینے سے رکنا "مفطرات عن الصوم" روزہ کہلائے گا۔ (طحطاوی: ۱۱۷)

چناں چہ نیت اپنی اہمیت کی وجہ سے تمام اعمال میں ان کی قبولیت اور عدم قبولیت کے لیے مؤثر ہے۔ تمام محدثین نے اپنی کتب میں سب سے پہلے نیت ہی کا التزام کیا ہے تا کہ علم دین پڑھنے والا سب سے پہلے اپنی نیت درست کر لے یہاں تک کہ امام بخاریؒ جو میدان حدیث کے جرنیل اعظم ہیں انہوں نے اپنی کتاب کو بھی "اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ" ہی سے شروع کیا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

آپ جن علماء و محدثین کو عنان عزت پر دیکھتے ہیں اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو یہ سب ان کے اخلاص کی برکت سے تھا ان کی تعمیر زندگی میں اخلاص اہم عامل ہے۔ ملاّ نظام الدین کو ہی لے لیجیے جن کا درس نظامی آج صرف ہند و پاک میں نہیں بل کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں قائم ہے اور باوجود کوشش کے اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکا۔ محض ان کی علمیت کی بناء پر ایسا نہیں ہوا بل کہ ان کے ساتھیوں اور ہم عصروں میں بہت سے ایسے اشخاص تھے جو علم و فضل میں ذہانت و ذکاوت میں اگر بڑھے ہوئے نہیں تو ان کے ہم پلہ ضرور ہوں گے، لیکن کیا بات ہے کہ آج ملا نظام الدین تو زندہ جاوید ہیں لیکن ان کے معاصرین کا تذکرہ اگر آتا بھی ہے تو صرف ان کے سلسلے میں ہی آتا ہے۔ اگر آپ غور کریں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ان کی پشت پر اخلاص کی وہ زبردست قوت کارفرما پائیں گے جس نے ملاّ نظامؒ الدین کو قیامت تک کے لیے زندہ جاوید بنا دیا۔

بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے پڑھنے کے بعد یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے کچھ

بھی نہیں سیکھا۔ اور انہوں نے اپنے زمانے کہ ایک ایسے امی شخص سے جو گوشۂ گمنامی میں اودھ کے ایک چھوٹے سے گمنام گاؤں ''بانسہ'' میں اخلاص کا سرمایہ لے کر پڑا ہوا تھا اپنے آپ کو متعلق کرلیا، اگر ملاّ نظام الدین چاہتے تو بہت سے ایسے خدا کے بندے بھی ان کو مل سکتے تھے جو اپنے وقت کے امام تصور کئے جاتے تھے لیکن ملا نظام الدین نے اپنے آپ کو ایک ایسے شخص کے سپرد کردیا کہ جس کی شہرت اگر ہوئی بھی تو ملا نظام الدین کے ذریعہ سے ہوئی۔ بہرصورت اس کی مثالیں اگر دی جائیں تو سیکڑوں مثالیں ملیں گی۔ (پاجا سراغ زندگی: ص ۲۱)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی امت کو بار بار اس امر خطیر کی طرف متنبہ کیا ہے چناں چہ فرمایا: حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: میں سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہوں، جو شخص ایسا کوئی عمل کرے جس میں میرے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کرلے تو میں اس عمل کو اس کے شریک کے حوالے کردیتا ہوں دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوجاتا ہوں۔ (مشکوۃ عن مسلم: ج ۲/ص ۴۵۴)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں ایک منادی با آواز بلند کہے گا: جس شخص نے کسی عمل میں دوسرے کو شریک کیا ہو تو وہ اس کا ثواب اور بدلہ اسی سے مانگے، اللہ تعالیٰ سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہیں۔

(مشکوۃ عن احمد: ج ۲/ص ۴۵۴)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: جو شخص ریاکاری سے نماز پڑھتا ہے وہ مشرک ہوجاتا ہے اور جو شخص ریاکاری سے روزہ رکھتا ہے وہ مشرک ہوجاتا ہے اور جو شخص ریاکاری سے صدقہ کرتا ہے وہ مشرک ہوجاتا ہے۔ (مشکوۃ عن احمد: ج ۲/ص ۴۵۵)

مشرک ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جن کے دکھانے کے لیے یہ

اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتا ہے۔اس صورت میں یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں رہتے بل کہ ان لوگوں کے لیے بن جاتے ہیں جن کو دکھانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔
(فضائل اعمال:ص ۵۶۶)

یہ حدیث گزشتہ حدیث کی بہترین تفسیر ہے کہ بعض اعمال ظاہری صورت کے اعتبار سے عمل آخرت ہوتے ہیں لیکن سوءِ نیت کی وجہ سے دنیاوی اعمال شمار ہوتے ہیں۔

علم کس نیت سے حاصل کیا جائے:

علامہ زرنوجیؒ نے ''تعلیم المتعلم''میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ علم کو رضائے الٰہی کے حصول، آخرت میں کامیابی وسرخ روئی، اپنے نفس کو جہالت کی آلودگی سے پاک کرنے، جہلاء سے جہل کے اثرات دور کرنے (یعنی علم کے ذریعہ ان کو جہل سے نکالنے) اسلام کے احیاء اور دین کی بقا کی نیت سے حاصل کرے کیوں کہ اسلام کی بقا علم ہی سے ہے اور تقویٰ وزہد بغیر علم کے صحیح نہیں ہے۔ (تعلیم المتعلم:ص۱۲)

طاش کبریٰ زادہؒ نے لکھا ہے کہ علم عمل کرنے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے، آخرت کا فائدہ حاصل کرنے، جاہل کو دین سکھانے، غافل کو جگانے اور گمراہ کو راہ راست دکھانے کی نیت سے حاصل کرے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم حاصل کرنا حرام اور باطل ہے۔علم کو عمل کے لیے حاصل نہ کرنا علم ضائع کرنا ہے۔ چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ جس علم سے فائدہ نہ اٹھایا جائے وہ اس خزانے کی طرح ہے جس کو خرچ نہ کیا جائے۔
(مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ:ص۱۸)

ابن جماعہؒ نے لکھا ہے کہ بہترین نیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور علم پر عمل کرنے، شریعت کو زندہ کرنے، اپنے دل کو روشن کرنے، باطن کو آراستہ کرنے، قیامت

کے دن اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے لیے اپنی خوشی اور نہایت فضل سے تیار کیا ہے اس کے حصول کی نیت سے علم حاصل کرے۔

(تذکرۃ السامع والمتکلم :ص ۶۸)

نیز امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی نیت حالاً باطن کو آراستہ کرنے، اپنے آپ کو علم کی خوبی سے مزین کرنے، آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے، فرشتوں میں ملاءِ اعلیٰ اور مقربین کے پڑوس کو حاصل کرنے کی ہونی چاہیے۔ جاہل سے جھگڑنے اور ساتھیوں پر فخر کرنے کی نیت نہ ہو۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم :ص ۶۸)

اسی طرح علم اس لیے حاصل نہ کرے کہ لوگوں سے کچھ ہدایا قبول کرے کیوں کہ آدمی کو اس کی نیت پر ثواب ملتا ہے نہ جو کچھ اس کے اعضاء و جوارح اپنی خوشی اور چاہت سے کرتے ہیں اس پر ملتا ہے (یعنی صرف بدن سے نکلنے والے عمل پر ثواب کا دارومدار نہیں ہے بل کہ اس میں نیت کا خاص دخل ہے) کسی نے سنا جو شخص چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو جائے تو اس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں تو اس نے اسی لالچ میں ایسا کیا؛ لیکن کچھ بھی نہ ہوا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: تم نے یکسوئی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بل کہ حکمت کے لیے کی ہے۔

(مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ :ص ۱۸)

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر کوئی چیز اصلاح نفس سے زیادہ گراں نہ ہوئی۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، اپنے علم کی مراد اللہ تعالیٰ کو بناؤ۔ کیوں کہ (میرا حال تو یہ ہے کہ) میں جب بھی کسی مجلس میں خاکساری سے بیٹھا ہوں تو بلند ہو کر اٹھا ہوں، اور جب بلندی کی نیت سے بیٹھا ہوں تو رسوا ہو کر اٹھا ہوں۔

(تذکرۃ السامع والمتکلم :ص ۶۸)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: اگر آدمی علم حاصل کرے اور اس سے بہرہ ور ہو یہ اس کے لیے اس دنیا سے بہتر ہے جس کو آخرت کا ذریعہ بنائے۔

(جامع البیان العلم: ج ۱/ص ۶۶)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جو علم حاصل کرے (ایسا علم) جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہو اور وہ اس علم کو دنیاوی غرض سے حاصل کرے تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۲۳۲)

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: کہ اس علم (دین) سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ (دوسرے علوم میں) سب سے ممتاز ہے اگر ایسا نہ ہو تو سب (علم) برابر ہو جائیں۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۲۳۴)

ابوداؤد کی روایت ہے کہ علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ اس سے علماء پر فخر کرو، جہلا سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو جو بھی ایسا کرتا ہے اس کے لیے جہنم ہے جہنم۔

(جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۲۳۴)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اہل علم، علم کی عزت کرتے اور اسے اس کی جگہ رکھتے تو اپنے زمانے کے سردار بن جاتے لیکن انہوں نے علم کی قدر نہ جانی خود کو دنیا والوں کے قدموں پر ڈال دیا تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کریں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ذلیل وخوار ہو گیے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے اپنی تمام فکروں کو ایک فکر (یعنی فکر آخرت) بنا لیا اللہ تعالیٰ اس کی کفایت کرے گا اور جس نے دنیا کی بہت سی فکریں اپنے سر جمع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو چھوڑ دیتے ہیں جس وادی میں چاہے ہلاک ہو۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۲۲۹)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے،جس سے جہنم بھی چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے وہ ریا کار قاریوں کے لیے ہے۔(فضائل اعمال)

ایک جگہ ارشاد ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے صحابہ نے پوچھا: حضرت چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا ریا ہے۔(مشکوۃ عن احمد: ج۲/ص۴۵۶)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی طرف وحی کی، کہ ان لوگوں سے کہہ دو جو علم دین کو عمل کے لیے حاصل نہیں کرتے اور عمل آخرت سے دنیا کماتے ہیں تم وہ ہو جو آدمیوں کے سامنے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر جاتے ہو حالاں کہ تمہارے سینوں میں بھیڑیوں کے دل چھپے ہوئے ہیں تمہاری زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں مگر دل زہر سے زیادہ کڑوے، تم مجھے دھوکہ دیتے ہو اور مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہو، اچھا میں تمہیں ایسے فتنے میں ڈالوں گا جس سے بڑے بڑے دانا اور سمجھ دار ہکا بکا رہ جائیں گے۔(جامع بیان العلم: ج۱/ص۲۳۱)

حضرت مکحولؒ سے منقول ہے کہ جو علم جاہلوں سے بحث کرنے علماء پر فخر کرنے، اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے حاصل کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

(جامع بیان العلم: ج۱/ص۲۳۰)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اس فتنہ میں تمہارا کیا حال ہوگا جس کی وحشت بچوں کو بوڑھا کردے گی اور بوڑھے اپنی حواس کھو بیٹھیں گے۔ نئے نئے طریقے نکلیں گے اور لوگ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل پڑیں گے اور ان کو اسلام کی چیز سمجھیں گے ان میں سے کسی ایک بدعت کو ختم کیا جائے گا تو شور برپا ہوگا کہ دیکھو اسلام کی یہ سنت بدل ڈالی گئی؛ حالاں کہ وہ چیز اسلامی نہ ہوگی۔ حاضرین نے سوال کیا: حضرت یہ

چیز کب ہوگی؟ فرمایا: جب تم میں پڑھنے والے بہت ہو جائیں گے مگر سمجھنے والے کم رہ جائیں گے۔ جب تمہارے سردار بہت ہو جائیں گے اور امانت دار کم رہ جائیں گے، جب آخرت کے عمل کو دنیا کا ذریعہ بنالیا جائے گا اور جب علم کو بجائے آخرت کے کسی دنیاوی غرض کے لیے حاصل کیا جائے گا۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۲۳۱)

یزید بن حبیبؒ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: مخفی ہوس کیا ہے؟ فرمایا: آدمی علم حاصل کرے اور دل میں خواہش ہو کہ لوگ اس کی درباری کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے: کہ اگر اہلِ علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق بناتے تو خدا اور خدا کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے اور تمام مخلوق پر ان کا رعب ہوتا، لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کا ذریعہ بنالیا اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو گئے اور مخلوق میں بھی بے وقعت اور بے حیثیت رہ گئے۔
(جامع بیان العلم: ج۱/ص۲۳۳)

حضرت حسن بن صالحؒ فرماتے ہیں: علم جب تک حاصل نہ کرو اس وقت تک تم اس سے بے پرواہ نہ ہو جاؤ کہ دنیا کس کے ہاتھ میں ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۲۳۴)

یعنی دنیا طلبی سے بے فکر ہو کر دین حاصل کرو اور یکسوئی کے نہ ہونے کی وجہ سے کماحقہ علم حاصل نہ ہوگا۔

علم پر عمل کرنا، اکابرین کی نظر میں:

جب انسان علم حاصل کرتا ہے اور اسے عملی صورت میں ڈھال لیتا ہے تو وہ اللہ رب العزت کے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے اس لیے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس پر عمل کر کے اللہ رب العزت کا قرب حاصل کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: **یٰاَیُّهَا النَّاسُ تَعَلَّمُوْا فَمَنْ عَلِمَ فَلْيَعْمَلْ۔** ''اے لوگو! تم علم حاصل کرو جو علم حاصل کرے گا وہی اس پر عمل کر سکے گا''۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں۔ ''تم دوسروں کو نصیحت اس وقت تک مت کرو جب تک کہ اپنے کو نصیحت نہ کرو (آگے کیا خوب صورت بات کہی، فرماتے ہیں) تم محنت کرو علم کی طلب میں اور اس کی سمجھ حاصل کرنے میں اس لیے کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ تم پر واجب کیا ہے۔ (گویا پڑھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندے کو پتہ چل جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے) اور علم حاصل کرنے سے پتہ چل جائے کہ شیطان کیسے انسان کو دھوکہ دے سکتا ہے اور کیسے اس سے بچا جاسکتا ہے۔ اور (علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ) تمہیں برائی کا پتہ چل جائے جس کی طرف تمہارا نفس کھینچتا ہے تاکہ تم نفس کے اس مکر سے بچ کر نفس کو برائی سے بچا سکو۔''

دیکھیں! یہاں اپنے آپ کو نصیحت کرنے کی بات ہے یہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **اُوْصِيْ نَفْسِيْ اَوَّلاً وَ اِيَّاكَ بَعْدَهٗ** ''میں اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہوں پھر اس کے بعد تمہیں نصیحت کرتا ہوں''۔

بندہ اپنے آپ کو ہرگز نہ بھولے صرف یہی فکر نہ ہو کہ لوگ یہ نہیں کرتے بل کہ اپنی بھی فکر کریں۔ ورنہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت۔ فرمایا کہ ایسے مت بنو۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: ''جس بندے کو علم عطا کیا گیا اور پھر اس بندے کے اندر خوف وحزن اور رونا دھونا نہیں بڑھا، وہ اس لائق ہے کہ اس کو علم نہ عطا کیا جاتا اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی: ﴿**اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ**﴾ (النجم:۶۰)

’’کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں‘‘۔

علم حاصل کرنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر خوف بڑھے، حزن بڑھے اور رونا دھونا آئے۔ حزن بڑھے اپنے اعمال کی قبولیت کے نہ ہونے پر؛ اور رونا دھونا بڑھے اپنے انجام کے بارے میں۔

اگر علم کے ساتھ ساتھ یہ تین چیزیں نہیں بڑھیں تو فرماتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ اس بندے کو علم ہی عطا نہ کیا جاتا۔

حسن بصریؒ اپنے زمانہ کے لوگوں کہ بارے میں فرماتے ہیں:

قد کا ن الر جل یطلب العلم فلا یلبث ان یری ذلک فی تخشعه و هدیه و لسانه و بصره و یدیه۔

’’جب کوئی بندہ علم طلب کرتا تھا تو دیر نہیں لگتی تھی یعنی اس علم کا اثر نظر آ جاتا تھا اس کی خشوع (کی زیادتی) میں اور اس کی سیرت کے اندر (اس کے آثار نظر آتے تھے) اور اس کی گفتگو میں (اس کے آثار نظر آتے تھے) اور اس کی نگاہوں میں (علم نظر آتا تھا) اور اس کی دونوں ہاتھوں کی حرکات میں (علم نظر آتا تھا)‘‘۔

ہمارے اکابر جب علم حاصل کرتے تھے تو وہ فوراً عمل میں ٹرانسفر ہو جاتا تھا۔

اخلاص اور اخلاق پیدا کریں

ہر کام خدا کی خوشنودی اور اسی کو راضی کرنے کے لیے کرنے کا نام اخلاص ہے۔ جس بندے کو ہر عمل سے اللہ کی رضا مطلوب ہوگی اس سے اور لوگ خود بخود راضی ہو جائیں گے۔ اور اگر کوئی راضی نہ بھی ہو تو ایسے بندے سے اللہ پاک تو راضی ہو ہی جاتے ہیں لیکن جو بندہ اپنے عمل سے اللہ کی رضا کا طالب نہیں ہوتا عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ اور لوگ بھی اس سے راضی نہیں ہوتے صرف وقتی طور پر نفس کو تسلی ہو جاتی ہے اخلاص نیت پر کتابوں میں کافی علمی مواد مل جائے گا اس کا مطالعہ کر لینے سے اخلاص کا علم تو حاصل ہو سکتا ہے مگر حقیقتِ اخلاص مخلصین کی صحبت سے ہی حاصل ہوگا؛ اسی مقصد سے لوگ عرصۂ دراز تک خانقاہوں میں رہ کر اپنے شیوخ کی صحبت اختیار کرتے ہیں اولیاء اللہ کی صحبت سے دو فائدے ضرور حاصل ہوتے ہیں:

(۱) نیتوں میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ اور (۲) اعمال میں اصلاح ہوتی ہے۔

افسوس کہ دنیادار پیروں نے اب خانقاہوں کو بھی سیاست کا اڈہ بنالیا ہے عجیب وغریب باتیں سننے میں آتی ہیں اور عجیب وغریب حالات کا مشاہدہ ہوتا ہے حالاں کہ صدیوں تک ان ہی خانقاہوں سے اولیاء اللہ تیار ہوئے جنہوں نے اسلام کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں جس کے اثرات آج بھی محسوس ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے اِس دور میں بھی خانقاہوں کے اصل نظام کو باقی رکھا ہے اس لیے حقیقی خانقاہیں نایاب نہیں کمیاب ہیں بازاروں میں کثرت سے ’ڈالڈا‘ گھی ملتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا سے اصلی اور دیسی گھی نایاب ہوگیا ہے۔ جو جستجو، طلب اور ذوق رکھتے ہیں، وہ ضرور حاصل کرلیتے ہیں۔ اس لیے ہم لوگوں کو اپنے اکابر سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ایک بات میں کہا کرتا ہوں کہ ان اللہ والوں کے یہاں خالی ہوکر آؤ تو بھرے ہوئے واپس جاؤ گے۔ تنقید، تنقیص اور اعتراضات کی نیت سے آؤ گے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا، آج ایک عام مرض ہوگیا ہے کہ بلا سوچے سمجھے کسی پر بھی تنقید کردی جاتی ہے اور اللہ والوں کی تنقیص کی جاتی ہے ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے یہ بڑے وبال کی بات ہے۔ اللہ حفاظت میں رکھے امت مسلمہ کی تباہی کا ایک سبب علماء کی ناقدری بھی ہے لوگ علماء وحفاظ کی قدر نہیں کرتے، اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر جنہوں نے اپنے عقائد، اعمال اور اخلاق درست کرلیے ہیں ان کا بھی احترام لازم ہے۔

انسان، انسان ہونے کی بنیاد پر محترم ہے اللہ فرماتا ہے: ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ﴾ انسان مکرم ومحترم ہے۔ پھر علمائے کرام جو انبیاء کے وارث اور انسانوں کے پیشوا ہیں ان کی بے احترامی اور بے اکرامی بہت بڑا گناہ ہے، علمائے ربانی جو علم وعمل دونوں میں انبیاء کے جانشین ہیں، ان کی تحقیر امتِ مسلمہ کی تباہی کا بہت بڑا سبب ہے، امت کی انفرادی واجتماعی بہت سی غلطیوں پر وعظ ہوتے ہیں اور اس کے اصلاح کی فکر کی جاتی ہے مگر اس اہم مرض اور تباہی کے اہم سبب کی طرف کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔

حالاں کہ علم اور اہل علم، حفاظ، حاملین قرآن اور عاملین قرآن کے فضائل مستقل اپنے اکابر کی کتابوں میں ملتے ہیں اس لیے ان کے فضائل کو پیش نظر رکھنا چاہیے، خود بھی کسی عالم ربانی کی بے احترامی، بے اکرامی اور ناقدری سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس منکر سے بچانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے جو اخلاق وعادات مطلوب ہیں اس نے انبیائے کرام کے ذریعے انسانوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم فرمائی ہے، سب سے اونچے اخلاق ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائے گئے، جس کو خلق عظیم کہا گیا ہے، اور ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اپنانے کی ہر مسلمان کو ترغیب دی گئی ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي فرمایا ہے، مسلمانوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات مبارکہ سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں۔

علم سے بڑھ کر تاثیر عمل میں ہوتی ہے اس لیے عمل ہی اخلاق کریمہ، اسوۂ حسنہ اور سراپا نور ہے، جو عمل اور عادات سنت کے خلاف ہوں اس میں ظلمت ہی ظلمت ہے، علماء اور مشائخ کی صحبت میں رہ کر تزکیۂ اخلاق سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو حقیقت میں انسانیت کا کمال اور ایمان کی تکمیل ہے کہ ہر عمل سے صرف اور صرف اللہ کی رضا ہی مطلوب اور ہر عمل میں اخلاق نبوی کی جھلک ہو، اسی بات کو میں اس عنوان سے عرض کر رہا ہوں کہ ”اخلاص اور اخلاق پیدا کرو“ دل کی روشنی چاہتے ہو تو گناہوں اور لایعنی باتوں سے بچو، اہل دل کی صحبت اختیار کرو اور زبان ودل سے ذکر اللہ میں مشغول رہو، یہی مقصد ہوتا ہے بزرگوں سے تعلق اور صلحاء کی مجلس میں حاضر ہونے کا، اس لیے ان باتوں کا مذاکرہ بار بار ہوتا ہے۔

(مفتی خواجہ معصوم ثاقب)

اچھے اخلاق اپنایئے!

عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: اتق الله حیثما کنت و اتبع السیئة الحسنة تمحها و خالق الناس بخلق حسن (رواہ الترمذی:۲/ ۱۹، مسند احمد:۵/۱۵۳)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں) خدا سے ڈرتے رہو، اور تقویٰ تمہارا شعار رہے، اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو وہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی'' **و خالق الناس بخلق حسن**'' اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

رسول اللہؐ نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف کیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔

حدیث کی کتابوں میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ میں اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری

بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ان اللہ بعثنی لاتمم حسن الاخلاق** - بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ میں عمدہ اخلاق کو مکمل کروں۔ (مؤطا امام مالک: ۵۶۸)

اخلاق نبوی کی چند جھلکیاں:

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے شاندار اخلاق اور کردار سے دنیا کو انسانیت کا درس دیا، ظلم و عداوت، بربریت، بے حیائی اور بدکاری کی تاریک فضاؤں میں آپ نے عدل و انصاف، رافت و رحمت، عفت و عصمت، پاکیزگی اور پاک بازی اور اخلاق و مروت کی شاندار مثالیں پیش کیں جو ہم سب کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں، آپ کے حسن اخلاق کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح تعارف کرایا ہے: ﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ (اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں)۔ (القلم: ۴)

نیز آپ کی پوری حیات طیبہ قرآن کریم کی اخلاقی تعلیمات کی عملی تفسیر تھی، چناں چہ جب حضرات صحابہ کرامؓ نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: **کان خلقہ القرآن** (مسند احمد: ۶/۹۱)

یعنی آپ کے اخلاقِ فاضلہ قرآن مقدس کی روشن تعلیمات ہی کا عکس جمیل تھے۔

جامع الاخلاق:

چالیس سال کی عمر مبارک میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حراء میں پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی اور اس موقع پر پیش آمدہ صورت حال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر متأثر ہوکر گھر تشریف لائے اور سارا واقعہ اپنی حرم محترم امُّ المؤمنین سیدتنا حضرت

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کمال فراست کا ثبوت دیا اور آپ کو تسلی دینے کے لیے آپ کے شاندار اخلاق فاضلہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ’’ہرگز نہیں! آپ خوش خبری قبول فرمایئے؛ قسم بخدا! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں فرمائے گا؛ اللہ کی قسم! آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، مصیبت زدہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں، لاچاروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور ناگہانی حادثات میں متأثرین کی مدد فرماتے ہیں‘‘۔ (مسلم شریف:۱/۸۸)

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ہی اخلاقِ حسنہ کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی اور فطری طور پر آپ اخلاقِ فاضلہ کا پیکر تھے۔ صلی اللہ علیہ الف الف مرۃ وسلم تسلیماً۔ (مشعلِ راہ:۵۲)

جب مشرکین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر بعض حضرات صحابہ نے پیغمبر علیہ السلام کی اجازت سے مکہ معظّمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مشرکین نے انہیں واپس لانے کے لیے اپنا ایک سفارتی وفد حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کے پاس بھیجا، جس نے بادشاہ سے ملاقات کر کے مہاجرین صحابہ کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس موقع پر نجاشی نے تحقیقِ حال کے لیے صحابہ کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے سوال کیا کہ آخر تم لوگوں نے اپنا دین کیوں تبدیل کیا؟ اور اگر تبدیل ہی کرنا تھا تو تم یہودی اور نصرانی کیوں نہیں بنے؟ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا رہبر اور رہ نما کیوں بنایا؟ تو حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نہایت قوت سے پیغمبر علیہ السلام کی شان دار اخلاقی تعلیمات کا تعارف اس طرح کرایا:

’’جناب بادشاہ سلامت! بات یہ ہے کہ ہم لوگ شرک پر جمے ہوئے تھے، ہم

بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے اور ہم لوگ حرام کاموں مثلاً قتل وغارت گری وغیرہ کو حلال سمجھتے تھے، ہمارے اندر سے حلال و حرام کا تصور مٹ چکا تھا، ان سنگین اخلاقی حالات میں اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے قبیلہ میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا، جس کی وفاداری، سچائی اور امانت داری سے ہم واقف ہیں چناں چہ انہوں نے ہمیں اللہ رب العالمین کی طرف آنے کی دعوت دی تا کہ ہم اللہ کی وحدانیت پر یقین کرلیں اور صرف اسی کی عبادت کیا کریں؛ اور ہم ان پتھروں اور بتوں کی پوجا کرنا چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے؛ اور اس نبی نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، پڑوسیوں پر احسان کرنے اور حرام کاموں اور قتل وقتال سے بچنے کا حکم دیا اور ہمیں بے حیائی کے کاموں کے کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک باز عورتوں پر بدی کی تہمت لگانے سے منع فرمایا ہے اور ہمیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے اور نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم فرمایا)۔ البدایۃ والنہایۃ: ۳/۸۰،۸۱)

سیدنا حضرت جعفرؓ کے مذکورہ شاندار تعارفی کلمات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی مقام کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (مشعلِ راہ: ۵۲،۵۳)

دشمنوں کے ساتھ عفوو درگذر:

''فتح مکہ'' دنیا کی تاریخ کا وہ یادگار دن ہے جب رحمت عالم، فخر دو عالمؐ کی طرف سے دشمنوں کے عفوو درگذر کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش کیا گیا کہ رہتی دنیا تک کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ ذرا غور کریں! یہ مکہ کون سی جگہ تھی؟ اور اس جگہ کے باشندوں کی کیا تاریخ تھی؟ یہی وہ لوگ تھے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں پیغمبر علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر مسلسل

۱۳ رسال تک ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گیے ،یہیں پیغمبرؐ پر نماز کی حالت میں اونٹ کا بدبودار اوجھ رکھا گیا،یہیں آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے،یہیں آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔اسی سرزمین پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کولہولہان کیا گیا،بلال حبشیؓ،عمار بن یاسرؓ،صہیب رومیؓ،ابوذر غفاریؓ،خُبیبؓ اور حضرت سمیہؓ وغیرہ جیسے مخلص مسلمانوں کو نہایت درندگی کے ساتھ تختۂ مشق بنایا گیا،اور مکہ کے یہی لوگ تھے جنہوں نے مدینہ منورہ پر بار بار چڑھائی کی تھی اور انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں صلح حدیبیہ کی شرائط کو پامال کیا تھا،آج جب جاں نثاران نبوت کے ہاتھوں مکہ کے فتح کرنے کا وقت آ رہا تھا تو ان ظالموں کے لیے معافی کے دروازے دنیا کے دستور کے مطابق بند ہو جانے چاہیے تھے اور انہیں چن چن کر ٹھکانے لگا دیا جانا چاہیے تھا،مگر دنیا کا دستور اور دنیادار بادشاہوں کا طریقہ کچھ بھی رہا ہو ،سرورِ کائنات اور شاہ دو جہاں رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جس دستور کو پیش کر کے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا،وہ یہ تھا کہ جب آپ کو فتح مکہ کے موقع پر بعض پُرجوش صحابہؓ کی طرف سے یہ کلمات پہنچے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ:اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ (آج تو گوشت کاٹنے کا دن ہے)۔یعنی ان کا جذبۂ انتقام جوش مار رہا ہے اور وہ آج مشرکین مکہ کو اُن کی اوقات بتا دیں گے تو پیغمبر علیہ السلام نے اس جملہ پر ناگواری ظاہر فرمائی اور اعلان کیا کہ آج ”اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ“ گوشت کاٹنے کا دن نہیں،بل کہ ”اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ“ وہ دن ہے جس میں لوگوں پر رحم وکرم کا معاملہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کعبہ کو مزید عظمت عطاء فرمائیں گے اور آج کے دن کعبہ کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا“۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی:۹/۳۰۳)

پھر آپؐ نے صحابہؓ کو ہدایت کی کہ وہ حملہ کرنے میں ابتدا نہ کریں بل کہ صرف

دفاعی پوزیشن اختیار کریں اور پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر جوش آیا کہ اعلان کر دیا کہ: ''جو شخص سردار مکہ ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے، جو حرم مکہ میں پناہ لے لے وہ امن میں ہے اور جو ہتھیار پھینک کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ بھی امن میں ہے''۔ (البدایہ والنہایہ:۴/۶۸۶)

ساری دنیا کو پہلے بھی چیلنج تھا، اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گا کسی میں ہمت ہو تو اس عظیم الشان (اخلاق نبوی) ''عفو و درگذر'' کی کوئی جھلک بھی کہیں دکھلا دے۔ یقین اور سو فیصد یقین ہے کہ اس نمونہ کا ہلکا سا عکس بھی پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے اور تا قیام قیامت عاجز رہے گی۔ (مشعل راہ:۵۶،۵۷)

ان حالات و واقعات سے معلوم ہوا کہ آپؐ بلاشبہ مجمع الخلائق اور کامل و مکمل اخلاق حسنہ کے پیکر تھے، اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ یہ عظیم صفت اپنے امتیوں میں بھی بدرجہ اتم دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے بے شمار ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں جن میں آپ نے حسن اخلاق اپنانے کی تلقین فرمائی ہے اور ان میں حسن اخلاق اپنانے کی اہمیت وفضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے۔

اخلاق حسنہ کے سلسلہ میں نبوی تعلیمات:

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه قال: قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم ان من خیار کم احسنکم اخلاقًا.

(بخاری شریف:۱/۵۰۳؛ حدیث:۳۴۳۴؛ بخاری شریف:۲/۸۹۲؛ مسند احمد:۲/۱۶۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اکمل المؤ منین ایمانا أحسنہم خلقًا. (مسند احمد:۲/۲۵۰؛مشکوٰۃ شریف:۴۳۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کہ ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں، جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔

یعنی ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا ،اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور اسی طرح جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا اور یہ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق،بل کہ کسی بھی عمل کا حتی کہ عبادت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے،ہر عمل اور ہر نیکی کے لیے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہے،اس لیے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے بل کہ اخلاق کی صورت ہے،اس لیے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما شیء اثقل فی میزان المؤمن یو م القیامۃ من خلق حسن.

(ابوداؤدشریف:۲/۶۶۱؛ترمذی شریف:۲/۲۰)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشادفرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔

عن رجل من مزینۃ قال: قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما خیر ما اعطی الانسان قال الخلق الحسن.

(مشکوۃ:۴۳۱؛الترغیب والترہیب:۳۹۳-رقم:۳۹۲۴)

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اچھے اخلاق''۔

ایمان اور ارکان اسلام کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف اجزاء ہیں، ان میں اخلاق کا مقام بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ کے یہاں ان کی مقبولیت ومحبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص الخاص دخل ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان المؤمن لیدرک بحسن خلقه درجةً قائم اللیل وصائم النهار. (ابوداؤد:۲/۱۶۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔

اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مؤمن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں اور عبادت گذاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں، یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان من احبکم الی احسنکم اخلاقًا. (مشکوٰۃ شریف:۴۳۱)

حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے: ان من احبکم الی و اقربکم منی مجلساً یو م القیامة احسنکم اخلاقا.

(ترمذی شریف: ۲/۲۲)

تم دوستوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست بھی میرے سے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں۔

عن معاذ رضی الله عنه قال: کان آخر ما وصانی به رسول الله صلی الله علیه وسلم حین وضعت رجلی فی الغرز ان قال یا معاذ احسن خلقک للناس (مشکوٰۃ شریف: ۴۳۲)

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت مجھے یہ کی تھی جب کہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: ''لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ''یعنی بندگان خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

ابوداؤد شریف میں ایک لمبی حدیث شریف ہے جس میں چھ زریں نصیحتیں ہیں، اس میں تیسری نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے: **و ان تکلم اخاک و أنت منبسط الیه وجهک انَّ ذالک من المعروف .**

(ابوداؤد شریف: ج ۲/۵۶۴، حدیث: ۴۰۸۴)

اگر تم اپنے بھائی سے اس حالت میں بات کرو کہ تمہارا چہرہ کھلا ہوا ہو (یعنی اس

کے ساتھ کشادہ پیشانی اور خندہ روئی سے بات کرو) تو یہ بھی نیکی کا ایک حصہ ہے۔

اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے، اس پر بھی انسان کو اجر وثواب ملتا ہے، حضرت جریر بن عبداللہؓ جو صحابہ میں سے ایک خاص مقام کے حامل تھے، جنہیں ''یوسف ھذہ الامة'' (اس امت کا یوسف) کہا جاتا تھا، جو نہایت حسین و جمیل تھے، وہ فرماتے ہیں: ''جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میری نگاہ پڑتی تو کبھی یاد نہیں کہ آپ نے تبسم نہ فرمایا ہو، جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تبسم آجاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا''۔

(اصلاحی خطبات:۶/۲۲۰)

حسن اخلاق کے لیے دعائیں:

حسن اخلاق جیسی عظیم صفت کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں بھی منقول ہیں، انہیں پڑھ کر دعائیں کرنا چاہیے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اللهم احسنت خلقي فاحسن خلقي. (مسند احمد:۱/۴۰۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے: ''اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے، اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے''۔

صحیح مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے؛ اسی میں ہے کہ آپ نے دوران نماز جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے مانگی ہیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: **و اهدني لاحسن الاخلاق**

لايهدى لاحسنها إلا أنت واصرف عنى سيئها الايصرف عنى سيئها الا أنت.

(مسلم شریف:۱/۲۶۳،مسند احمد:۱/۹۴،معارف الحدیث:۲/۱۶۵تا۱۷۱)

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہ نمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہ نمائی نہیں کر سکتا، اور برے اخلاق کو میری طرف سے ہٹادے ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

مذکورہ بالا ارشادات سے حسن اخلاق کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس لیے ہر امتی کو اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، تاکہ اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوش گواری کے ساتھ گذرے اور دوسروں کے لیے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہو، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف ومسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی، یہ خوش خلقی اور بد اخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم اور آپ روز مرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بد اخلاقی کا انجام خداوند قہار وجبار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ **اللهم احفظنا منه!**

(مولانا کلیم اللہ قاسمی)

اخلاص اکابرین امت کی نظر میں

صرف عمل کرنے سے ہی کام ختم نہیں ہو جاتا، آگے بھی ایک قدم ہے۔ وہ قدم کون سا ہے؟ کہ جو عمل کریں وہ شہرت کے لیے نہیں، دکھاوے کے لیے نہیں، یا اس لیے نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، بل کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے کریں۔ یہ مصیبت آج کل بہت عام ہے کہ نیکی بھی کرتے ہیں تو اس نیت سے کرتے ہیں کہ نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے، کئی تو نماز ہی اس لیے پڑھتے ہیں کہ اگر میں نے نماز قضا کر دی تو اعتراض ہوگا۔ جب دل کی یہ حالت ہو کہ علم ہونے کے باوجود فرض نمازیں بھی قضا ہوں تو پھر اس بندے کو اپنے دل کی حالت پر رونے کی ضرورت ہے۔ اس کا جسم ایک قبر ہے اور اس کا دل ایک مردہ ہے جو اس قبر کے اندر مدفون ہے۔

محمد بن فضل سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کتنے جاہل تھے، انہوں نے علم حاصل کیا اور علم نے ان کو نکال لیا۔ اور کتنے عمل کرنے والے ایسے تھے کہ انہوں نے عمل کیا اور عمل نے ان کو ہلاک کر دیا (اس لیے کہ وہ عمل، علم کے بغیر تھا) علم کا استحضار رکھو اور تم اپنی نیت اس کے مطابق بناؤ (اگر علم کا استحضار نہیں ہوگا تو عمل کرتے ہوئے تم نیت بھی نہیں کر سکو گے) اور سب سے پہلے انسان کی حقیقت کا اظہار اس کی زبان سے ہوتا ہے (ایک بندہ چپ بیٹھا ہو تو آپ کو کیسے پتہ چلے گا یہ مفتی صاحب ہیں، یا عالم یا جاہل ہیں۔ شکل سے تو نہیں پتہ چلتا۔ لیکن جب بولے گا تب پہچانا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تم بات کرو، پہچانے جاؤ گے۔ بعض اوقات فرماتے تھے: ”المرء تحت لسانه“

بندہ اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے''۔ جاہل جیسے ہی بولتا ہے تو ایسے پھول جھڑتے ہیں کہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ جاہل ہی تھا) اور عقل مند جیسے ہی بولتا ہے تو اس کی عقل سے سب سے پہلے اس کے حلم کا اظہار ہوتا ہے (اس کے حلم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنا عقل مند ہے)۔''

لہٰذا جس میں حلم ہے وہ عقل مند ہے اور جو محتاط گفتگو کرتا ہے وہ عالم ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پتہ چل جائے گا کہ اس بندے کے اندر عقل کی رتی ہی نہیں ہے۔ بہر حال! بندے کو علم حاصل کرنا چاہیے۔ کیوں کہ علم کی برکت انسان کو کبھی نہ کبھی نیت کے ٹھیک کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**لقد طلب أقوام العلم أرادوا به الله و لا ما عنده، قال: فما زال بهم العلم حتىٰ أراد به الله و ما عنده**''.

''اقوام نے علم طلب کیا اور اس علم کے حاصل کرنے میں ان کی نیت اللہ کی منشاء حاصل کرنا نہیں تھی۔ ان کا علم زائل نہیں ہوا، حتیٰ کہ علم کے زائل ہونے سے پہلے ان کی نیت بدل گئی کہ ہمیں اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ چاہیے۔''

تو معلوم ہوا کہ طلب علم کی برکت سے ہی اللہ تعالیٰ نیت کو ٹھیک کر دیں گے۔

بعض مشائخ نے یہ فرمایا: **من طلب العلم لوجه الله لم يزل معانا، و من طلبه لغير الله لم يزل مهانا** ۔ جو اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرتا ہے اس کی مدد کبھی ختم نہیں ہوتی (اللہ کے خزانوں سے اس کی مدد ہوتی رہتی ہے)۔ جب وہ اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو وہ ہر اعتبار سے اللہ کی (مالی نصرت) حاصل کر لیتا ہے اور جو بندہ اللہ کی رضا کے علاوہ علم حاصل کرتا ہے تو اس کی ذلت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

اسلاف کے اثر انگیز احوال واقوال

اتباع کتاب وسنت:

اللہ والوں کے صالح اخلاق میں سے یہ ہے کہ آدمی کتاب وسنت کے ساتھ یوں رہے جیسے سایہ (سایہ والی) شئ کے ساتھ رہتا ہے (یعنی کسی حالت میں کتاب وسنت کو نہ چھوڑے اور ہر حالت میں ان پر عمل پیرا رہے)۔

علم وعمل میں اخلاص:

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے علم اور عمل میں کثرت اخلاص ہوتی ہے اور وہ ان میں ریا کے داخل ہونے سے ڈرتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں یہ بات ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی جس میں ایسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں کبھی ان کا خیال آیا تو اس سے فرمایا کہ کچھ بول، اس پر اس نے تین مرتبہ کہا کامل الایمان اشخاص (جن کے لیے مجھ جیسی جنت بنائی گئی) کامیاب ہوگیے۔ پھر کہا کہ میں ہر بخیل اور ریا کار پر حرام ہوں۔ وہب بن منبہ فرماتے تھے جو شخص آخرت کے کام سے دنیا طلب کرتا ہے خدا اس کے دل کو اوندھا کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ادراکات غیر صحیح ہو جاتے ہیں جو بات سمجھتا ہے الٹی ہی سمجھتا ہے اور اس کا نام دوزخیوں کے دفتر میں لکھ دیتا ہے (اس سے اخلاص کی ضرورت ثابت ہوتی ہے)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے: کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی معلومات (دینیہ) پر عمل کرتا ہے وہ بلاشبہ خدا کا دوست ہے؛ جس درجہ کامل ہوگا اسی رتبہ کی دوستی ہوگی۔ اور سفیان ثوریؒ فرماتے تھے: کہ میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ تو ہرگز علم حاصل نہ کرنا بجز اس صورت کے، کہ تیری نیت اس پر عمل کرنے کی ہو ورنہ قیامت کے دن تجھ پر وبال ہوگا۔ اور حسن بصریؒ کثرت سے اپنے نفس پر ان الفاظ سے عتاب فرماتے اور سرزنش کرتے تھے: اے نفس باتیں تو نیکوں، فرماں برداروں اور عابدوں کی سی کرتا ہے مگر کام فاسقوں، منافقوں اور ریاکاروں کی سی کرتا ہے (پس تو کیسا مدعیٔ اخلاص ہے) مخلصین کی یہ بات نہیں ہوتیں۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے: جو شخص اپنے اعمال میں ساحر سے زیادہ ہوشیار نہ ہوگا ضرور ریا میں پھنس جائے گا۔ اس لیے اعمال میں نہایت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے تاکہ ریا پیدا نہ ہونے پائے۔

ذوالنون مصریؒ سے کسی نے کہا کہ آدمی کس وقت سمجھے کہ وہ مخلصین میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب وہ اعمال صالحہ میں پوری کوشش صرف کردے اور اس وقت بھی اس کو پسند کرے کہ میں معزز نہ سمجھا جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات فی نفسہ اخلاص کی علامت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس وقت آدمی کو اپنے کو مخلص سمجھ لینا چاہیے اولاً: اس لیے کہ شاید اس کو تشخیص میں غلطی ہوئی ہو وہ سمجھتا ہو کہ مجھے یہ مرتبہ حاصل ہو گیا اور حقیقت میں اسے یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا ہو۔ ثانیاً: اس لیے کہ سوء الظن بنفسہٖ ہر حالت میں آدمی کے لیے لازم ہے۔ اور محمد بن المکندرؒ فرماتے تھے: کہ میں اپنے بھائیوں کے لیے اس کو پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنی حالت رات کو ظاہر کریں، کیوں کہ رات کو عمدہ حالت دن کی حالت سے اس

لیے بڑھی ہوئی ہے کہ رات خاص حق تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس میں ریا کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اور ایک مرتبہ یونس بن عبیدؒ سے کسی نے عرض کیا کہ کیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو حسن بصریؒ کا سا عمل کرتا ہو تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو ایسا بھی نہیں دیکھا کہ ان کی سی بات ہی کہتا ہو تو میں ایسا شخص کیسے دیکھ سکتا ہوں جو اُن کے جیسا کام کرتا ہو ان کا وعظ دلوں کو رلاتا تھا اور دوسروں کا وعظ آنکھوں کو بھی نہیں رلاتا۔

یحی بن معاذ سے کہا گیا کہ آدمی صاحب اخلاص کب ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب کہ اس کی خصلت دودھ پینے والے بچے کی سی ہو جاوے کہ وہ اس کی پرواہ نہ کرے کہ کون اس کی تعریف کرتا ہے اور کون مذمت۔

ابو السائبؒ کی یہ حالت تھی کہ جب ان کو قرآن یا حدیث وغیرہ سن کر رونا آتا تو بجائے رونے کے بہ تکلف مسکرا دیتے تا کہ ان کا تأثر لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ عبداللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ریا کار سے کہے گا کہ اپنے عمل کا ثواب اس سے لے جس کے دکھلانے کو تو نیکی کرتا تھا اور ان ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ریا کار قیامت کے دن اپنے عمل کا ثواب طلب کرے گا تو اس سے کہا جاوے گا کہ اپنے عمل کا ثواب اس سے لے جس کے دکھلانے کو کرتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس طلب گار ثواب سے کہا جاوے گا کہ تیرے علم و عمل کی وجہ سے مجالس میں تیرے لیے جگہ کشادہ نہیں کی گئی؟ کیا تو دنیا میں سردار نہ تھا؟ کیا بیع و شراء میں تیرے ساتھ رعایت نہ کرتے تھے؟ کیا وہ تیری عزت نہ کرتے تھے؟ کیا یہ نہ تھا کیا وہ نہ تھا؟ غرض اس قسم کی گفتگو کی جائے گی اور تمام ان مقاصد کو جتلایا جائے گا جو نیک اعمال سے اس کو مقصود تھے اور جتلا کر بتا دیا جاوے گا کہ تو یہاں کسی اجر کا مستحق نہیں۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب تک آدمی لوگوں کے ساتھ مانوس رہتا ہے، ریا سے محفوظ نہیں رہتا۔ اس لیے جو شخص ریا سے بچنا چاہے اس کو انس باللہ اور وحشت از مخلوق اختیار کرنی چاہیے۔

انطا کیؒ کہتے تھے کہ آراستہ بننے والے تین قسم کے ہیں ایک وہ جو علم سے آراستہ بنتے ہیں۔ دوسرے وہ جو عمل سے آراستہ بنتے ہیں۔ اور تیسرے وہ جو ترکِ زینت سے آراستہ بنتے ہیں۔ اور یہ تیسری قسم کے لوگ سب سے زیادہ غامض اور سب سے زیادہ شیطان کو پسند ہے کیوں کہ یہ لوگ شیطان کے لیے بہ نسبت پہلی دو قسم کے لوگوں کے زیادہ کارآمد ہیں، اس لیے کہ ان کی شکستہ حالی کے سبب لوگ ان کے تباہ حال پر بہت مشکل سے مطلع ہوں گے اور بہت جلد ان کے پھندے میں آجائیں گے۔

ایاس بن معاویہؒ، ابراہیم تمیمیؒ کے بھائی ہیں اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کی سامنے تو درکنار پیٹھ پیچھے بھی اس کی تعریف نہ کرتا اور کہتا کہ تعریف بھی ایک قسم کا معاوضہ ہے لہٰذا پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کے سامنے تعریف کر کے اپنے بھائی کا ثواب کم کروں۔

ابو عبداللہ انطا کیؒ فرماتے تھے: کہ جو شخص اپنے اعمال ظاہرہ میں اخلاص کا طالب اور دل سے مخلوق پر نظر رکھتا ہو وہ طلب محال میں مبتلا ہے کیوں کہ اخلاص قلب کا پانی ہے اور ریا اس کو مردہ کرنے والی ہے پس یہ دونوں ضدین ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے تو طلب بحالت مذکور محال ہے۔

یوسف بن اسباطؒ فرماتے تھے کہ میں نے جب کبھی اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہے مجھے یہی ثابت ہوا ہے کہ میں نرا ریا کار ہوں۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص مجمع میں اپنی مذمت کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی

تعریف کرتا ہے اور یہ بھی ریا کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

ابن السماکؒ فرماتے تھے کہ اگر وہ شخص جو اپنے علم وعمل میں ریا کار ہو لوگوں کو اپنے دلی خیالات پر مطلع کر دے تو لوگ بھی اس کو برا سمجھیں اور احمق بتلائیں۔ تو جب ریا اس قدر بری چیز ہے کہ ریا کار کے معبود خود اس کو برا سمجھتے ہیں تو اب غور کر لو کہ حق تعالیٰ شانہ جن کے ساتھ بحکم حدیث ''الریاء شرک أصغر'' شرک کیا جا رہا ہے تو اس کو کس قدر برا سمجھیں گے۔

ابوایوب سختیانیؒ فرماتے تھے کہ منجملہ بے کیے ہوئے کاموں کے دکھلاوے کے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی دوسرے لوگوں کے علمی مضامین اور مقالات یاد کر کے لوگوں کے مقابلہ میں بڑا بنے کیوں کہ جس کے ذریعہ سے وہ بڑا بنتا ہے نہ وہ اس کا عمل ہے اور نہ استنباط پس اس کو اپنی طرف منسوب کرنا تاکہ لوگ سمجھے کہ یہ شخص بڑا عالم اور بہت نیک ہے غیر واقعی بات کی ریا ہے۔

ابرہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہیں تو نہ وہ متقی ہے اور نہ با اخلاص۔

عکرمہؒ فرماتے تھے کہ نیک نیتی کی کثرت کرو، کیوں کہ ریا نیت میں ہی داخل ہوتی ہے۔ پس جب نیت کی اصلاح کا اہتمام کیا جاوے گا اس وقت ریا سے تحفظ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں)۔

منصور بن المعتمر ثابت بُنانیؒ فرماتے تھے کہ جب ہم نے علم حاصل کیا تو ہماری اس وقت کچھ نیت نہ تھی اس کے بعد جب ہم علم حاصل کر چکے تو اللہ نے ہمیں نیت صالحہ عطا فرمادی کیوں کہ علم میں یہ خاصیت ہے کہ وہ صاحب علم کو اخلاص پر برانگیختہ کرتا ہے اور وہ

اس کو حاصل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اہل جنت کا جنت میں اور اہل دوزخ کا دوزخ میں دخول تو عمل کی بنا پر ہوگا اور خلود نیت کی بنا پر ہوگا کیوں کہ کفار کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ ہم کبھی ایمان نہیں لاویں گے اور مومنوں کا قصد یہ ہوتا ہے کہ ہم کبھی کافر نہ ہوں گے اگرچہ ہم کو دنیا میں خلود ہو، اس لیے سزا و جزا میں خلود ہوگا۔

ابو داؤد طیالسیؒ فرماتے تھے کہ کتاب لکھتے وقت عالم کا مقصود دین کی مدد ہونا چاہیے نہ کہ حسن تالیف کے سبب ہم عصروں میں اپنی تعریف۔ اور توراۃ میں ہے کہ اے اللہ جو عمل تو قبول کرے وہ فائدہ کے لحاظ سے بہت ہوا اگرچہ مقدار میں کم ہو اور جس عمل کو تو رد کردے وہ فائدہ کے اعتبار سے کم ہوا اگرچہ مقدار میں بہت ہو۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب سچوں سے بھی ان کے صدق کے متعلق سوال ہوگا۔ اسماعیل و عیسیٰ علیہما السلام اور ان کی صدق و خلوص کی بھی جانچ پڑتال ہوگی تو ہم جیسے جھوٹوں کا کیا حال ہوگا؟ جہاں خلوص کا نام بھی نہیں۔

امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ فرماتے تھے کہ ریاکار کی تین علامتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جب وہ اکیلا ہو تو اعمالِ صالحہ میں کاہلی کرتا اور نوافل بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے تو خوب جی کھول کر اعمالِ صالحہ کرتا ہے۔ اور تیسرے یہ کہ جب لوگ تعریف کریں تو خوب عمل کرتا ہے اور جب برا کہے تو اس میں کمی کر دیتا ہے۔

ابراہیم تیمیؒ نوجوانوں کا سا لباس پہنتے اور اہل علم کا سا لباس نہ پہنتے تھے اس لیے بجز ان کے دوستوں کے اور کوئی نہ پہچانتا تھا کہ یہ علماء میں سے ہیں اور فرماتے تھے کہ

اخلاص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو یوں چھپا دے جس طرح وہ اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔

ایک مرتبہ اعمشؒ کے حلقۂ درس میں کوئی طالب علم ہنس پڑا تو آپ نے اسے ڈانٹ کر اٹھا دیا اور فرمایا کہ تو وہ علم حاصل کرتا ہے جس کا خدا نے تجھے مکلّف کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ تجھے سوچ و فکر ہوتی مگر بجائے تو اس سے غفلت کرتا اور لا ابالی طور پر ہنستا ہے، نہایت شرم کی بات ہے پھر اس کو تعزیراً دو مہینے تک چھوڑے رکھا اس کے بعد قصور معاف کر دیا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ زبانیں بھلائی برائی کو بیان کرتی ہیں اور دل ان کو جانتے اور اعمال ان کی مخالفت کرتے ہیں یعنی جس کو زبان سے اچھا کہا جاتا اور دل سے اچھا سمجھا جاتا ہے عملاً اس کو ترک کیا جاتا ہے اور جس کو زبان سے برا کہا جاتا اور دل سے برا سمجھا جاتا ہے عملاً اس کو اختیار کیا جاتا ہے کس قدر حیرت انگیز بات ہے۔

حاتم بن اصمؒ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بدنصیب وہ عالم ہوگا جس کے علم پر دوسرے عمل کریں اور وہ خود اس پر عمل نہ کریں۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ملفوظ پہنچا ہے کہ جو شخص علم سیکھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا ہے اس کی حالت اس عورت کی حالت کے مشابہ ہے جس نے خفیہ زنا کیا ہو اور اس کی کسی کو اطلاع نہ ہو، پھر اس کو دردزہ ہو تو وہ رسوا ہو جاوے۔ پس جس طرح یہ عورت رسوا ہو جاتی ہے یوں ہی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو رسوا کرے گا جس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔

عکرمہؒ فرماتے تھے کہ میں نے اس شخص سے زیادہ کم عقل مند نہیں دیکھا جو اپنی

برائی جانتا ہو اور لوگوں سے یہ چاہے کہ وہ اس کو عالم و صالح کہے۔ مسلمانوں کے قلوب کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ وہ اس کی اس بدخصلتی پر مطلع ہو تا کہ اس سے دھوکہ نہ کھاوے اور اس شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کانٹے بوئے اور اس سے خواہش کرے کہ اس پر چھوارے لگیں۔

قیادہؒ فرماتے تھے کہ جب عالم اپنے علم و عمل سے ریا کاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں اسے تو دیکھو کہ یہ ہم سے ٹھٹھا کرتا اور ہم سے ڈرتا نہیں حالاں کہ ہم صاحب عظمت و جبروت ہیں ریا کو ٹھٹھا کرنا اس لیے فرمایا کہ جو شخص کسی کو بناتا اور اس سے مسخرہ پن کرتا ہے تو بظاہر اس کی تعظیم کرتا ہے مگر مقصود تعظیم نہیں ہوتی اور ریا کی بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ بظاہر عبادت کرتا ہے مگر مقصود عبادت نہیں ہوتی۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے اگر تحصیل علم میں نیت درست ہو تو اس سے بہتر کوئی عمل نہیں مگر لوگ تو اس کو سوائے عمل کے دوسرے اغراض کے لیے سیکھتے اور اس کو دنیا کے شکار کا جال بناتے ہیں۔ پھر اس میں خیریت کہاں؟

سفیان بن عتبہؒ فرماتے تھے کہ جب تم کسی طالب علم کو دیکھو کہ وہ جس قدر زیادہ علم حاصل کرتا ہے اسی قدر زیادہ اس کی طبیعت دنیا اور خواہشات دنیا کی طرف راغب ہوتی ہے، تو اسے علم نہ سکھاؤ۔ یہ حکم غایت ورع کی بناء پر ہے۔ ورنہ شرعاً ایسے شخص کو علم سیکھنا جائز ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ علم کو عمل کی غرض سے طلب کرو اکثر لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ بدون عمل کے صرف علم سے نجات ہو جاوے گی اور اگر ایسا ہو تو وہ آیات و احادیث کہاں جاویں گی جو علمائے بے عمل کی تعذیب کے بارے

میں وارد ہوئی ہے اور ذوالنون مصری فرماتے تھے کہ پہلے ہم نے لوگوں کو اسی حالت میں دیکھا ہے کہ ان میں سے جس کسی کو جس قدر زیادہ علم ہوتا اسی قدر اس کو دنیا سے بے رغبتی ہوتی تھی اور اس کے سامان کے کم کرنے کا خیال زیادہ ہوتا تھا اور آج ہم لوگوں کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس کو جتنا علم ہوتا ہے اسی قدر اس کو دنیا کی رغبت اور اس کے سامان مثل لباس، طعام، مکان، بیویاں، سواری، حشم وخدم وغیرہ کے زیادتی کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ مجھ سے امام مالک نے فرمایا: اے محمد تم عمل کو تو آٹا بناؤ اور علم کو نمک، یعنی جس طرح اصل مقصود آٹا ہوتا ہے اور نمک اس کی اصلاح کے لیے۔ یوں ہی تم عمل کو مقصود سمجھو اور علم کو اصلاح کا ذریعہ بناؤ۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ جو شخص حامل قرآن ہو اور پھر بھی اس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو تو سمجھو کہ اس نے قرآن کی آیتوں کو دل لگی اور کھیل بنالیا ہے اور جب حامل قرآن اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے تو قرآن بزبان حال پکارتا اور کہتا ہے کہ واللہ میں اس لیے حاصل نہیں کیا گیا میری نصیحتیں اور دھمکیاں کہاں ہیں اور تو ان کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتا، میرا ہر حرف تجھے پکارتا اور کہتا ہے کہ اپنے پروردگار کی نافرمانی نہ کر۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی طالب علم کو دیکھتے کہ رات کو نہیں اٹھتا ہے تو اس کی تعلیم سے رک جاتے۔ کسی شب ابوعصمہ ان کے ہاں شب باش ہوئے تو انہوں نے ان کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا پھر آپ قبل از فجر تشریف لائے تو ان کو سویا ہوا اور پانی کو بحالہ پایا تب آپ نے انہیں جگایا اور فرمایا کہ ابوعصمہ تم کس خیر کے لیے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ سے طلبِ حدیث کے لیے حاضر ہوا ہوں، اس پر امام

صاحب نے فرمایا کہ تم کیسے حدیث کے طلب گار ہو جب کہ تم رات کو تہجد نہیں پڑھتے ہو، پس جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ تم حدیث کے اہل نہیں ہو۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ آدمی کو خالص ایمان نصیب نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ یہ نہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور یہ علم اس کے اندر راسخ نہ ہو جاوے اور اسی بناء پر وہ کوئی کام علی الاعلان تو کجا خفیہ بھی ایسا نہ کرے جس سے وہ قیامت کے روز رسوا ہو۔

دنیا سے دل نہ لگانا:

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ہنسنے والے پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کس قدر خوش ہوتا ہے حالاں کہ اس کے سامنے موت بھی ہے۔

عامر بن قیسؒ فرماتے تھے کہ جو دنیا میں زیادہ ہنسے گا وہ دوزخ میں زیادہ روئے گا، کیوں کہ ہنسی دلیلِ غفلت ہے اور جتنی آخرت سے غفلت ہوگی اتنا ہی اسے دوزخ میں اس غفلت پر افسوس ہوگا اور اتنا ہی وہ روئے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی مثال:

صحابہؓ کا بھی یہی عمل تھا۔ایک آیت پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے پھر اگلی آیت پڑھتے اور عمل کرتے تھے۔مثال کے طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ خود بھی عرب تھے، مادری زبان بھی عربی، ان کو عربی سیکھنے کے لیے صرف ونحو کی بھی ضرورت نہیں تھی، قرآن مجید بھی عربی میں نازل ہوا تھا۔ عربی مبین ۔اس لیے ان کے لیے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا کوئی مشکل نہیں تھا۔آج کل تو ایک مہینہ میں دورۂ تفسیر القرآن کروایا جاتا ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: مجھے سورۂ بقرہ کے پڑھنے میں دو سال لگے۔یہ دو سال کیوں لگے؟ اس لیے کہ ایک آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، ادھر قرآن مکمل ہوتا تھا اور ادھر

ان کا عمل بالقرآن مکمل ہوتا تھا۔

اس نے نقوش سیکھے علم نہیں:

آج کا طالب علم بھی اگر ایسا کرے گا تو اس کا علم، علمِ نافع بنے گا۔توجہ فرمایئے گا! بات سخت ہے لیکن توجہ سے سنئے۔اگر کوئی بندہ چوبیس گھنٹے حدیث پاک کی تحقیق کرتا ہے مگر نیت یہ نہیں کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے تو اس نے نقوش کو تو حاصل کر لیا لیکن اس نے علم کو حاصل نہ کیا۔الفاظ اور حروف تو اسے مل گیے مگر اس نے اپنے رب کی اطاعت نہیں کی۔حدیث کو پڑھا ہی اِس نیت سے تھا کہ میں اس پر عمل کیسے کروں؟

علم کی کوئی حد نہیں:

بندہ ساری زندگی ہی علم کے حصول میں لگا رہتا ہے۔علامہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک تفسیر ''**حدا ئق ذات البهجة**''لکھی گئی۔اس کی ۱۰۰۰رجلدیں تھیں۔سورۂ فاتحہ پر ۲۵رجلدیں اور تسمیہ (بسم اللہ) پر ۵رجلدیں تھیں۔تو اگر انسان علم کے حصول میں ساری عمر ہی لگا رہے تو یہ علم پھر بھی مکمل نہیں ہوگا۔یاد رکھیں !علم کے اِس سمندر میں اگر قدم ڈالنا ہے تو عمل کی کشتی کو ساتھ لیجیے، اس کو عمل کے بغیر ڈالو گے تو اس کے سمندر کے اندر تم ڈوب جاؤ گے۔

علم کیسے محفوظ ہوتا ہے؟

علم وہی محفوظ ہوتا ہے جو عمل میں آجائے''**العلم صيد و العمل قيد**''علم شکار ہے اور عمل اس شکار کو قید کرنے کی مانند ہے۔

اس لیے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا چاہیے۔اگر کسی خط پر پوسٹ آفس کی

Stamp (مہر) نہ لگی ہوئی ہوتو کیا وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے؟ نہیں جس طرح اسٹمپ (مہر) کے بغیر خط نہیں پہنچتا۔اسی طرح سنت کی اسٹمپ کے بغیر کسی بندے کا عمل اللہ کی رضا والی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔تو جو کچھ بھی ہم پڑھیں تو اس کو عملی شکل میں ڈھالیں اور عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

علم اجر کی چیز ہے، اجرت کی نہیں:

یہ ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس پر اجرت تلاش کرتا پھرے۔انبیائے کرام نے اپنے صحابہ کو علم کیسے دیا؟ فرماتے تھے ﴿يٰــقَـوْمِ لاَ اَسْـأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ وہ یہ بھی فرماتے تھے: ﴿اِنْ اَجْرِىَ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ﴾۔ (ہود:۵۱)

اجر تو مجھے اللہ دینے والا ہے۔البتہ بندے کا جو رزق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اسے پہنچا کے رہتے ہیں، جیسے بھی ہو مل جاتا ہے۔

(از افادات امام شعرانیؒ)

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی طلبہ کو قیمتی نصائح

طالب علم کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے جو ہدایات دے کر بھیجا تھا، ان کی تفصیلات معلوم کرے، تاکہ اپنی زندگی ان کی زندگی کے موافق بنائے، کیوں کہ رنج وخوشی دونوں ہی قسم کے حالت میں میر انصب العین کیا ہوگا، وسوسہ تو آتے ہی ہیں۔

ان کا علاج بس یہی ہے، کہ ان کی طرف توجہ نہ کی جائے، تسبیحات جس قدر دل لگا کر ادا کی جائے گی، اسی قدر نفع ہوگا طالب علم کو یہ نیت کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کو معلوم کریں کہ وہ کن باتوں سے ناراض ہوتا اور کن باتوں سے راضی ہوتا ہے۔

راضی ہونے والی باتوں پر عمل کرے، ناراض ہونے والی سے پرہیز کرے، سارا دین ایک دم ہی قابو میں نہیں آجاتا، اللہ تعالیٰ توفیق دے آپ کو بھی اور مجھے بھی۔

(مجالس علم وذکر)

☆☆☆

طالب علم کی کامیابی کے تین بنیادی اصول

(اخلاص، محنت اور ادب واحترام)

طالب علم کی مؤثر تعلیم میں روحانیت اور اخلاص وللّٰہیت کا بڑا دخل ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں مدینہ منورہ میں پڑھا رہا تھا، وہاں مجھے ہدایہ آخرین کی ایک بحث میں مشکل پیش آگئی۔ میں نے اس کو سمجھنے کی پوری کوشش کی۔ شروحات دیکھیں، حواشی دیکھے، علماء کی طرف رجوع کیا، لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔ فرماتے ہیں کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضورؐ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوا، درود وسلام پیش کیا۔ مراقبہ کیا اور جب میں مراقبے سے تھا تو میرا وہ ہدایہ آخرین کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ یہ ہے روحانیت کا اثر۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، درود شریف کی کثرت خلوص نیت اور ادب واحترام طالب علم کا زادراہ ہے۔

اخلاص کا معنی ہے نیت کا پاکیزہ اور خالص ہونا۔ نیت کا یہ خلوص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور بندوں کے ساتھ بھی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیت کے خلوص کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو بھی نیک عمل کرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کرے۔ اس میں اس کا کوئی دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔

بندوں کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ انسان کی نیت میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہ ہو، اور وہ سب کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو، اللہ تعالیٰ کے لیے جو اعمال کیئے جاتے ہیں، ان میں نیت کے خالص ہونے کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ حضورؐ نے ہر عمل کا دارومدار نیت ہی کو قرار

دیا ہے؛ فرمایا ''انما الاعمال با لنیات'' ۔عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے، تعلیم میں خلوص کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم کی نیت یہ ہونی چاہیے، کہ میں تقویٰ اور طہارت والی زندگی کو اپنا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پڑھ رہا ہوں، طالب علم کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم میں مخلص ہو، وہ تعلیم اس لیے حاصل نہ کرے کہ وہ پڑھ کر علماء کے ساتھ بحث ومباحثہ یا مناظرہ کرے گا یا کوئی دنیاوی منصب حاصل کرے گا بل کہ مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونا چاہیے۔

ابواسحاق حبالؒ کہتے ہیں: ''میں ایک روز ابونصر سنجریؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اٹھ کر کھول دیا، اب میں نے دیکھا کہ ایک عورت مکان میں داخل ہوئی اور اس نے آکر ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے، اور اسے شیخ کے سامنے رکھ کر بولی: ''اِنہیں جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں شیخ نے پوچھا آخر مقصد کیا ہے؟'' اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے نکاح کرلیں، اگرچہ مجھے شادی بیاہ کی کوئی خواہش نہیں، لیکن اس طرح میں آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں''۔آپ نے کہا تھیلی اٹھا کر یہاں سے چلی جاؤ، جب وہ چلی گئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: میں اپنے ملک سجستان سے صرف حصول علم کی نیت سے نکلا ہوں، اب اگر میں اس سفر میں شادی بیاہ کے جھمیلے میں پڑوں تو پھر میں طالب علم کہاں رہوں گا.....؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے طلب علم پر جو اجر وثواب رکھا ہے اس پر میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دینا چاہتا۔ (صبر واستقامت کے پیکر)

اخلاص اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ جب ہم یہ نیت کرلیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنا ہے تو محنت کی توفیق کے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو ترجمان القرآن کے نام سے جانے جاتے ہیں، وہ

ایسے ہی قرآن کے عظیم مفسر نہیں بن گیے بل کہ خوب محنت اور جد جہد کی، وہ خود فرماتے ہیں کہ: میں صحابہ کرامؓ سے پوچھنے اور احادیث معلوم کرنے میں لگ گیا، مجھے پتہ لگتا کہ فلاں صحابی کے پاس حدیث موجود ہے تو میں ان کے مکان پر پہنچتا، وہاں آکر معلوم ہوتا کہ وہ آرام کررہے ہیں، تو میں چادر اُن کے دروازے کے سامنے بچھا کر لیٹ جاتا، دوپہر کی گرمی میں ہوا چلتی تو تمام گرد وغبار میرے اوپر آتا۔ جب صاحب خانہ باہر آکر مجھے دیکھتے تو حیرت زدہ ہوکر استفسار کرتے عم زادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی) کیسے آنا ہوا؟ اور آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی، کسی کو بھیج کر کیوں نہ مجھے بلوالیا؟ میں کہتا: نہیں جناب! مجھے ہی آنا چاہیے تھا، پھر میں ان سے حدیث معلوم کرتا۔
(صبر واستقامت کے پیکر ص:۵۰)

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو جب کوئی بات دریافت کرنا ہوتی یا کتاب کا مضمون سمجھنا ہوتا تو اپنے استاد مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے مکان کے دروازے پر بیٹھ جاتے، جب حضرت گھر سے باہر نکلتے اس وقت دریافت کرتے اور یہ تقریباً روزانہ ہی کا معمول تھا۔ (آداب المتعلمین ص:۲۷)

اخلاص اور محنت کے بعد ادب واحترام سے علم میں برکت کیسے آتی ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل اکابر کا تذکرہ کافی ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گیے، اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے، جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لیے لگایا جاتا ہے فوراً گھبرا کر باہر آگئے اور دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطے کو علم کے ساتھ ایک نسبت ہے، اس لیے بے ادبی معلوم ہوئی کہ بیت

الخلاء میں پہنچاؤں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''جس قدر استاذ سے محبت ہوگی اور جتنا استاذ کا ادب واحترام ہوگا، اسی قدر علم میں بھی برکت ہوگی استاذ راضی نہ ہوتو علم نہیں آسکتا۔'' (اصلاح انقلاب امت)

نیز فرماتے ہیں کہ: ''استاذ کا ادب تقویٰ میں داخل ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا متقی نہیں ہوگا حالاں کہ تقویٰ کی زیادتی علم میں زیادتی کا سبب ہے''۔ (التبلیغ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ میں خود دیوبند میں تھا، تو زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیخ مدنیؒ کے ہاں بعض اوقات ان کی خدمت کے لیے جایا کرتا اور پاؤں دباتا اور بعض ساتھی ہنستے کہ یہ چاپلوسی کرتا ہے، مگر میں ان بزرگوں کی خدمت میں جاتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھ نالائق انسان سے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ دین کا کام لیا اور مزید توفیق دے رہے ہیں، ان میں سے کئی اور ساتھی ہیں جو اِس راستہ کو چھوڑ چکے ہیں تو علم سارا ادب ہی ادب ہے دین کا ادب، اساتذہ کا ادب اور علم کا ادب۔

(ماہنامہ الحق۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ص:۳۲۴)

یہ تھا ان حضرات کے ادب واحترام کا حال، جس کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے تھے۔

(مولانا حافظ فضل الرحیم)

باب سوم

حصولِ علم میں ادب کی ضرورت

حصولِ علم کے لیے ادب ضروری ہے

مسلسل محنت کے ساتھ بلند ہمتی اور اس کے ساتھ استاذ، کتاب اور آلاتِ علم کا ادب بھی انتہائی ضروری ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی نے روایت نقل کی ہے ''وتواضعوا لمن تعلمون منه''۔ جس سے علم سیکھو اس کے ساتھ ادب اور تواضع سے پیش آؤ۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: جس قدر استاذ سے محبت ہوگی اور جتنا استاذ کا ادب واحترام ہوگا، اسی قدر علم میں برکت ہوگی، عادۃ اللہ یہی ہے کہ استاذ راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔ (اصلاح انقلاب امت)

حضرت تھانوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ استاذ کا ادب تقویٰ میں داخل ہے، جو اس میں کوتاہی کرے گا وہ متقی نہیں ہوگا، حالاں کے تقویٰ کی زیادتی علم میں زیادتی کا سبب ہے۔

اساتذۂ کرام کے آداب:

(۱) طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے استاذوں کا غایت احترام کرے، مغیرہ کہتے ہیں: ہم استاذ سے ایسا ڈرتے تھے جیسا لوگ بادشاہ سے ڈرتے ہیں، حدیث پاک میں بھی یہ حکم ہے جن سے علم حاصل کرو اُن سے تواضع سے پیش آؤ۔

(۲) اپنے شیخ کو سب سے فائق سمجھے، حضرت امام ابو یوسف کا مقولہ ہے کہ جو اپنے استاذ کا حق نہیں سمجھتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

(۳) استاذ کی رضا کا ہر وقت خیال رکھے، اس کی ناراضگی سے پرہیز کرے، اتنی دیر اُن کے پاس نہ بیٹھے جس سے ان کو گرانی ہو۔

(۴) استاذ سے اپنے مشاغل میں اور جو پڑھنا ہے اس کے بارے میں خاص طور سے مشورہ کرتا رہے۔

(۵) اس سے نہایت احتراز کرنا چاہیے کہ شرم اور کبر کی وجہ سے اپنے ہم عمر یا اپنے سے عمر میں چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں پس وپیش کرے، حضرت اصمعیؒ کہتے ہیں: کہ جو علم حاصل کرنے کی ذلت نہیں برداشت کرے گا وہ عمر بھر جہل کی ذلت برداشت کرے گا۔

(۶) یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ کی سختی برداشت کرے (یہ آداب نہایت اختصار سے مقدمہ ''اوجز المسالک'' سے نقل کئے گیے ہیں)

(۷) اور یہ تو نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرب ہے کہ استاذ کی بے حرمتی سے علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ (آپ بیتی:۲/۴۶)

(۸) اور عادۃ اللہ بھی یہی ہے کہ استاذ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا، جہاں کہیں ائمہ فن طالب علم کے اصول لکھتے ہیں اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں اور محدثین نے تو مستقل طور پر آدابِ طالب علم کا باب ذکر کیا ہے ''اوجز المسالک'' میں مفصل مذکور ہے اس میں اِس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی ''**احیاء العلوم**'' میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ استاذ کے ہاتھ میں کلیۃً اپنی باگ دے دیں

اور بالکل اس طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے فروخت کر دے یا غلام بنا دے۔ (ص:۶۰)

(۹) میرا تجربہ تو یہاں تک ہے کہ انگریزی طلبہ میں بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں، اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں، جس غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے، اور جو اُس زمانہ میں استاذوں کے ساتھ نخوت وتکبر کے ساتھ رہتے ہیں وہ ہاتھ میں ڈگریاں لیے ہوئے سفارشیں کراتے ہیں، کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفت ہی رہتی ہے، بہر حال جو بھی علم ہو اس کا نفع حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ اس فن کے اساتذہ کا ادب واحترام نہ کرے، چہ جائے کہ اُن سے مخالفت کرے۔

ادب کی برکات اور بے ادبی کا وبال

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ سورہ حجرات میں جو ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہوا، وہی علمائے ربانیین اور اللہ والے عالموں کا بھی ہے، نائبین کا ادب وہی ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے استدلال میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فن قرأت پڑھنے جایا کرتے تھے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے بڑے قاری ہیں کہ ''سید القراء'' ان کا لقب ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے شاگرد ہیں اور ان کے لیے اللہ نے وحی نازل کی کہ اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جایے اور سورۂ بینہ کی تلاوت کیجیے، کیوں؟

اس لیے کہ سورۂ بینہ میں علمائے یہود کا تذکرہ ہے اور یہ علمائے یہود میں سے تھے، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی بن کعبؓ! مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تم پر سورۂ بینہ کی تلاوت کروں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ مجھے یہ سورۃ سنائیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام بھی لیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں اللہ نے آپ کا نام لیا ہے، اس پر خوشی سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے، قراءت سیکھتے تھے، حضرت ابی بن کعبؓ اندر ہیں اور یہ دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں، دروازہ کھٹکھٹاتے نہیں، انتظار کر رہے ہیں، حضرت ابی بن کعبؓ سوکر اٹھے اطمینان سے وضو کرکے دروازہ کھولا تو دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں۔ کون؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نبی کے چچا کے بیٹے، فرمایا: اے عبداللہ بن عباس! تم میرے نبی کے چچا کے بیٹے ہو، تمہارے اس طرح بیٹھے رہنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، تم دروازہ کھٹکھٹادیا کرو میں آ گیا ہوں تو میں جلدی نکل آیا کروں گا، عرض کیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، میں اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے سورہ حجرات میں نبی کے لیے جو آداب نازل فرمائے ہیں وہی آداب علمائے ربانیین کے لیے ہیں۔

لہٰذا میں وہی ادب کروں گا، اور دروازہ نہیں کھٹکھٹاؤں گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ لہٰذا ہم بے عقلی کا کام نہیں کریں گے کہ دروازے کے باہر سے آپ کو پکار لیں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ پس میں اس صبر میں آنا چاہتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے، کہ اگر صبر کرتے، انتظار کرتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا، پس میں اس خیر کو کیسے چھوڑ دوں، میں اسی پر عمل کروں گا، آپ اللہ کے دین کے عالم ہیں، نائب رسول ہیں، آپ کا میں وہی ادب کروں گا جو سورہ حجرات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے، علامہ آلوسی فرماتے ہیں: "**قرأت هذه القصة فى الصغر**" میں نے اس قصہ کو بچپن میں پڑھا تھا لیکن اس کے بعد تمام عمر میں نے اپنے استادوں کے ساتھ یہ ادب کیا یعنی کبھی دروازہ نہیں کھٹکھٹایا کہ استاد جی نکلو "**اخرج يا استاذ**" بزرگوں کا ادب، اللہ والوں کا ادب آپ کو بعض اوقات اس مقام پر پہنچا دے گا کہ سو برس کے تہجد سے آپ

اس مقام پر نہیں پہنچ سکتے ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ جن لوگوں نے میرے نبی کا ادب کیا، اپنی آواز کو پست کیا نبی کے ادب کی وجہ سے آہستہ آہستہ بولے ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی﴾ ہم نے ان کے دلوں کو اپنی محبت کے لیے چھانٹ لیا۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا بیٹھ جاؤ، تو سارے صحابہ فوراً بیٹھ گئے۔ تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو وعظ فرمانا تھا وہ فرما کر دروازے کی طرف تشریف لائے تو ایک صحابی کو دیکھا کہ ایک پاؤں اُن کا اندر ہے اور دوسرا چوکھٹ کے باہر ہے اور دروازے کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا جب آپ نے حکم دیا تھا کہ بیٹھ جاؤ تو میری یہی حالت تھی، حکم ملنے کے بعد مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ اگر اندر والا قدم آگے بڑھاتا ہوں تو کہیں نافرمانی نہ ہو جائے اور باہر والا قدم اندر کرتا ہوں تو کہیں بغاوت نہ شمار ہو جائے اسی لیے جس حالت میں تھا اسی حالت میں بیٹھ گیا۔

اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں تشریف لے گئے، وہاں پر حضرت ابودرداء بیٹھے ہوئے تھے چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا: بیٹھ جاؤ، تو یہ حکم انہوں نے بھی سن لیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ عرض کیا کہ میں نے حکم سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تو مسجد والوں کو یہ حکم دیا تھا، عرض کیا آپ کا حکم سن لینے کے بعد میرے لیے کوئی تخصیص نہیں رہی کہ حکم مسجد والوں کو ہے یا باہر والوں کو۔

بے ادبی کا وبال:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چار افراد: اقرع بن حابس حنظلی، مجاشعی، عیینہ بن بدر فزاری، زید طائی کے درمیان تقسیم فرمایا، تو اُس پر قریش اور انصار نے ناگواری محسوس کی اور کہنے لگے کہ ہمیں چھوڑ کر اہلِ نجد کے سرداروں کو دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے صرف ان کی تالیف قلب کی غرض سے ان کو دیا، اتنے میں ایک شخص جو گہری آنکھوں والا، رخسار سے باہر نکلی ہوئی پیشانی، گھنی داڑھی اور سر کے منڈھے بالوں اور بھدے انداز والا تھا، کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے ڈریئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں گا تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے، لیکن کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے، اس شخص کی اس گستاخی پر ایک صحابی نے اس کے قتل کی اجازت چاہی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روک دیا، اور اس فعل کی اجازت نہ دی پھر جب وہ شخص اٹھ کر جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد اس کی قوم سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو کہ قرآن کی تلاوت تو کرے گی لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے وہ اس طرح نکل چکے ہوں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، یہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے یعنی ان کو کچھ نہ کہیں گے، اگر میں ان کو پالیتا یعنی اُن کے نکلنے کے وقت میں زندہ ہوتا تو میں ان کو قتل کر کے ان کا ایسا صفایا کرتا جیسے قوم عاد کا عذاب الٰہی سے صفایا کیا گیا تھا۔

حدیث کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی جائز

باتوں اور مبنی بر حکمت اقوال وافعال پر تنقید برائے تنقیص کرتے ہیں ان کو دنیا میں نقد یہ سزا دی جائے گی کہ ان کی اولاد بے دین اور گمراہ پیدا ہوگی، لہٰذا اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کی اولاد مسلمان رہے، بے دین اور گمراہ نہ ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے اکابر و بزرگان دین کے کسی قول و فعل پر بے جا اعتراض و تنقید اور ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرے۔

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ نماز میں اگر کوئی شخص امام کے رکوع یا سجدہ کرنے سے پہلے رکوع اور سجدہ کر لیتا ہے یا کوئی اور رکن امام کے ادا کرنے سے پہلے ادا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی شکل گدھے کی شکل میں بدل دیں گے، ایک عالم نے اس حدیث کو پڑھا اور شیطان نے اس کے دل میں شک ڈال دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک دفعہ نماز میں آزمائش کے طور پر اس نے جان بوجھ کر امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے رکوع اور سجدہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل گدھے کی شکل میں بدل دی اس عالم نے سخت افسوس اور ندامت کے ساتھ نقاب پہن کر حدیث پڑھانی شروع کر دی، ایک سال کے بعد جب طلباء فارغ ہونے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ استاذِ محترم ہم نے ایک سال تک آپ سے حدیث پڑھی ہے اب ہم فارغ ہو رہے ہیں لیکن اس عرصہ کے دوران ہم آپ کی زیارت سے محروم رہے ہیں، از راہ نوازش جاتے وقت ہمیں اپنی زیارت کروادیں، اس پر استاذ نے روتے ہوئے فرمایا کہ کبھی بھی صحیح حدیث کے بارے میں شبہ یا بے ادبی نہ کرنا، میں نے ایک مرتبہ اس طرح کیا تھا اللہ تعالیٰ نے میری شکل وصورت بدل دیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری نسلوں کو گستاخی اور بے ادبی سے بچنے اور بزرگان دین کی قدردانی اور آداب بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

(ماہنامہ "الحسن")

استاذ کی مجلس میں حاضر ہونے کے آداب

طالب علم کو چاہئے کہ جب استاذ کی مجلس (درس) میں جائے تو اپنی ہیئت کو درست کرے اور پاک صاف ہوکر وضو کر کے، خوشبو وغیرہ بھی لگا کر جائے۔ مسواک کر کے بھی جائے۔ (تلخیصات عمر: ج۵/ ۱۶۹، بحوالہ حقوق: ص۲۹)

صحابہ کے بارے میں منقول ہے کہ جمعہ کے دن غسل کر کے اچھے کپڑے پہن کر مسجد جاتے تھے اور علم کا مذاکرہ کرتے تھے۔ (الفقیہ والمتفقہ)

اگر بال بنانے یا ناخن کاٹنے کی ضرورت ہو تو فارغ ہو کر جائے۔ یہ ضروری ہے کیوں کہ مجلس علم میں جانا ہے اور مجلس علم عبادت ہے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص۹۵)

امام مالکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ علم کی نہایت تعظیم کرنے والے تھے۔ جب درس حدیث کے لیے تشریف لاتے تو خوشبو لگا کر تشریف لاتے تھے اور وقار و ہیبت کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے۔ (مقدمہ احادیث قدسیہ)

دو رکعت نفل بھی پڑھ کر جائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی معمول تھا۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص۹۵)

استاذ کے پاس جاتے وقت استاذ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے اور استاذ کے بارے میں اعتقاد رکھے کہ وہ درجہ کمال پر فائز ہے۔

اسی طرح درس میں جانے سے قبل صدقہ بھی کر کے جائے (صدقہ ضروری نہیں کہ مالی ہو بل کہ تسبیح تہلیل درود وغیرہ پڑھ کر ہدیہ کردے) بعض سلف سے منقول ہے کہ

استاذ کے پاس جانے سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ "**اللھم استرعیب شیخی و لا تذھب برکة علمه عنی**"۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص۸۸)

استاذ کا انتظار کرنا:

جب استاذ کی خدمت میں حاضر ہو اور استاذ وہاں موجود نہ ہو تو طالب علم کو چاہیے کہ (اِدھر اُدھر نہ جائے کہ استاذ موجود نہیں ہیں تو یہ اپنا کام نکال لے) استاذ کا انتظار کرے تاکہ درس چھوٹ نہ جائے۔ کیوں کہ جو درس بھی چھوٹ جاتا ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا ہے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص۹۶)

درس میں کس طرح بیٹھے:

استاذ کے سامنے اس طرح بیٹھے جس طرح بچہ قاری کے سامنے بہت تواضع، خشوع وخضوع اور ادب کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص۹۷)

اتنا قریب بیٹھے کہ استاذ جو کچھ بھی کہے پوری طرح سن سکے اور کوئی چیز بھی مخفی نہ رہے۔ نیز خاموش رہے استاذ کے کلام کی طرف متوجہ رہے، نظریں استاذ کی جانب ہوں اور مکمل ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے۔ (الفقیہ والمتفقہ: ص۱۰۰)

نیز استاذ کے قریب بیٹھے (لیکن اس قدر قریب بھی نہ بیٹھے جو سوءادبی میں شمار ہو) تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ انتہائی تعظیم یہ ہے کہ استاذ اور طالب علم کے درمیان کمان کے برابر فاصلہ ہو اور بلا ضرورت زیادہ قریب نہ بیٹھے۔ (تعلیم المتعلم: ص۲۸)

یہ بھی ادب ہے کہ استاذ کے پاس اس طرح متوجہ ہو کر بیٹھے کہ استاذ کو دوبارہ کسی بات کو دہرانا نہ پڑے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے کبھی کسی بات کو دہرانے کے لیے استاذ

سے نہیں کہا جب بھی میرے کانوں نے کوئی بات سنی تو اس کو یاد کرلیا یعنی اتنی توجہ سے بیٹھتے تھے کہ بات یاد بھی ہو جاتی اور کوئی بات چھوٹتی بھی نہیں تھی۔ طالب علم کے لیے اتنی توجہ سے بیٹھنا کافی ہے۔ (حاشیہ تذکرہ: ص ۹۷)

اسی طرح طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کے قریب بیٹھنے میں اپنے اوپر کسی کو ترجیح نہ دے (ہاں اگر کوئی اور اس سے عمر میں، علم میں، اصلاح کرنے میں بہتر ہو، لیکن خود استاذ کے قریب بیٹھنے میں طامع اور حریص رہے) جب کہ مجلس میں کوئی اور اس سے افضل نہ ہو۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۱۴۷)

اگر استاذ مجلس کے شروع میں بیٹھے تو جماعت میں افضل آدمی زیادہ حقدار ہے کہ دائیں طرف بیٹھے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۱۴۹)

استاذ کی مجلس میں کسی کو کھڑا نہ کرے اور نہ ہی کسی سے مزاحمت کرے۔ اگر کوئی دوسرا مزاحمت کرے اور اس کو بیٹھنے کے لیے اپنی جگہ دے تو اس کو قبول نہ کرے۔ ہاں اگر کوئی مصلحت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۱۴۷)

درس میں بیٹھنے کے ممنوع طریقے:

استاذ کے سامنے کسی دیوار یا تکیہ وغیرہ سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھے اور تکیہ پر ہاتھ رکھ کر استاذ کی جانب پہلو اور پیٹھ کرکے اور ہاتھ سے پہلو کی جانب یا پیٹھ کی جانب ٹیک لگا کر نہ بیٹھے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۹۸)

مجلس شریکؒ کی مجلس میں خلیفہ مہدی کا کوئی بچہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ کسی حدیث کے بارے میں شریک سے پوچھا۔ شریک نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا۔ پھر دوبارہ پوچھا۔ شریک نے دوسری بار بھی التفات نہیں کیا۔ اس لڑکے نے کہا:

آپ خلفاء کے اولاد کی توہین کرتے ہیں۔ شریک نے کہا: علم اللہ کے ہاں اس سے زیادہ بڑی چیز ہے کہ میں علم کو ضائع کروں (یعنی ٹیک لگا کر استاذ سے سوال پوچھنا آداب علم کے خلاف ہے)۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۸۸)

ہاتھوں کو جھاڑنا، آستین چڑھانا، ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء سے کھیلنا، ڈاڑھی ناک، منہ یا ہاتھ میں ڈال کر کھیلنا، ناک صاف کرنا، دانت بجانا، زمین کو ہتھیلیوں سے بجانا، انگلیوں یا کپڑوں سے کھیلنا یہ سب امور ممنوع ہیں۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۸۹)

اسی طرح بلاضرورت نہ کھنکارے۔ ہارون رشید کے بیٹے یزید نے اپنے ساتھی کے ساتھ کچھ مزاح کیا، جس پر احمد بن حنبل نے کھنکارا (یعنی تنبیہاً کہ استاذ کے پاس مزاح نہ کرو) اس پر استاذ نے کہا: کس نے کھنکارا ہے؟ (کیوں کہ یہ خلاف ادب ہے)

تھوکے نہیں اور ناک نہ سنکے جس قدر ہو سکے۔ اور بلغم کو منہ سے نہ تھوکے بل کہ کسی رومال یا کپڑے کے کنارے میں تھوکے اور اپنے پاؤں سمیٹ کر بیٹھے اور جب چھینکے تو جس قدر ہو سکے اپنی آواز کو پست کرے اور اپنے چہرہ کو رومال یا کسی کپڑے سے ڈھانک لے اور اگر جمائی آئے تو جس قدر ہو سکے اس کو روکے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۹۹)

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔ (ماخوذ حصول علم کے آداب: ص ۱۰۶-۱۱۳)

اساتذۂ کرام کا ادب واحترام

ہمارا نظام تعلیم اگرچہ بے شمار خوبیوں اور صفات کا حامل ہے، لیکن دور حاضر میں ان مدارس سے فیض یاب لوگوں کے ساتھ جو امید کی کرنیں وابستہ اور ان سے مفید نتائج کی جو توقع دل میں ہے وہ شاید کارآمد ثابت نہیں ہو رہی ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات دینی مدارس اور مذہبی مراکز میں ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں کہ جن سے اہل علم اور ذی شعور لوگوں کا سر ندامت کی وجہ سے جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

طلباء کی نظر میں اساتذہ کی قدر ایک ملازم کی سی ہو کر رہ گئی ہے، اگر میں یوں کہوں تو برا نہیں ہوگا کہ ہمارے عزیز طلباء کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبہ کے نقش قدم پر چلتے نظر آتے ہیں اور ایک عرصۂ دراز تک مدارس میں اساتذہ کی زیر نگرانی میں رہ کر بھی کچھ بن نہیں پاتے اور جب عملی زندگی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو اپنے آپ کو جدا گانہ اور ناکام محسوس کرتے ہیں لبوں کو یہاں تک جسارت دے دیتے ہیں کہ ہم نے مدارس میں رہ کر اپنے وقت کا ضیاع کیا ہے، آخر کیوں؟

قارئین کرام! یہ سوال ہر صاحب علم اور ہر درد مند مسلمان کے دل میں جگہ پکڑے ہوئے ہے اور اس کو حل کرنے کے لیے سب ہی سرنگوں ہیں، حقیقت میں کوئی کام کتنا ہی عظیم اور مفید تر کیوں نہ ہو اگر اس کے صحیح اسباب سے صَرف نظر اور روگردانی برتی جائے اور اس کے حصول میں جو موانع ہیں ان سے اپنے دامن کو داغدار کر لیا جائے تو وہ مفید نتائج وثمرات معرض وجود میں نہیں آسکتے۔

جن کی ان سے توقع اور امید کی جاتی ہے، صحیح اسباب اور ارتفاع موانع متوقع نتائج کے لیے روح کا درجہ رکھتے ہیں، جن سے آج کے مدارس کافی حد تک ویران پڑے نظر آتے ہیں، کیوں نہ انہی اسباب صحیحہ میں سے ایک سبب کا تذکرہ آپ کے گوش گزار کروں کہ جس کو تعلیمی ترقی کے لیے بڑی مقبولیت کا شرف حاصل ہے اور وہ ہے اساتذۂ کرام کا ادب۔

قارئین کرام ! اساتذہ کا ادب واحترام ایک طالب علم کو کامیاب انسان اور امت کا پیشوا اور رہ نما بنا سکتا ہے، ایسے طلباء بعد میں دین کی اشاعت کرتے ہیں جن سے ہزاروں بندگان خدا کو ہدایت ملتی ہے اور وہ زمین پر مانند ستاروں کے ہوتے ہیں، ان کی صحبت میں ایسا سحر اور جادو ہوتا ہے کہ ان کی مجلس میں بیٹھ کر سیکڑوں برس کا پاپی گناہوں سے توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی معرفت کا نور دل میں سما لیتا ہے، ان کی فراست سے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

وہی علوم کہ جن کو پڑھ کر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے سیکڑوں ایسے درخشندہ ستارے پیدا ہوئے کہ جن سے ایک عالم خوب سیراب ہوا؛ اور جو علم وہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، ان کا لائحہ علم کیا تھا؟

جس نے ان کو اس شان کا مستحق ٹھہرایا؟ تو نظر وفکر کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اس میں اساتذۂ کرام کے ادب واحترام کا بڑا دخل ہے، کیا بعید ہے کہ اگر آج بھی طلبائے کرام اپنے اساتذۂ کرام کے ادب واحترام سے آشنا ہوں تو وہ بھی دنیا کے مقتدا اور پیشوا بن کر راجا گر ہوں۔

عربی کا مقولہ مشہور و معروف ہے: "**العلم کله أدب**" کہ علم سارا کا سارا ادب ہے۔ جو وقت کا امام، مفسر، محدث اور لوگوں کو اپنے علم سے سیراب کرنے کا ذریعہ بنا تو وہ اساتذۂ کرام کے ادب و احترام کی وجہ سے بنا، حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ: "میں غلام ہوں اس شخص کا جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھا دیا، چاہے تو وہ مجھے بیچ دے یا غلام بنا لے"۔

غرض جس طالب علم نے علم و عمل کی بلند و بالا چوٹیوں پر اپنا نشیمن قائم کیا تو ایسا ادب و احترام کی بدولت ہی ممکن ہوا، لہٰذا اگر کوئی طالب علم چاہتا ہے کہ اس کے علم سے خلق خدا بہرہ مند ہوں اور اس کا فیض چار دانگ عالم میں پھیلے تو اس کو ادب و احترام کا دامن لازم پکڑنا ہوگا۔

(راہ عافیت ۔ مولوی دلاور علی سرگودھا)

استاد کی خدمت و زیارت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کے لیے پانی دینا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا۔ دوسرے حضرت انس کا دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی جان و مال اور اولاد میں برکت کی دعا فرمانا۔

امام قاضی فخر الدین الاسار بندی کو ''مرو'' (شہر) میں سلطان کے پاس دیکھا گیا کہ بادشاہ خود ان کی بہت زیادہ تعظیم کیا کرتا تھا اور بار بار کہا کرتا تھا کہ میں نے یہ سلطنت اور عزو جاہ محض استاد کی خدمت کے صلے میں پائی ہے کیوں کہ میں اپنے استاد قاضی امام ابوزید دبوسی کی بہت زیادہ خدمت کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے ان کا ۳۰ رسال تک متواتر کھانا پکایا اور اس شان سے کہ خود ان کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں سے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ (آداب المتعلمین: ص ۳۹)

ہارون رشید نے اپنے بیٹے کو اصمعیؒ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ ہارون رشید نے ایک روز دیکھا کہ اصمعیؒ وضو کر رہے ہیں اور شہزادہ اُن کو وضو کرتے ہوئے پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون شید نے دیکھ کر اصمعیؒ سے کہا: میں نے اس کو آپ کے پاس بھیجا تھا کہ یہ علم حاصل کرے اور آپ سے ادب سیکھے، آخر کیا ادب آپ سکھا رہے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پاؤں دھوتا۔

(آداب المتعلمین: ص ۳۹)

حماد بن مسلمؒ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ہمارے گھر روئی دھنتے تھے اور ہمارا دودھ، ترکاری خرید کر لاتے تھے اور اسی طرح بہت سارے کام کیا کرتے تھے۔ حمادؒ امام ابوحنیفہؒ کے استاد ہیں۔ (آداب المتعلمین: ص۳۹)

حضرت معن بن عیسیٰ امام مالک کے مصر کے شاگردوں میں سے ہیں اپنے زمانے کے بڑے محقق اور مفتی تھے اور یہ مقام ان کو اپنے استاد کی خدمت کی بدولت ملا۔

حضرت امام مالکؒ ضعیف ہو گئے تھے، عصا رکھنے کی ضرورت ہوئی تو بجائے عصا کے معن بن عیسیٰ ہوتے تھے، امام مالک ان کے کندھے پر سہارا دے کر چلا کرتے تھے۔ (آداب المتعلمین: ص۴۰)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں حیدرآباد دکن کے دو شہزادے پڑھنے آئے، کبھی کبھی آپ ان سے پیر دبوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اِن سے پیر دبوانے کی حاجت نہیں، مگر علم ایسے ہی آتا ہے۔ (آپ بیتی: ج۶/ص۸۶)

بری صحبت سے بچنا چاہیے:

خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے۔ انسان صحبت کے اثر سے غیر محسوس طریقے سے بری عادتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

الاتصحب الکسلان فی حیاته　　کم صالح بفساد آخر یفسد

عدوی البلید الی الجلید مریعة　　کالجمر یوضع فی الرماد فیخمد

ترجمہ: (۱) سست آدمی کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔ کیوں کہ بہت سارے اچھے آدمی دوسرے لوگوں کی خرابی کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں۔

(۲) کند ذہن آدمی کا اثر ذہین آدمی پر بہت جلد ہوتا ہے جس طرح انگارے کو

اگر راکھ میں رکھا جائے تو انگارہ بجھ جاتا ہے۔

ماحول کے اثرات پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف عنوانات سے تنبیہ فرمائی ہے۔ اعتدال میں لکھا ہے کہ اہل اللہ سے جتنی محبت پیدا کر سکو، دریغ نہ کرو۔ اور بے دین لوگوں سے جتنا بھی ممکن ہو احتراز کرو اور یکسو ہو کر رہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی والا ہو کہ اگر چنگاری اگر گر گئی تو بدن جلا دے گی اور اگر چنگاری نہ بھی گرے تو دھواں اور بو تو پہنچے گی۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر اس سے تو بھلائی کو پائے گا۔ اگر ان پر رحمت نازل ہوگی تو بھی اس میں شریک ہوگا۔ اور بروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھا کر اس سے بھلائی کی توقع نہیں اور کسی وقت ان پر آفت نازل ہوئی تو، تو بھی اس میں شریک ہو جائے گا۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۹۲۱)

اس لیے بری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہیے، اللہ والوں کی صحبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو غنیمت سمجھنا چاہیے، ان کی صحبت نیک اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ (اعتدال: ص ۱۹- بحوالہ آپ بیتی حضرت شیخ: ج ۶/ص ۹۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اونٹ والوں میں فخر و تکبر ہوتا ہے اور بکری پالنے والوں میں مسکنت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فخر و تکبر گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہوتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مزاج کی سختی و ظلم کسانوں میں ہوتا ہے۔ بہت سی روایات اس مضمون کی ہیں ان جانوروں تک میں اثرات ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے علماء میں مشہور ہے کہ پہلے بکریاں چروائی جاتی ہیں تا کہ ان کی مسکنت اور ہٹ دھرمی پر صبر کی عادت ہو جائے۔ بکری ضعیف اور کمزور جانور ہے لیکن

جب چلتے چلتے وہ اگلے دونوں پاؤں جما کر کھڑی ہو جائے تو کھینچنے سے کھنچے گی نہیں اور ڈنڈا مارنے پر اس کا پیر ٹوٹ جائے گا اس لیے بکریاں چرانے والے کو بہت زیادہ متحمل مزاج ہونا چاہیے اور ضد اور ہٹ دھرمی کے بجائے نرمی کا مشاق ہونا پڑتا ہے، اسی لیے ہر نبی کو پہلے بکریاں چرانی پڑیں ہیں۔ (آپ بیتی: ج ۶/ص ۱۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کن لوگوں کی صحبت اختیار کریں؟ آپ نے فرمایا جس کے دیکھنے سے اللہ یاد آجائے جس کی بات سے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت کی یاد تازہ ہو جائے۔

(حصول علم کے آداب: ۱۷۰-۱۷۱، ۱۷۸-۱۷۹)

کتاب کا ادب:

علم کے ذرائع میں ایک اہم ذریعہ کتاب ہے، چناں چہ کتاب کا ادب واحترام جس غایت درجہ کا ہوگا اسی درجہ کمال کا علم حاصل ہوگا۔ چناں چہ امام حلوانیؒ فرماتے ہیں: ہم نے اس علم کو ادب کے ذریعہ حاصل کیا ہے میں نے سادہ کاغذ کو بھی کبھی بے وضو ہاتھ نہیں لگایا۔ (تعلیم المتعلم: ص ۲۴)

طالب علم کو چاہیے کہ کتاب کو باوضو ہاتھ لگائے۔ (تعلیم المتعلم: ص ۲۴)

قتادہؒ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو وضو کے ساتھ بیان فرمانے کو پسند کیا کرتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲/ص ۲۴۳)

امام مالکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو تعظیم کی وجہ سے بغیر وضو بیان نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲/ص ۲۴۳)

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ باوجود ریاحی امراض میں مبتلا

ہونے کہ کتاب کو بغیر وضو ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔ ایک بار مطالعہ کے درمیان ان کو تقریباً سترہ بار وضو کرنا پڑا۔ اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ علم نور ہے اور وضو بھی نور ہے لہٰذا علم کا نور وضو کے نور کی وجہ سے زیادہ ہو جائے گا۔ (تعلیم المتعلم :ص ۲۵)

اسحاقؒ فرماتے ہیں: میں نے اعمش کو دیکھا جب حدیث بیان فرماتے تو وضو کر لیتے تھے اگر کبھی وضو نہ ہوتا تو تیمّم کر لیتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲/ص ۲۴۳)

طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کتاب کی طرف پیر دراز نہ کرے اور تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بقیہ فنون کی کتابوں کے اوپر رکھے۔ کتاب ادب کے ساتھ اٹھائے، کسی کو دے تو پھینک کر نہ دے اس میں کتاب کی بے ادبی ہے۔
(تعلیم المتعلم ص ۲۵؛ مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ :ص ۲۷)

کتاب پر کوئی چیز نہ رکھے شیخ الاسلام فرماتے تھے۔ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے تو ہمارے شیخ نے فرمایا: تم اپنے علم سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ (تعلیم المتعلم :ص ۲۵، بطاش :ص ۲۷) اسی طرح کتاب کو صاف رکھنا بھی کتاب کا ادب ہے۔ (مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ :ص ۲۹)

ایک عالم نے اپنے دو طالب علموں کو دو حال میں پایا، ایک تکیہ کا سہارا لیے مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دو زانو مستعد بیٹھا کتاب میں مشغول تھا اور کچھ لکھتا بھی جاتا تھا۔ جوہر شناس استاذ نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا: "**ان لایبلغ درجة الفضل**" یہ فضیلت کے کسی درجہ کو نہ پہنچے گا۔ اور دوسرے کی نسبت فرمایا: "**سیحصل الفضل و یکون له شان فی العلم**" یہ عنقریب فضل کو حاصل کرے گا اور اس کے لیے علم میں ایک بڑی شان ہوگی۔ (آداب المتعلمین :ص ۴۳)

ہشام بن عروہؒ اپنے والد عروہ کا قول نقل فرماتے ہیں: جب ان کی کتابیں واقعہ حرہ کے دن جل گئیں تھیں تو کتابوں کے بارے میں فرماتے: کاش میرے پاس اہل وعیال کے بدلے میں میری کتابیں ہوتیں۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۹۰)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا۔ مولانا احمد علی سہارن پوریؒ نے لکھا ہے کہ بعض طلباء بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیوں کہ خلاف ادب ہے اور صورۃً جوتوں کو فوقیت دینا ہے۔

(الافاضات الیومیہ ج۴ ۳۲۴- بحوالہ استاد اور شاگرد کے حقوق: ص۳۱) (ماخوذ: حصول علم کے آداب: ۱۸۳-۱۸۴)

علم کے لیے وقار اور تواضع اختیار کرنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم سے وقار اور علم کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ کرو اور جن سے علم سیکھو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ متکبرین علماء مت بنو تمہارا یہ باطل (تکبر کرنا) تمہارے حق کو ضائع کر دے گا۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۰)

ایک روایت میں ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔

ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تواضع بندے کو بلند ہی کرتی ہے، پس تواضع کو اختیار کرو، اللہ تعالیٰ تم کو بلند کریں گے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۱)

ایک روایت میں فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم کرتے ہیں کہ خاکسار بنو اور آپس میں سرکشی نہ کرو۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: کہ جب بندہ اللہ کے لیے تواضع

اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو بلند کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بلند کرے، وہ اپنے جی میں چھوٹا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہوتا ہے۔

(جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۱)

حضرت ایوب سختیانیؒ کہا کرتے تھے: طالب علم کے لیے مناسب یہ ہے اللہ تعالیٰ سے تواضع کے لیے اپنے سر پر مٹی ڈالا کرے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۱)

بعض علماء کا قول ہے کہ جو طالب علم متواضع ہوتا ہے اس کا علم اس طرح زیادہ ہوتا ہے جس طرح نشیبی جگہ میں پانی زیادہ جمع ہوتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۲)

برزجمہر سے پوچھا گیا کہ کون سی نعمت ایسی ہے کہ وہ جس کے پاس ہو، اس سے حسد نہیں کیا جاتا ہے؟ جواب دیا: تواضع۔ پھر پوچھا گیا: کون سی بلاء ایسی ہے جو اس میں مبتلا ہو، اس پر رحم نہیں کیا جاتا؟ جواب دیا: عُجب۔ پھر فرمایا: تواضع جو حماقت اور بخل کے ساتھ ہو یہ زیادہ پسندیدہ ہے اُس تکبر سے جو سخاوت اور ادب کے ساتھ ہو۔

(جامع ج۱/ص۱۷۲)

خاکساری (تواضع) کیا ہے؟

ابراہیم بن اشعثؒ کہتے ہیں: میں نے فضیل بن عیاضؒ سے پوچھا: خاکساری کیا ہے؟ فرمایا: خاکساری یہ ہے کہ تم حق کے سامنے ہمیشہ جمے رہو جاہل سے بھی حق سنو تو فوراً قبول کرلو۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۳)

بطاش کبریٰ زادہؒ نے لکھا ہے کہ طالب علم کو چاہیے کہ اپنے ذہن پر اعتماد اور تکیہ کرنے سے بچے ورنہ ملامت وافسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ (مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ: ج۱/ص۵۲)

اپنی ذات پر اعتماد کرنا یہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے عجب بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے

جو کہ ایک انتہائی مہلک بیماری ہے جس میں مبتلا ہو کر آدمی اپنی ترقی کھو بیٹھتا ہے۔ جامع بیان العلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ خود پسندی دانائی کی موت ہے۔

مشہور مقولہ ہے کہ خود پسندی محاسن کو ختم کر دیتی ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۳)

ایک اور مقولہ ہے کہ خود پسندی کم عقلی کی دلیل ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۳)

علی بن ثاقب کا شعر ہے:

المال آفته التبذير و النهب والعلم آفة الاعجاب و الغضب

اسراف اور لوٹ سے مال برباد ہو جاتا ہے، خود پسندی اور غصہ علم کو تباہ کر دیتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۳)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جہل کی تین نشانیاں ہیں: (۱) خود پسندی (۲) فضول گفتگو کی زیادتی (۳) جس چیز سے لوگوں کو منع کرے خود اس کو اختیار کرے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۳)

بہر حال اپنی حفاظت کرتا رہے اگر خیال آئے تو توبہ و استغفار کرے اور اس خیال کو ذرہ برابر جگہ نہ دے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ مسجد سے نکلے تو لوگ آپ کی طرف لپکے آپؓ نے مڑ کر فرمایا: اس حال میں کون سا دل ٹھیک رہے گا؟ پھر فرمایا: قدموں کا شور دلوں کو خراب کر دیتا ہے (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۵)

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آدمی کے عالم ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور آدمی کے جاہل ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے علم پر اترانے لگے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۳)

علماء کا قول ہے جو شخص اپنی رائے کے بارے میں خود پسندی میں مبتلا ہو وہ گمراہ ہوا، جو عقل سے لاپرواہ ہوا وہ بہک گیا، جس نے لوگوں پر تکبر کیا وہ ذلیل ہوا، جس نے گھٹیا آدمی سے میل جول رکھا تو وہ ذلیل ہوا اور جس نے علماء کی صحبت اختیار کی وہ ذی عزت ہوا۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۷۴)

ہمیشہ علم حاصل کرنا:

دوام علی الدرس لا تفارقه فالعلم بالدرس ارتفعا

"سبق میں بلاناغہ شرکت و حاضری کرنی چاہیے کیوں کہ علم میں بلندی اور سرفرازی حاصل کرنے کے لیے مداومت درس بھی ضروری ہے"۔ (تعلیم المتعلم: ص۳۳)

موت تک علم حاصل کرنا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا: آپ کب تک علم سیکھیں گے؟ فرمایا: موت تک۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۵)

ابن مبارکؒ سے کہا گیا: آپ کب تک علم حاصل کریں گے؟ جواب دیا انشاء اللہ موت تک۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۵)

ان ہی عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ علم کب تک حاصل کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: شاید کہ وہ کلمہ جو مجھے نفع دے میں نے ابھی تک نہیں سنا ہے۔
(مفتاح السعادہ: ج۱/ص۲۳)

ابن منذرؒ کہتے ہیں: میں نے ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا: آدمی کے لیے کب تک علم سیکھنا زیبا ہے؟ تو فرمایا: جب تک زندگی اس کے لیے زیبا ہے۔
(جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۵)

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی موت طلب علم کی حالت میں آئے اور وہ علم اس لیے سیکھ رہا ہوتا کہ وہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو نبیوں اور اس کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوتا ہے۔

(جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۵)

ابوہریرہ وابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو طالب علم طلب علم کی حالت میں مرے وہ شہید ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۵)

طالب علم کے لیے مناسب ہے کہ اپنے نفس کو آخری عمر تک سیکھنے کے لیے تیار کرے جیسا کہ کسی کا مقولہ ہے کہ "**الطلب من المهد إلى اللحد**" کہ علم کا طلب کرنا بچپن سے لے کر موت تک ہے۔ (مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ: ج۱/ص۲۳)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ ہمارا کام (علم حاصل کرنا) ہمیشگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ علم کی انتہا ہے اس نے علم کا حق ادا نہیں کیا پھر فرمایا: کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نہیں سنا؟ اس حال میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفات واحکام کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور وہ ارشاد یہ ہے: "**وقل رب زدني علمًا**" (آپ کہیے، اے میرے رب! تو میرا علم زیادہ کر) دوسرا ارشاد ہے: "**و فوق كل ذي علم عليم**" ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ (مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ: ج۱/ص۲۳)

علم کے حریص کا پیٹ نہیں بھرتا:

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: دو حریص ایسے ہیں کہ ان کی حرص کبھی ختم ہی نہیں ہوتی: (۱) طالب علم (۲) طالب دنیا۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۴)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی عالم کے لیے مناسب نہیں کہ وہ علم سیکھنا چھوڑ دے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۴)

مؤمن کا پیٹ کبھی بھلائی سے نہیں بھرتا:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کا پیٹ کبھی بھلائی سے نہیں بھرتا حتی کہ جنت میں پہنچ جائے۔

ابن ابی غسانؒ فرماتے ہیں: جب تک تو سیکھتا رہے گا اس وقت تک تو عالم ہے اور جب تو علم سیکھنے سے مستغنی ہو جائے گا تو تو جاہل ہو جائے گا۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۵)

ہمیشگی سے ذہن تیز ہوتا ہے:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا: تم بہت کند ذہن تھے مگر تمہاری کوشش اور مداومت نے تمہیں اتنا آگے بڑھا دیا۔ (تعلیم المتعلم: ص۳۵)

طالب علم کو چاہیے کہ وہ تمام اوقات علم کی باریکیوں میں غور وفکر کرتا رہے اور اس کی عادت بنائے کیوں کہ علم کی باریکیاں غور وفکر سے حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ کسی کا مقولہ ہے "تو غور وفکر کرے گا تو علم پالے گا" خصوصاً بات کہنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کیوں کہ کلام تیر کی طرح ہے تو لہٰذا کلام کو اولاً غور وفکر کے ذریعہ درست کرنا ضروری ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی علم پر کفایت کرتا تو موسیٰ علیہ السلام کفایت کرتے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ جو علم مفید آپ کو سکھلایا گیا اس میں سے آپ مجھے بھی سکھلا دیں۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۲۰)

بڑا عالم سیکھنے کا زیادہ محتاج ہے:

سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا: علم طلب کرنے کا سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ عالم ہو کیوں کہ بڑے عالم سے جو غلطی واقع ہو وہ بہت ہی قبیح ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۱۵)

فراغت کے اوقات غنیمت جاننا:

طالب علم کو چاہیے کہ اپنی جوانی کی قوت اور شباب کی گھڑیوں کو غنیمت جانے جیسا کہ شاعر کا شعر ہے

بقدر الکد تعطی ما ترام فمن رام المنی لیلاً یقوم

مقصود کا وصول محنت اور کوشش کے موافق ہی ہوگا پس جو شخص مقصود حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اُسے رات میں محنت وکوشش کرنی چاہیے

و ایام الحداثة فاغتنمها الا ان الحداثة لا تدوم

اے طالب علم! تو جوانی کے اوقات کو غنیمت سمجھ، کیوں کہ جوانی ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔
(تعلیم المتعلم: ص۳۳، ماخوذ: حصول علم کے آداب: ۲۰۳-۲۰۹)

مجلسِ درس:

یہاں ہم چند باتیں بیان کریں گے: (۱) درس کی اہمیت وفضیلت (۲) درس کے آداب اور (۳) درس کی پابندی۔

درس کی اہمیت وفضیلت:

مشہور مقولہ ہے کہ علم ایک درخت ہے اور درس اس کا پانی ہے۔
(مفتاح السعادۃ ومصباح السیادہ: ج۱/۳۴)

یعنی جس طرح درخت بغیر پانی کے پھلتا پھولتا نہیں ہے اسی طرح طالب علم، علم میں کمال بغیر درس کے حاصل نہیں کرسکتا۔ چناں چہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے پوچھا۔ آپ نے علم کس سے حاصل کیا تو آپؒ نے فرمایا: میں علم وفقہ کے ماحول میں تھا، میں اہل علم وفقہ کے ساتھ بیٹھا اور ان میں سے (حصول علم) کے لیے ایک فقیہ کو لازم پکڑلیا۔

(تاریخ مذاہب الاسلامیہ: ج۱/۱۳۵)

مجلس درس میں حضور علیہ السلام کا شریک ہونا:

خطیب بغدادیؒ نے مجالس فقہ (درس) کی فضیلت میں یہ مشہور حدیث نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں دو حلقہ لگے ہوئے پائے۔ ایک حلقہ میں اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر ہو رہا تھا اور دوسرے حلقہ میں لوگ فقہ سیکھ رہے تھے (مشکوٰۃ کی روایت میں علم کا لفظ بھی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دونوں حلقے خیر کے ہیں۔ یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہے ہیں اور اس کی طرف شوق ورغبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو ان کا مقصود و مطلوب ان کو عطا فرمائیں، چاہے تو نہ عطا فرمائیں۔ اور یہ دوسرے لوگ جو جانتے ہیں اور جہلاء کو (دین) سکھا رہے ہیں پہلے والوں سے بہتر ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف فرما ہوئے۔ (الفقیہ والمتفقہ: ص۱۲)

حضرت انس راوی نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو میری (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم تم اور تمہارے ساتھی کس کام میں لگے ہوئے ہو، یہ وہ لوگ ہیں (جن میں حضور علیہ السلام شریک ہوئے) جو قرآن اور فقہ کو سیکھتے ہیں۔ (الفقیہ والمتفقہ: ص۱۴)

یحییٰ بن کثیر سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ فقہی مجالس ہیں۔

بہترین مجالس علماء کی مجالس ہیں:

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: دنیا میں علماء کی مجلس کے علاوہ سب کچھ اندھیرا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۶۴)

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایسے آدمی کے پاس بیٹھا کرو جس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد آئے، جس کے بات کرنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت کا شوق پیدا ہو۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا بہترین ہم نشین کون ہیں؟ (جس کے ساتھ ہم بیٹھیں) فرمایا: جس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آئے، جس کے بات کرنے سے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت یاد آئے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آدمی کی فقاہت کے لیے کافی ہے کہ اس کا چلنا پھرنا آنا جانا اہل علم کے ساتھ ہو۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۵۴)

حضرت عبداللہ بن ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: علماء شہروں کے مینار ہیں جن سے ہدایت کی روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۶۰)

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے پوچھا: تمہاری دانائی کس منزل میں ہے؟ بیٹے نے جواب دیا: بے فائدہ باتوں سے پرہیز کرنے لگا ہوں۔ حضرت لقمان نے فرمایا: ابھی کسر باقی ہے، علماء کی صحبت میں بیٹھو اور ان کے سامنے (ادب سے) گھٹنوں کے بل بیٹھے رہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو صحبت سے مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کر دیتے ہیں

جس طرح موسلا دھار بارش سے زمین کو زندہ کر دیتے ہیں۔(جامع بیان العلم ج ۱/ ۱۲۸)

برکت بڑوں کے پاس ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔(جامع بیان العلم :ج ۱/ ۶۴)

استاد کی سختی اور بدسلوکی کو برداشت کرنا:

اسی طرح طالب علم استاد کے سامنے بچھا رہے نرمی کے ساتھ، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے اور استاد کی ہر بات کو نرم زمین کی طرح اپنے اندر سموتا رہے اور ہر بات کو اپنے لیے رشد کا پیغام سمجھ کر قبول کرتا رہے۔حتی کہ بعض اوقات اپنے استاد کی سختی اور بدسلوکی کو بھی برداشت کرنا پڑے گا جس میں بے انتہا فائدہ ہے (مفتاح السعادہ ومصباح السعادہ :ص ۲۴)

استاد کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس کے اعراض اور سرد مہری کو بھی برداشت کرے؛ طالب علم کو استاد کی سرد مہری اعراض اس خدمت اور حسن عقیدہ سے مانع نہ ہونی چاہیے۔

اگر استاد سے کوئی غلطی صادر ہو تو اس کی اچھی تاویل کرے اگر استاد سے بدسلوکی کر بیٹھے تو استاد سے معذرت کرنے میں خود پہل کرے اور جو کچھ ہوا، اس سے توبہ واستغفار کرے۔ نیز اچھی بات کی نسبت استاد کی طرف کرے اور برائی کی نسبت اپنی طرف کرے کیوں کہ یہ استاد کی محبت کو زیادہ باقی رکھنے والا، اس کے دل کو محفوظ رکھنے والا اور طالب علم کے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی کا سبب ہے۔(تذکرہ السامع والمتکلم :ص ۹۱)

ایک حدیث میں ہے کہ جو (زمانہ) تعلیم کی تھوڑی سی ذلت کو برداشت نہیں کرتا وہ عمر بھر جہل کی ذلت برداشت کرتا ہے۔(مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ :ج ۱/ص ۲۴)

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو اس زمانہ کی ذلت برداشت کر لیتا ہے اس کا انجام کار دنیا و آخرت میں عزت و کامیابی ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: طالب علمی کے زمانے میں ذلیل ہوا معلم ہونے کی حالت میں عزت حاصل ہوئی۔ معافی بن عمرانؒ فرماتے ہیں جو شخص عالم پر غصہ کرے وہ ایسا ہے جو اساطین الجامع (اسلام کے مضبوط ستون) پر غصہ کرے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: سفیان بن عیینہؒ سے کہا گیا کہ لوگ اطراف عالم سے آپ سے علم حاصل کرنے آئے ہیں اور آپ ان پر غصہ کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جائیں یا آپ کو چھوڑ دیں انہوں نے جواب دیا: جو لوگ بے وقوف ہوں گے کہ میری بد خلقی کی وجہ سے اپنی مفید چیز چھوڑ دیں گے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں آدمی میں جن کی خاطر مدارات کرنا انسان پر واجب ہے ان میں سے ایک اس عالم کو شمار فرمایا جس سے علم حاصل کیا جائے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم ص ۹۱، ۹۲)

ایسا بھی ہوتا ہے کہ استاد غلط فہمی کی بناء پر ناراض ہو جائے یا ڈانٹے یا گوشمالی کر دے اگر طالب علم ہر حال میں استاد سے محبت کرنے والا ہو اور اپنے لیے شفیق و مربی تصور کرے گا تو کڑوی کسیلی کو سننا، برداشت کرنا آسان ہوگا، ورنہ ھم رجال نحن رجال کا فلسفہ آڑے آئے گا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: انسان پر اپنے استاد کی مدارات واجب ہے۔ اس کی سختی کو برداشت کرے۔ استاد کوئی بات بتائے یا کسی بری بات پر تنبیہ کرے تو اس کی شکر گذاری ضروری ہے۔ جب وہ کوئی نکتہ بتائے تو تمہیں اگر وہ پہلے سے معلوم ہو جب بھی ظاہر نہ کرو کہ مجھے پہلے سے معلوم ہے (آداب المتعلمین: ص ۳۰؛ حصول علم کے آداب: ۱۶۵-۱۶۷)

استاذ کے فضائل اور حقوق

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ، وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ (سورۃ المجادلۃ: ۱۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے درجات کو بلند کریں گے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام وعمل سے پوری طرح باخبر ہے۔

تعلیم کی حقیقت:

علم سب سے بڑی دولت اور بیش بہا عطیہ ربانی ہے، اس کا سیکھنا اور سکھانا بہت فضیلت اور فائدے والا عمل ہے، اس کی تاکید وترغیب قرآن وحدیث میں مختلف اسلوب و انداز میں بار بار بیان ہوئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ علم وہنر سیکھنا اور سکھانا انسان کی بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے، دین سیکھنا اور سکھانا بڑا ہی مقدس اور مبارک عمل اور بہت ہی اہمیت وعظمت والا فریضہ ہے، کیوں کہ اس کے بغیر انسان نہ تو دنیا میں اچھی اور مطلوبہ زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کامیابی وکامرانی حاصل کرسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بہت سے اندرونی اور باہری اسباب وذرائع مہیا فرمائے ہیں چناں چہ اللہ تعالیٰ نے سیکھنے اور سکھانے کا بڑا شوق وجذبہ انسان کو عطا فرمادیا ہے اور اس کے لیے بہت سی اندرونی طاقتیں اور صلاحیتیں (خاص طور پر سماعت وبصارت، فہم وبصیرت، زبان وبیان اور تحریر وتقریر) انسان کو اللہ تعالیٰ نے بخشی ہیں ان کے علاوہ بہت سی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل کیے ہیں اور سیدنا

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سارے انبیائے کرام اور رسول علیہم السلام کو انسانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ہی مبعوث فرمایا ہے، یہ داخلی وخارجی اسباب وذرائع حقیقت میں تمام انسانوں، خصوصاً مسلمانوں کے لیے بہت ہی قابل قدر وعظمت، لائق تعریف وتحسین اور باعث صد شکر واحسان ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں (خصوصاً سورۂ بقرہ ۸۷، ۲۳۱، مائدہ: ۴۶، مومنون: ۴۴، رحمان: ۲، حدید: ۲۷، بلد: ۸ تا ۹ اور علق: ۴) میں اِن اسباب وذرائع کا ذکر نہایت ہی اہتمام کے ساتھ بڑے ہی بلیغ ومؤثر انداز میں فرمایا ہے اور بہت سی آیتوں میں ان اسباب وذرائع کی فراہمی کو اپنا خصوصی فضل واحسان قرار دیا ہے، چناں چہ ایک آیت کریمہ میں بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا والوں پر اپنا بڑا فضل احسان بتایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک مبارک ترین بشر کو رسول بنا کر ان میں بھیجا، جو اُن کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔
(آل عمران:۱۶۴)

آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام مذاہب میں سب سے زیادہ علم کا داعی وحامی مذہب ''اسلام'' لے کر تشریف لائے، اس مذہب کی آسمانی کتاب ''قرآن مجید'' کی سب سے پہلی وحی (سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں) تعلیم وتعلم کے ہی سلسلے میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سب سے امتیازی خصوصیت ''کتاب وحکمت کی تعلیم'' ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امتیازی شان کا ذکر قرآن کی متعدد آیتوں (بقرہ:۱۲۹، آل عمران:۱۶۴، جمعہ:۲) میں فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی ایک حدیث میں تعلیم وتعلّم کو ترجیح دیتے ہوئے نہایت ہی واضح انداز میں یہ فرمایا کہ ''اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں سکھانے والا (معلم) ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (ابن ماجہ)

یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا مربی ہیں آپؐ کی زندگی تعلیم وتربیت کے لیے وقف تھی، اپنی حیات مبارکہ میں حضرات صحابہؓ سے بھی مختلف موقعوں پر تعلیم کا کام آپ نے لیا اور اپنی وفات حسرت آیات کے بعد بھی تعلیم کی زریں خدمت انجام دینے کی مؤثر وجامع وصیت حضرات صحابہ کرام کو کی ہے اوران کے بعد امت مسلمہ کے درمیان ہر دور میں آنے والے علمائے کرام کو بھی تعلیم وتربیت، رشد وہدایت اوراسلام کی حقانیت ثابت کرنے کا مکلّف وذمہ دارقرار دیا ہے، اسی طرح دین اسلام نے عام مسلمانوں کو بھی دین سیکھنے کی بڑی تاکیداور مؤثر ترغیب دلائی ہے، قرآن کریم نے مسلمانوں کواہل علم سے تعلیم حاصل کرنے کی خوب تلقین کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''پس اگرتم نہیں جانتے ہوتو اہل علم سے پوچھو''۔ (نحل:۴۳)

اوراحادیث مبارکہ میں بھی تعلیم وتعلم کی بہت تاکید وترغیب وارد ہوئی ہے ایک حدیث میں آپؐ نے تعلیم حاصل کرنے کوتمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے''۔ (ابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے سیکھنے اور سکھانے کا تاکیدی حکم پوری امت مسلمہ کو نہایت ہی جامع انداز میں دیا ہے کہ: ''(لوگو!) قرآن سیکھواور دوسرے کو سکھاؤ، علم سیکھواورلوگوں سکھاؤ فرض احکام سیکھواورلوگوں کو سکھاؤ''۔ (بیہقی)

آپؐ نے ایک حدیث میں تعلیم وتعلم سے غفلت پر سخت نکیراور بڑی تنبیہ فرمائی ہے کہ: ''میری امت کا وہ شخص خیر کثیر سے محروم ہے جو نہ سیکھ رہا ہواور نہ سکھا رہا ہو''۔

تعلیم دینے والے کی فضیلت:

مذہب اسلام میں علم سیکھنے اور سکھانے کی بڑی اہمیت اور پڑھنے پڑھانے کی بڑی فضیلت ہے، دنیا میں ان دونوں کی بڑی افادیت ہے، ایک حدیث میں ہے کہ درس وتدریس دنیا میں رحمت و برکت کے ذریعے، خصوصی حفاظت کا باعث اور دربار الٰہی میں ذکر جمیل کے موجب ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ”(جان لو کہ) وہ جماعت جو اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (مدرسہ) میں جب بھی آکر اس لیے جمع ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اس کو (سمجھنے کے لیے) پڑھتی اور پڑھاتی رہے تو ایسی جماعت (طلبہ واساتذہ) پر سکینت نازل ہوتی ہے، ان پر رحمت سایہ فگن ہوتی ہے، اس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان کرتے ہیں“۔(مسلم)

اسی طرح دین کا علم سیکھنے اور سکھانے والے، ذکر ودعا کرنے والوں سے زیادہ فضیلت و برتری رکھتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ: ”دوسری مجلس والے علم دین سیکھ رہے ہیں اور بے علم والوں کو سکھا رہے ہیں، پس یہ کہ دوسری مجلس والے پہلی مجلس والوں (ذکر ودعا کرنے والوں) سے افضل و برتر ہیں“۔(ابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تعلیم وتعلّم سب سے زیادہ فضیلت والا کام ہے اور اس کام کو کرنے والے سب سے بہتر ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن مجید (پڑھنا) سیکھے اور (دوسروں کو پڑھنا) سکھائے۔(ترمذی)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ عام لوگوں کو دین کی تعلیم دینے والے استاذ تمام لوگوں حتیٰ کہ عبادت گزاروں سے بھی زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔ چناں چہ آپؐ نے

ایک سوال (بنی اسرائیل کے دو شخص "استاد اور عبادت گزار" میں سے کون افضل ہے؟) کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "اس عالم کی فضیلت جو فرض نماز پڑھ کر لوگوں کو دین کی باتیں سکھانے میں مشغول ہو جاتا ہے اس عابد پر جو دن کو روزے رکھتا اور رات میں عبادت کرتا ہے ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ درجے کے شخص پر ہے۔ (دارمی)

اسی طرح استاذ اپنے کام و مقام کی بنا پر دنیا میں قابل رشک لوگوں میں سے ہے، آپ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ: "(دو قابل رشک میں سے) دوسرا شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے (دین کا گہرا) علم عطا کیا ہو اور پھر وہ شخص اس علم کی روشنی میں حکم و فیصلہ کرتا ہو اور دوسروں کو بھی (دین کا علم) سکھاتا ہو"۔ (بخاری و مسلم)

استاذ دنیا کی چار قابل قدر اور مستحق رحمت چیزوں میں سے ہیں ایک حدیث میں آپؐ نے نہایت ہی بلیغ و مؤثر انداز میں فرمایا کہ: "(لوگو!) غور سے سن لو کہ یہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ سے قریب کرنے والے اعمال خیر اور استاد و طالب علم، اللہ کی رحمت سے دور نہیں ہیں"۔ (ترمذی)

استاذ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے مستحق اور فرشتوں اور دیگر تمام مخلوقات کی دعائے خیر و برکت کے قابل ہیں ایک حدیث میں آپؐ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کے فرشتے، آسمان و زمین والے حتی کہ اپنے بلوں میں چیونٹیاں اور پانی میں مچھلیاں سب اس شخص کے لیے خیر و بھلائی (رحمت، مغفرت اور بلندئ درجات) کی دعا کرتے ہیں جو لوگوں کو دین (اسلام کے علوم و معارف) کی تعلیم دینے والے ہیں"۔ (ترمذی)

اسی طرح استاذ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع دعا کے لائق ہیں، آپؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تر و تازہ رکھے جس نے میری

بات سنی، پھر اس کو یاد کیا اور ہمیشہ یاد رکھا، پھر اس کو جس طرح سنا تھا اسی طرح لفظ بہ لفظ دوسرے لوگوں تک پورا پورا پہنچا دیا"۔ (احمد)

یقیناً استاذ دنیا میں بڑے مقام و مرتبہ والے ہیں اور قیامت کے دن استاذ کو بڑی عزت و عظمت اور شان و شوکت حاصل ہوگی، ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ "(اللہ تعالیٰ اور میرے بعد) لوگوں میں سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے دین کا علم حاصل کیا پھر اس کو لوگوں میں پھیلایا، قیامت کے دن ایسا شخص تنہا ایک امیر و سردار کی حیثیت سے آئے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ایک گروہ کی شان و شوکت کی حیثیت سے آئے گا"۔ (بیہقی)

استاذ کو آخرت میں مجاہد اور حاجی کی طرح بڑا اجر و ثواب ملے گا، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو میری اِس مسجد نبویؐ میں صرف کوئی خیر کی بات سیکھنے یا سکھانے کے لیے آئے تو وہ (ثواب حاصل کرنے میں) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے درجہ میں ہے"۔ (ابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو شخص خیر کی بات سیکھنے یا سکھانے ہی کے لیے مسجد جائے تو اُس کا ثواب اس حاجی کے ثواب کی طرح ہے جس کا حج کامل ہو"۔ (طبرانی)

استاذ کے کام (درس و تدریس) کے اجر و ثواب کا سلسلہ ان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن (اس کی) تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ (موت کے بعد بھی) جاری رہتا ہے ایک چیز صدقہ جاریہ، دوسری چیز وہ علم ہے جس سے

فائدہ اٹھایا جائے اور تیسری چیز نیک وصالح اولاد ہے جو اپنے ماں باپ کے لیے دعاء کرے''۔(مسلم)

استاذ اوران کے کام (تعلیم وتدریس) کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کوسب سے پہلے تعلیم دی اس طرح اللہ تعالیٰ سب سے پہلے معلم اور حضرت آدم سب سے پہلے شاگرد ہیں، اللہ تعالیٰ نے تعلیم کی نسبتِ عالی اپنی طرف قرآن کی متعدد سورتوں (سورۂ بقرہ: ۳۱،۳۲،نساء: ۱۱۳، کہف: ۶۰، رحمٰن: ۳، علق اور نمل: ۱۰) میں مختلف انداز میں فرمائی ہے اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا سب سے امتیازی وصف تعلیم دینے والا (معلم) ہی بیان فرمایا ہے۔(دارمی)

تعلیم دینے والے کے حقوق:

استاذ اپنے کام ومقام کی بناء پر دنیا وآخرت میں بہت زیادہ فضیلت وعظمت اور بڑی شان وشوکت کے حامل ہیں؛ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے بہت سے حقوق ہیں، دین وشریعت کی روشنی میں ان کے حقوق بیان کیے جاتے ہیں ان حقوق کے ادا کرنے کی بڑی تاکید وترغیب ہمیں دلائی گئی ہے۔

ان حقوق میں سے سب سے اہم حق یہ ہے کہ ان کے مقام ومرتبہ کی پوری رعایت کرتے ہوئے ان کا پورا اکرام واحترام اور کما حقہ عزت وتعظیم کی جائے، کیوں کہ استاذ کی حیثیت روحانی باپ کی ہے، ایک حدیث میں آپؐ نے استاذ کی یہ حیثیت متعین کی ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تمہارے لیے والد کے مرتبہ ومنزلت میں ہوں (کیوں کہ) میں تمہیں علم سکھاتا ہوں''۔(ابوداؤد)

استاذ کی یہ حیثیت متقاضی ہے کہ ان کا شایانِ شان احترام کیا جائے، ان کے

سامنے ادب وسلیقہ سے بیٹھا جائے، ان سے نرم لہجہ میں بات کی جائے اور ہمیشہ ہر معاملے میں ان سے تواضع وانکساری والا برتاؤ کیا جائے، ایک حدیث میں استاذ کے سامنے تواضع وانکساری اختیار کرنے کا حکم آپؐ نے یوں دیا ہے کہ: ''علم حاصل کرو اور علم کے لیے متانت اور وقار پیدا کرو، جس سے تعلیم حاصل کرو اس سے خاکساری برتو''۔ یہ حدیث ہم طالبانِ علوم نبوت کے لیے مشعل راہ ہے اور فرمان فاروقؓ ہمارے لیے بصیرت افروز ہے کہ: علم حاصل کرو اس کے لیے مسکنت ووقار بھی سیکھو اور جن (اساتذۂ کرام) سے علم حاصل کرتے ہو اور جن (طلبہ عزیز) کو علم سکھاتے ہو اُن کے لیے تواضع وعاجزی اختیار کرو۔

کیوں کہ علم کے حصول میں تواضع وانکساری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی عزت وعظمت اور رفعت وبلندیٔ درجات کے موجب ہیں، ایک حدیث میں یہ ہے کہ: ''جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو رفعت وعظمت عطا فرماتے ہیں''۔ (کشاف)

تعلیم دینے والے (استاذ) اپنے کام ومقام کی بناء پر اکابرین امت میں ہیں، حضرات انبیائے کرام کے وارث اور علوم نبوت کے ترجمان وشارح، خادم اور امت مسلمہ میں سب سے معزز اور محترم ہیں ایک حدیث میں ہے کہ: ''میری امت کے معزز اور مشرف وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن (علماء وفقہاء اور حفاظ وقراء) ہیں''۔ (بیہقی)

اس لیے حضرات اساتذہ کرام کا اکرام واحترام اور ان کی توقیر وتعظیم کرنا شاگردوں پر لازم وضروری ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید وترغیب بہت ہی موثر انداز میں بیان فرمائی ہے کہ: ''بوڑھے مسلمان، حامل قرآن (عالم وفقیہ، حافظ وقاری اور معلم ومربی) اور عادل ومنصف امام کا احترام واکرام کرنا اللہ تعالیٰ کی

عظمت وجلالت شان میں سے ہے''۔(ابوداؤد)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ان کے ادب واحترام کا صریح حکم دیتے ہوئے آپؐ نے نہایت ہی بلیغ اسلوب میں فرمایا کہ:''حامل قرآن کا احترام کرو جس نے ان کا اکرام کیا اس نے میرا اکرام کیا''۔(کنز العمال)

آپؐ نے ان کی شان میں گستاخی اور ان کی بے عزتی پر سخت نکیر اور بڑی تنبیہ فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت (رحمت الٰہی سے محرومی) کی وعید سنائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:''جس نے ان کی بے عزتی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ترغیب وترہیب پر مشتمل اِن احادیث مبارکہ ہی کی وجہ سے خیر القرون میں حضرات اساتذۂ کرام کی بڑی عزت وتعظیم کی جاتی اور بہت اکرام واحترام کیا جاتا تھا، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کیے گیے ہیں، ان واقعات میں حضرت ابن عباسؓ کا حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ اکرام وتنظیم والا سلوک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے استاذ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا نام آنے پر ادب واحترام کا رویہ ہم تمام کے لیے یقیناً نصیحت آموز اور قابل تقلید ہے۔

استاذ کا دوسرا بڑا حق یہ ہے کہ ہم طالبان نبوت درس ومطالعہ کے سلسلہ میں ان کی ساری ہدایات کو مشعل راہ بنائیں، ان ہدایات کی بجا آوری کو اپنا نصب العین بنائیں اور علم ومعرفت کے تعلق سے ان کے سارے احکامات پر ہم پوری طرح کاربند ہوں ان کو اپنی طاقت بھر بجالانے کے لیے کوشاں ہوں ان کی اطاعت وفرماں برداری، اتباع و پیروی اور تسلیم ورضا کا جذبہ اپنے اندرون میں موجزن رکھیں تاکہ ان کی ہدایت ورہ نمائی کے مطابق طالب علمانہ زندگی گزارنا آسان اور مستقبل تابناک وروشن ہو، کیوں کہ حضرات

علمائے کرام عوام کے لیے عموماً اور طالبان علوم نبوت کے لیے خصوصاً چراغ راہ اور ہدایت ورہ نمائی کے سلسلہ میں ستاروں کی طرح ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ: ''علمائے کرام کی مثال ان ستاروں کی طرح ہے، جن سے خشکی وتری کے اندھیروں میں رہ نمائی حاصل کی جاتی ہے، جب ستارے بے نور ہو جاتے ہیں تو اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ راستہ چلنے والے راستہ بھٹک جائیں''۔(احمد)

حضرات اساتذہ کرام علم ومعرفت اور تجربہ کی وجہ سے بہترین ہادی اور رہ نما ہیں، اس لیے ان کے احکامات وہدایات اور دیگر مفید باتوں پر عمل پیرا ہونا، علم وعرفان کی طلب، برکت ورحمت کے حصول اور علم سے نفع اور فائدہ اٹھانے میں بہت زیادہ مؤثر اور کارگر ہے اور ان کے حکموں کو ماننا، ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان پر خوش رہنا روشن مستقبل کے ضامن ہیں، کیوں کہ حضرات علمائے کرام، اکابر مفسرین خصوصاً حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کے قول کے مطابق ''أولی الأمر'' (سورۂ نساء:۵۹) کے زمرہ میں شامل ہیں اور امت مسلمہ پر اولوا الامر کی اطاعت واجب وضروری ہے اور طالبان علوم نبوت کے لیے اپنے اساتذہ کرام کی بات ماننا خیر کثیر کا باعث ہے، دنیا وآخرت میں فلاح و کامیابی اور نجات وسعادت کا موجب ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کی سورۂ کہف: ۶۰-۸۲ میں مذکور ''قصہ موسیٰ وخضر'' ہم طلبہ کے لیے بہت ہی سبق آموز ہے۔ اس قصہ میں استاذ کی اطاعت کے سلسلہ میں ہمارے لیے بہترین نمونہ واسوہ موجود ہے اطاعت و فرماں برداری کے برعکس ان کی بات کو نہ ماننا، حکم عدولی اور ان کے مشوروں کے خلاف عمل کرنا ہم طلبہ کے لیے نقصان دہ ہے اور تعلیم وتعلم کے سلسلہ میں بے برکتی اور محرومی کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے ہمیشہ اور ہر دور میں استاذ کی نافرمانی معیوب اور مذموم رہی ہے اور دین

اسلام میں استاذ کی بڑی شناخت ہے، قصہ موسیٰ وخضر کے ذکر کے دوران حضرت موسیٰ کی زبانی استاذ کی نافرمانی نہ کرنے کی بڑی مؤثر وبلیغ تاکید وتذکیر قرآن مجید میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: ''حضرت موسیٰ نے ان (حضرت خضر) سے (بطور درخواست) فرمایا کہ کیا میں آپ کے یہاں تابعداری کے ساتھ رہوں تاکہ آپ مجھے اس علم وحکمت میں سے کچھ سکھادیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی طور پر سکھایا گیا ہے اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ ان شاءاللہ آپ مجھے اپنے وعدے پر جمنے اور صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بھی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا''۔ (سورۂ کہف: ٦٦-٦٩)

اساتذہ کرام کی اطاعت مطلوب، محمود اور باعث برکت ہے، دنیا میں کامیابی و نیک نامی کا ذریعہ اور آخرت میں بڑی سعادت اور خاصی عنایت کی موجب ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، ان میں سے قابل ذکر مثال حضرت امام بخاریؒ کی ہے، انہوں نے اپنے استاذ حضرت محمد بن حسنؒ کی بات مانی، علم حدیث حاصل کیا اور ان کی مرتب کردہ کتاب ''صحیح بخاری'' کو قرآن مجید کے بعد تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ قابل اعتماد کتاب کی حیثیت حاصل ہوئی اور عوام وخواص میں یکساں طور پر مقبول ومعروف ہے۔

حضرات اساتذہ کرام کا تیسرا قابل ذکر حق یہ ہے کہ ہم طلبہ ان کی حقیقی حیثیت (روحانی باپ) کو سچے دل سے قبول کریں اور ان کو پورے طور پر روحانی باپ کا درجہ دیں، یقیناً ان کی یہ حیثیت متقاضی ہے کہ ان سے بیٹے کی باپ والی محبت کرکے قربت اختیار کی جائے اور تعلق استوار کیا جائے۔

اساتذۂ کرام سے محبت وتعلق خیر کثیر کا باعث، دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی

کا موجب اور علم ومعرفت کے حصول میں بڑا ہی معاون ہے اس کے برعکس ان سے بغض ونفرت کرنا، دوری وبے تعلقی رکھنا بہت ہی نقصان اور تباہی وبربادی کا پیش خیمہ ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم سے محبت کرنے کی بڑی مؤثر اور بہت جامع تاکید فرمائی ہے اور ان سے بغض ونفرت رکھنے پر بہت سخت وعید وتنکیر کی ہے کہ: ''تم یا تو عالم بنو یا طالب علم بنو یا علم توجہ سے سننے والے بنو یا علم والوں سے محبت کرنے والے بنو (ان چار کے علاوہ) پانچویں قسم کے مت بنو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، پانچویں قسم یہ ہے کہ علم اور علم والوں سے بغض ونفرت رکھو''۔ (طبرانی)

اساتذہ کرام سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو انسان ہی سمجھا جائے ان کی نادانستہ غلطی اور کوتاہی کو معاف کیا جائے، ان کی سختی، خفگی اور پٹائی برداشت کی جائے، ان کی کمی اور خرابی کی پردہ پوشی اور ان کی لیاقت ومہارت اور خوبی واچھائی بیان کی جائے، اس سلسلہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ نے کیا خوب فرمایا کہ: ''انسان پر اپنے استاذ کی مدارات واجب ہے، اس کی تندی وسختی کو برداشت کرلے، استاذ کوئی اچھی بات بتائے یا کسی بری بات پر تنبیہ کرے تو اس کی شکرگزاری ضروری ہے''۔

اسی طرح اساتذۂ کرام کی قربت حاصل کرنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا علم و معرفت کی طلب اور اس میں صلاحیت ولیاقت پیدا کرنے میں بہت زیادہ مؤثر اور کارگر ہے، اس لیے ہم طلبہ کو ان کی صحبت وقربت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیے، کیوں کہ علمائے کرام کی قربت، صحبت اور ان کی مجالس میں شرکت بہت ہی مطلوب ومستحسن اور فائدے والے اعمال ہیں، آپؐ نے کس قدر جامع انداز میں ان کی قربت، صحبت اور ان کی مجالس میں شرکت کی ترغیب وتاکید فرمائی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً روایت

ہے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو اسی (کے پھل) سے دامن بھر لو! حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''علمائے کرام کی مجلسیں (جنت کے باغ) ہیں''۔ (جمع الفوائد)

ان کی قربت وصحبت یقیناً ہم سب کے لیے بڑا ہی کیمیاء اثر اور ان کی مجالس (درس ووعظ) میں شرکت اکسیر اعظم ہے، لیکن ان کی مجالس میں کم بولنا ان کی گفتگو غور سے سننا اور دل ودماغ میں ان کی علم وحکمت پر مشتمل باتوں کو محفوظ رکھنا بہت ہی مفید اور کار آمد اور روشن مستقبل کا ضامن ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا حسین ؓ نے اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کی کہ ''استاد کی صحبت میں خود بولنے سے زیادہ سیکھنے کی کوشش کرو''۔

البتہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ وقت وحالت کی رعایت کرتے ہوئے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں بل کہ علم ومعرفت کے حصول کا یہ ایک بہت ہی اہم ذریعہ اور شریعت میں مطلوب ومحمود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری خواتین کی اس خاص امتیازی صفت کی بڑی تعریف وتحسین فرمائی ہے ایک حدیث میں ہم تمام کو کس قدر بلیغ ومؤثر انداز میں سوال کرنے کی ترغیب فرمائی ہے کہ: ''لاعلمی کا اصل علاج صرف اور صرف سوال کرنا ہے''۔ (ابوداؤد)

لیکن غیر ضروری اور غیر متعلق سوال کرنا سخت منع ہے۔ چناں چہ حضرت معاویہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطہ ڈالنے والے سوال کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

اساتذہ کرام سے محبت وتعلق کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم طلبہ دورانِ طالب علمی اُن کی خدمات کے لیے دل وجان سے تیار اور مستعد رہیں، ان کی خدمت کو اپنی سعادت و

خوش قسمتی سمجھیں، یقیناً ان کی خدمت ہم تمام طلبہ کے لیے بہت ہی فائدہ منداور علم و معرفت کے حصول کے لیے بہت ہی نفع بخش ہے، کیوں کہ ان کی خدمت کرنے سے ان کی خصوصی عنایات، توجہات اور دعائیں طلبہ کو حاصل ہوتی ہیں اور یہ چیزیں طلبہ کے مقاصد میں کامیابی، علوم ومعارف کے حصول میں آسانی اور بلند مدارج ودرجات تک رسائی کی موجب ہیں، یہی وجہ ہے کہ اکابرین امت نے اپنے اپنے دور میں اپنے اساتذہ کرام کی بڑی خدمت کی اور اس خدمت کے طفیل میں بہت زیادہ ترقی حاصل کی اور بڑی مقبولیت پائی ہے۔

تاریخ وسیر کی کتابوں میں اساتذۂ کرام کی خدمت اور اس کی برکت سے حاصل ہونے والی عزت وسعادت کے بڑے واقعات ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے ہونہار شاگرد حضرت معن بن عیسیٰ کو حضرت امام حماد کے شاگرد ارجمند حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کو اور حضرت شبلی نعمانیؒ کے سعادت مند شاگرد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کو جو عزت وعظمت، عروج وترقی اور مقبولیت وہردلعزیزی ملی ہے، اس سے پوری دنیا اچھی طرح واقف اور باخبر ہے۔

اسی طرح فراغت کے بعد حسب استطاعت وحیثیت اساتذۂ کرام کا مالی تعاون کرنا بھی بہت ہی مناسب اور پسندیدہ عمل ہے، چوں کہ اساتذہ کا ہم طلبہ کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بہت بڑا احسان ہے اور احسان کا اچھا بدلہ دینا شریعت میں مطلوب و محمود ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کا اچھا بدلہ دینے کی بڑی مؤثر وجامع تاکید فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”جو تمہارے ساتھ کوئی احسان کرے تو تم ان کے احسان کا (اچھا) بدلہ دو“۔ (ابوداؤد)

تعلیم وتربیت اس دنیا میں بڑا احسان ہے اور اسی بناء پر اساتذہ کرام سب سے بڑے اور سچے محسن ہیں، اس لیے مالی تعاون کرنا ان کا اہم ترین حق ہے، لیکن اساتذۂ کرام اگر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہوں یا طلبہ کے اندر مالی تعاون کی استطاعت نہ ہو تو اساتذۂ کرام کے لیے رحمت، مغفرت اور بلندئ درجات کی دعا کرنا دنیا و آخرت میں ہم طلبہ کے لیے خیر و بھلائی کا باعث ہے، احسان کرنے والے کو مالی بدلہ نہ دے پانے کی صورت میں محسن کے حق میں ''دعائے خیر'' کرنے کا حکم آپ ﷺ نے یوں دیا ہے کہ: ''محسن کو بدلہ میں دینے کے لیے کوئی چیز اگر تم نہ پاؤ تو ان کے لیے (خیر و بھلائی کی) دعاء کرو''۔ (ابوداؤد)

یہی وجہ ہے کہ اکابرین امت اپنے اساتذۂ کرام کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا معمول ہم طلبہ کے لیے بڑا ہی سبق آموز ہے۔ حضرت امام موصوف ہمیشہ اپنے اساتذہ کرام کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے جب بھی کوئی نفل یا فرض نماز پڑھی تو اساتذہ کے لیے دعا ضرور کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم تمام طلبہ کو اپنے اساتذہ کرام کی سچی قدر و عظمت کرنے اور ان کے حقوق کو زیادہ سے زیادہ ادا کرنے والا بنادے، ان کا سایۂ شفقت ہم پر دراز فرمائے، دنیا میں ان کو خوب عزت اور مقام بلند پر فائز فرمائے اور آخرت میں ان کے ساتھ عطاء و بخشش، رحمت ومغفرت اور رفعت وبلندئ درجات کا معاملہ فرمائے۔ آمین

(تعمیر حیات/ دو قسطوں میں۔ خالد فیصل ندوی)

مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

﴿الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیْہِ، وَقَالَ: الٓرٰ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ إِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلَمٰتِ إِلَی النُّوْرِ بِإِذْنِ رَبِّھِمْ إِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾

ہمارے سلف صالحین نے کتاب سے متعلق جو اقوال نقل کیے ہیں اسی کی روشنی میں یہ آیاتِ مبارکہ پڑھی گئیں ہے۔ایک بزرگ کا قول: ''من عظمة الکتاب أن اللہ لــــہ کتــاب '' کہ کتاب کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت کی بھی ایک کتاب ہے یعنی قرآن مجید کتاب اللہ ہے، کلام اللہ ہے، کتاب کی عظمت کے لیے اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔

کم عمری میں عقل کی پختگی:

ایک بزرگ فرماتے تھے: ''الکتاب یھذب الروح ویسن اللسان ویقوم العقل '' کتاب انسان کی روح کو مہذب، زبان کو عمر رسیدہ اور عقل کو پختہ کر دیتی ہے، اس لیے کہ کتابوں کے ذریعہ سے انسان کو چھوٹی عمر میں ایسا علم حاصل ہو جاتا ہے جو بڑی عمر میں جا کر تجربوں سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔آپ سوچئے کہ امام شافعیؒ ۱۳؍ سال کی عمر میں امام شافعیؒ بن گئے تھے اور انہوں نے جامع مسجد میں قرآن مجید کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ ۹؍ سال کی عمر میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے باطن کی نسبت حاصل کر کے اجازت وخلافت پا چکے تھے؛ عمر بن عبد العزیزؒ جب خلیفہ بنے تو کچھ لوگ ان کو مبارک باد دینے کے لیے آئے، ان میں ایک چھوٹی عمر کا لڑکا تھا، اس نے پہلے

آگے بڑھ کر سلام کیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ تم میں کوئی بڑی عمر کا آدمی نہیں ہے؟

اس نے عرض کیا: امیر المؤمنین ! اگر عمر بڑی ہونے پر فضیلت ہوتی تو اس ملک میں بہت سارے لوگ آپ سے عمر رسیدہ تھے وہ خلافت کے اہل ہوتے، تو عمر بن عبدالعزیزؒ اس جواب کو سن کر حیران ہوگیے، امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک چھوٹی لڑکی نے ایسی نصیحت کی کہ میں زندگی بھر اس کو نہیں بھولا۔

ایک مرتبہ بارش تھی، کیچڑ تھا، راستہ میں گذرتے ہوئے قریب سے ایک چھوٹی بچی بھی گذر رہی تھی، میں نے اُس بچی سے کہا کہ بچی! ذرا دھیان سے چلنا' کیچڑ ہے' پھسل نہ جانا، اس نے میری طرف دیکھ کر مجھے پہچانا اور کہنے لگی کہ حضرت! میری تو خیر ہے، میں پھسل بھی گئی تو مجھ ایک کو نقصان ہوگا؛ آپ دھیان سے چلنا، آپ پھسل گئے تو امت کا کیا ہوگا؟ تو چھوٹی عمر میں انسان کا دماغ کتابوں کے علم حاصل ہونے کی وجہ سے پختہ ہوجاتا ہے۔

کتابیں قوموں کی ترقی کا ذریعہ ہیں:

ایک بزرگ فرماتے تھے: ''**قام الإسلام علٰی کتاب ونشات علی کتاب وکل ملة ورائها کتاب** '' اسلام بھی کتاب کے ذریعہ سے پھیلا اور اس کی اشاعت بھی کتاب کے ذریعہ سے ہوئی اور ہر ملت کے پیچھے کتاب ہے، عیسائیوں کے پاس کتاب، یہود کے پاس کتاب، ہم مسلمانوں کے پاس کتاب، ہندوؤں کے پاس کتاب، حتیٰ کہ دہریئے جو بد باطن اور اللہ رب العزت کے دین سے بے زار لوگ تھے ان کے پاس بھی Red Book (سرخ کتاب) تھی تو معلوم ہوا کہ قومیں کتاب کی بنیاد پر ہی ترقی پایا کرتی ہیں، ہمیں اللہ رب العزت نے ایسی کتاب دی جو دنیا میں سب سے زیادہ اعلیٰ کتاب ہے۔

کتاب بہترین ساتھی:

ایک بزرگ فرماتے تھے: ''**وخیر جلیس فی الانام کتاب** ''انسانوں میں سب سے زیادہ اگر بہتر ہم نشیں کوئی ہوسکتا ہے تو وہ کتاب ہے، اگر انسان کے ساتھ ہم دوستی کریں تو وہ کبھی Available ہے اور کبھی نہیں، کبھی اس سے ملاقات ممکن ہے اور کبھی نہیں، پھر کبھی اچھی بات کرے گا کبھی الٹی بات کرے گا، لیکن کتاب ایک ایسا دوست ہے جو بہترین دوست ہے، جب ہمیں ضرورت ہو ہمارے پاس موجود ہے، ہم دن یا رات میں کسی وقت پڑھنا چاہیں وہ تھکتا نہیں اور یہ دوست جب بھی ہمیں نصیحت کرے گا تو یہ اچھی ہی نصیحت کرے گا، اس لیے دار العلوم دیوبند کی لائبریری میں کوئی ایک سے ڈیڑھ لاکھ کتب موجود ہیں، آج کفار نے اپنے یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں کتاب کی بھر مار کر رکھی ہے، چناں چہ کیلیفورنیا کی یونی ورسٹی کی لائبریری میں ۹/لاکھ کتابیں ہیں۔

کتابوں سے محبت اللہ کی نعمت ہے:

''**قال أحدهم** ''ایک بزرگ فرماتے تھے: ''**واللہ انی اسعد الناس لأنی أحب الکتب** ''اللہ کی قسم! میں سب سے زیادہ سعید وخوش نصیب انسان ہوں، اس لیے کہ مجھے کتابوں کے ساتھ محبت ہے، جس طرح اللہ رب العزت کی طرف سے اور نعمتیں بندے کو ملتی ہیں یہ بھی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے کہ کتابوں کے ساتھ موانست ہو جائے، ایسی طبیعت جڑ جائے کہ بندہ کتاب کو دیکھ کر حریص ہو کہ میں اُسے پڑھوں، اس میں کیا ہیرے اور موتی چھپے ہوئے ہیں، جہاں اللہ رب العزت سے مال مانگتے ہیں، آپ اپنی شریکِ زندگی کا حسن وجمال مانگتے ہیں، اولاد کا فضل وکمال مانگتے ہیں، وہاں یہ بھی دعاؤں میں مانگنے والی ایک چیز ہے کہ اے اللہ! ہمیں علم کا شوق عطا فرما، ہماری طبیعت

میں کتاب کے ساتھ مناسبت اور اُنس پیدا فرما، جب یہ ہو جائے گا تو پھر آپ دیکھیں گی کہ آپ کو دنیا میں کسی دوست کی حاجت نہیں رہے گی۔

چناں چہ ''یقول احد العلماء'' ایک عالم یہ کہا کرتے تھے:'' أنا إذا اغلقت بابی مع کتابی لا أفکر خارج الباب '' کہ جب میں اپنی کتاب کے ساتھ اپنے کمرے کے دروازے کو بند کر لیتا ہوں تو مجھے کوئی فکر نہیں ہوتی کہ باہر کیا ہو رہا ہے، گویا کتاب پڑھتے ہوئے وہ اس میں ڈوب جایا کرتے اور وہی ان کی دنیا تھی۔

''ذکر عن العلماء'' بعض علماء کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ''انھم کبروا جیوبھم لحمل الکتب'' کہ وہ اپنے کرتوں میں بڑی بڑی جیبیں بنوایا کرتے تھے، تا کہ ان میں کتابوں کو ڈال سکیں اس لیے کہ ان کی دنیا یہی ہوتی تھی اور وہ ہر وقت اپنی کتابوں کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، جہاں ان کو چند منٹ مل جاتے وہ کتاب پڑھنے بیٹھ جاتے تھے۔

عجیب بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کی اِس عادت کو کافر لوگوں نے اپنا لیا ہے، آج کفار کے بعض ملکوں میں سفر کرتے ہوئے ٹرین میں Sub Way (زیر زمیں راستوں) میں، بسوں میں، مرد اور عورتیں بیٹھی کتابیں پڑھ رہی ہوتی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کی کتابیں ان کے دلوں میں اللہ سے دوری پیدا کرنے والی ہوتی ہیں، مگر ہمارے مشائخ جو کتابیں پڑھتے تھے وہ ان کو اللہ رب العزت کے قریب کیا کرتی تھیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ طبیعتوں میں کتابوں کے ساتھ محبت موجود ہے۔

چناں چہ '' یقول أحدھم '' ایک بزرگ فرماتے تھے '' إذا وجدت کتابًا جدیدًا کأنی اثرت علٰی کنز '' جب میں کوئی نئی کتاب پالیتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے

جیسے مجھے کسی خزانے کی اطلاع مل گئی ہو جیسے انسان کو خزانے کی اطلاع ملے تو وہ خوشی مناتا ہے، کتاب کو دیکھ کر ان کو یوں خوشی ہوتی تھی وہ جانتے تھے کہ اس کتاب سے مجھے علم کے ہیرے اور موتی مل جائیں گے۔

"**بعضهم باع بيته فاشترىٰ كتبا، شكرا لهذا لشان**"بعض ان میں سے ایسے تھے کہ گھر بیچا اور اس کی قیمت سے انہوں نے اپنی کتابیں خریدیں، ان کی اس دانائی پر ہم ان کے شکر گزار ہیں، "**اهدى عالم لملك كتاباً**" ایک عالم نے ایک بادشاہ کو کتاب ہدیئے میں پیش کی، "**وقال**" اور کہا "**لايناسب عظمتك إلا عظمة هٰذا الكتاب**" کہ آپ کے مقام کی عظمت کے مناسب یہی تھا کہ آپ کی خدمت میں یہ اہم کتاب پیش کی جاتی۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "**بعض حمل الكتب علىٰ ظهره و بله المطر**" ہمارے بعض مشائخ ایسے تھے کہ انہوں نے اپنی کتابیں اپنی پیٹھ پر اٹھائی ہوتی تھیں اور موسلا دھار بارش شروع ہوئی، "**و سال الحبر علىٰ ثيابه**" اور کتابوں کی سیاہی ان کے کپڑوں کے اوپر بہہ گئی، "**فقال**" اس موقع پر ان کی زبان سے نکلا تھا "**والله انها اغلىٰ ليلة في حياتي**" اللہ کی قسم! یہ میری زندگی کی سب سے زیادہ مہنگی رات ہے۔

"**كان أحد العلماء يصلي كل ليلة**" بعض علماء ہر رات نماز پڑھتے تھے، "**ثم يتلوا**" پھر تلاوت کرتے تھے، "**ثم يؤلف**" پھر کتاب لکھا کرتے تھے "**ثم يستغفر حتى الفجر**" پھر استغفار کرتے تھے حتی کہ فجر ہو جاتی تھی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معمول تھا کہ ساری رات کبھی اٹھ کر کتاب پڑھتے تھے، پھر چراغ بجھا کر لیٹ جاتے تھے، تاکہ اس میں غور وفکر کر سکیں، پھر اٹھ کر چراغ جلا کر کتاب پڑھا کرتے تھے، پوری رات ان

کی اسی طرح گذر جایا کرتی تھی۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں ''شكرًا لكل اصبع خطت لنا حرفاً لأنها بنت لنا مجدًا'' ہر اس انگلی کے ہم شکر گذار ہیں جس نے ہمارے لیے کوئی حرف لکھا، اس لیے کہ اس نے ہمارے لیے بزرگی کی بنیاد رکھ دی، ہماری امت مسلمہ میں بعض ایسے شہر گذرے ہیں جہاں اتنی کتابیں لکھی گئیں کہ ان کو دار المصنّفین کہا گیا، ''قاذان'' رشیا کا ایک علاقہ ہے، یہ اپنے وقت میں علماء کا شہر و مسکن تھا، سب سے پہلے قرآن مجید کی جو پرنٹنگ ہوئی رشیا کے ''سنٹ پیٹر برگ'' میں وہ یہیں کے ایک بزرگ تھے، جنہوں نے قرآن پاک چھاپا، اس شہر کو دار المصنّفین کہا جاتا تھا اور تورات میں امت محمدیہ کی جو نشانیاں تھیں ان میں سے ایک نشانی یہ بھی تھی کہ یہ امت دین کے اوپر بہت زیادہ کتابیں لکھے گی اور واقعی اللہ جزائے خیر دے علماء کو کہ انہوں نے اس نشانی کو پورا کر دکھایا۔

''القصور تخرب ''محلات منہدم ہو جاتے ہیں،''و الاشجار تذبل ''اور درخت مرجھا جاتے ہیں،''و الناس يموتون ''انسان فوت ہو جاتے ہیں،''الكتاب باق دائم ''کتاب باقی رہنے والی ہے، ہمیشہ رہتی ہے، تو مرنے والوں اور ڈھلنے والوں سے کیا دل لگانا، انسان کو دوست بنانا ہی ہے تو کتاب کو دوست بنائے۔

چناں چہ ایک بزرگ فرماتے تھے: ''تركت الناس لا، لانی خير منهم'' میں نے لوگوں سے ملنا جلنا اس لیے نہیں چھوڑا کہ میں ان سے بہتر ہوں ''و لكن لانی جلست مع الكتب'' بل کہ اس لیے کہ میں تو کتابوں کے ساتھ اپنا وقت گذارتا ہوں، ''وهی خير منی و منهم'' اور یہ کتابیں مجھ سے اور ان لوگوں سے زیادہ بہترین ہیں ''مات العلماء'' علماء بھی وفات پا گئے ''والزعماء'' اور زعماء بھی ''والشعراء و

الحکماء" اورشعراءاورحکماءبھی "و خلدت الکتاب" کتابیں آج بھی موجود ہیں، سوچیے امام بخاریؒ نے بخاری شریف کو Compile (تصنیف) کیا، ان کو فوت ہوئے سیکڑوں سال گذر گئے، آج بھی ہزاروں طلباء پوری دنیا میں بخاری شریف بیٹھ کر پڑھتے ہیں اوراس کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یلوح الخط فی القرطاس دھرًا
وکاتبہ رمیم فی التراب

ترجمہ: کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر مدتوں تک چمکتی رہتی ہے، حالاں کہ خود لکھنے والا مٹی میں مل چکا ہوتا ہے۔

"مع الناس غیبة" انسانوں کے ساتھ غیبت ہے "وحسد "اورحسد یعنی انسانوں کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا شروع کریں تو کوئی غیبت کرنے لگ جائے گا، کوئی حسد کرنے لگ جائے گا، "و مع الکتاب حکمة و رشد" اور کتابوں کے پاس بیٹھو تو ان میں حکمت اور ہدایت ملے گی۔

پھر ایک بات اور بھی ہے کہ " الانسان قد یھم أو یسھو أو سنی إلا الکتاب" کہ انسان کو وہم ہوسکتا ہے اور غلطی ہوسکتی ہے اور بھول ہوسکتی ہے سوائے کتاب کے "فلا وھم ولا سھو ولا نسیان" کہ کتاب کے اندر نہ وہم ہے، نہ سہو ونسیان ہے، "وجدنا من الناس" ہم نے انسانوں کو پایا "من غش" جن میں سے بعض ملاوٹ کرتے ہیں "أو حسد" یا حسد کرتے ہیں "أو اغتاب" یا غیبت کرتے ہیں "أوْ نَمَّ" یا چغلی کھاتے ہیں، "إلا الکتاب" سوائے کتاب کے "فھو محب صادق" یہ تو بس محبت کرتی ہے اور سچی محبت کرتی ہے۔

ہمارے بزرگوں کو کتابوں سے اس قدر محبت تھی کہ "**كان بعضهم ينام بين الكتب من ولهه بها**" کہ ان میں بعض ایسے تھے کہ کتابوں سے محبت کی وجہ سے کتابوں کے درمیان ہی سو جایا کرتے تھے، کتنے حضرات ایسے تھے کہ سوتے تھے تو ان کے سینے پہ کتاب رکھی ہوتی تھی، ایک بزرگ اپنی لائبریری کے اندر بیٹھے کتاب تالیف فرما رہے تھے تو ان کو کتابوں سے Reference (مراجعت) کرنی پڑتی تھی، کبھی ایک کتاب اٹھانی پڑتی، کبھی دوسری، ان کی اہلیہ بھی عالمہ تھیں وہ ان کو Help (مدد) کر رہی تھیں جو کتاب چاہیے وہ جاتیں اور کتاب ڈھونڈ کے لاتیں تو اُن کو تعاون مل رہا تھا اور ان کا وقت بچ جایا کرتا تھا، اللہ کی شان کہ ان کو ایک حدیث پاک ڈھونڈنی تھی بیوی سے کہا کہ فلاں کتاب لاؤ، جب وہ کتاب ڈھونڈنے کے لیے گئیں تو تھوڑی دیر لگ گئی، پوچھا دیر کیوں لگی؟ اتنے میں بیوی آئی تو اس نے ایک چھوٹا بچہ اٹھایا ہوا تھا، کہنے لگیں کہ میں کتاب ڈھونڈنے کے لیے گئی ہوئی تھی اور چوں کہ میں امید سے تھی اسی وقت مجھے یہ کیفیت ہوئی اور بچے کی ولادت ہوگئی چناں چہ میں بچے کو اٹھا کے لائی ہوں، انہوں نے اس بچے کا نام ابن الکتاب رکھا اور یہ بہت بڑے فقیہ بن کر دنیا سے گذرے، اِس سے اندازہ لگائیں کہ کتاب کا اُن کی زندگیوں میں کس قدر غلبہ تھا۔

ایک بزرگ فرماتے تھے "**علم ابنك محبة الكتب**" اپنے بیٹوں کو کتابوں کی محبت سکھاؤ، جیسے اور باتیں سکھانی پڑتی ہیں یہ بھی سکھانی پڑتی ہے، "**ليصبح صالحًا نافعًا**" تاکہ تمہارا بیٹا کل کو نافع اور صالح بنے، "**بالكتاب تصدر في المجالس**" کتاب کی وجہ سے ہی لوگ مجالس کے صدر بنتے ہیں، "**وتقدم في المحافل**" اور محفلوں میں ان کو مقدم کیا جاتا ہے، "**فتوقر من الجميع**" اور تمام لوگوں میں ان کی عزت ہوتی

ہے، وہ کوئی سونے کے بنے ہوئے نہیں ہوتے، ان کی کوئی چار آنکھیں اور دو عقل نہیں ہوتی، عام انسانوں کی طرف انسان ہوتے ہیں، مگر انہوں نے کتابوں سے محبت کے ذریعہ جو علم پایا ہے وہ علم ان کو عزت دلا دیتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے "اجعل مخدتک کتابًا" اپنا تکیہ کتاب کو بنا لے "وسیفک قلمًا" اور قلم کو اپنی تلوار بنا لے "وغدیرک جبرًا" اور اپنے تالاب کو روشنائی بنا لے، کتاب کی خوب صورت بات یہ بھی ہے کہ "الکتاب إذا نمت نام" جب آپ سو جائیں گے تو کتاب بھی سو جائے گی، "وإذا قمت قام" اور جب آپ جاگے تو کتاب بھی جاگ گئی، "یکتم سرک" آپ کے رازوں کو چھپاتی ہے، "ویحفظ عمرک" اور آپ کی عمر کی حفاظت کرتی ہے، "حاول أن تنام والکتاب علی صدرک" کوشش کر! کہ تو سوئے اور تیرے سینے کے اوپر کتاب ہو "وان تسهروا الکتاب بجانبک" اور تو بیدار رہو اور کتاب تیرے پاس ہو۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ "الکتب تطرد العاقبة" کتاب انسان کو برے انجام سے بچاتی ہے، "تزیل النصب" تھکاوٹ کو ختم کر دیتی ہے، ہم نے اپنے مرشد عالمؒ کو دیکھا کہ انہیں اللہ رب العزت کی کتاب "قرآن مجید" سے ایسی محبت تھی کہ سفر سے تھکے ہوئے آتے تھے اور ان کے سامنے کوئی قرآن پاک پڑھنے والے قاری قرآن پاک پڑھ دیتے تھے تو طبیعت تروتازہ ہو جاتی تھی، ایک بزرگ فرماتے تھے کہ "اعتزل مع الدفاتر فغدًا أنت فی المقابر" کہ آج تو کتابوں کے دفتروں کے ساتھ مشغول رہ کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کر، اس لیے کہ تجھے کل قبر میں جانا پڑے گا، وہاں تو اکیلا ہوگا۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ "اذهب الوسوسة بالعسعسة فی الکتب"

ت وا پنے وسوسوں کا علاج کتاب میں مطالعے کے ذریعہ معارف تلاش کرنے کے ذریعہ کر، جو بندہ کتابوں کو پڑھے گا اور اس میں نکات اور معانی کو ڈھونڈتا رہے گا، اسرار ورموز تلاش کرتا رہے گا تو وسوسہ اس کے ذہن میں کہاں آسکے گا، ایک بزرگ فرماتے تھے: ''**من منفعة الکتاب انه أبعدک عن الحاسد**'' کتاب کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ تجھے حاسدوں سے دور رکھتی ہے، ''**بالکتاب تسلم عن الأصحاب**'' کتاب کے ذریعہ آپ لوگوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے تھے ''**من خلا بالعلم لم توحشه الخلوة**'' کہ جو انسان علم کے لیے علیحدگی اختیار کرتا ہے اس کو خلوت کی وحشت نہیں ہوتی، ورنہ تو تنہائی میں انسان کو وقت گذارنا مصیبت ہوجاتا ہے، چناں چہ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ''**بیت بلا مکتبة مقبرة**'' کہ وہ گھر جس کے اندر کوئی مکتبہ نہیں، لائبریری نہیں، وہ تو مقبرہ کے مانند ہے۔ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ''**من کره الکتب**'' جو کتابوں سے ناپسندیدگی کرے، جسے کتابیں ناپسند ہوں ''**و مل القرأة**'' اور پڑھنا بھی اسے ملال پہنچائے ''**وزهد فی العلم**'' اور وہ علم حاصل کرنے میں بھی بے اعتنائی برتے ''**فهو بلید القلب**'' وہ دل کا بے وقوف انسان ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ''**إذا رأیت رجلاً مکبا علی الکتاب**'' جب تو دیکھے کہ کوئی بندہ اپنی کتاب کے اوپر جھکا ہوا ہے ''**فانتظر منه عقلاً ورأیاً**'' تو انتظار کرو، ایسا بندہ عقل اور رائے کی پختہ بات کرے گا، اس لیے کہ اس کے پاس علم ہے، ایک بزرگ فرماتے تھے: ''**لقد احسن الینا من ألف لنا الکتاب**'' اس بندہ نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا جس نے ہمارے لیے کتاب لکھی۔ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ''**کـــــرر**

الکتب حتی تستولی عکلی معلوماتها'' کہ کتابیں پڑھتے رہو، پڑھتے رہو حتی کہ تمہیں ان کی معلومات کا احاطہ ہو جائے، ''**و تطلع علی خبایاها**'' اور تمہیں اس کے اسرار و رموز کا پتہ چل جائے، اس لیے ہمارے بزرگوں نے کہا کہ کچھ کتابیں چکھنے کے لائق ہوتی ہیں، کچھ کتابیں کھانے کے لائق ہوتی ہیں، اور کچھ کتابیں چبانے اور ہضم کرنے کے لائق ہوتی ہیں، تو جس کتاب سے جتنا فائدہ ملے اس کتاب کو اتنا زیادہ پڑھیے۔

''**قیل لاحد العلماء و کان مکبا علی کتابه ماذا تفعل ؟**'' ایک عالم اپنی کتاب پر جھکے مطالعہ کر رہے تھے ان سے پوچھا گیا کہ کیا کر رہے ہو؟ ''**قال: اصقل عقلی**'' کہنے لگے کہ میں اپنی عقل کو پالش کر رہا ہوں، ''**جزی اللہ خیراً من أراح المسلمین من شره**'' اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے جس نے مسلمانوں کو اپنے شر سے بچایا ''**و جلس فی بیته یطالع کتابًا**'' اور وہ اپنے گھر میں بیٹھا کتاب کا مطالعہ کرنے کے لیے، یعنی جب ہم بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اللہ کے بندے ہمارے شر سے بچ جاتے ہیں۔

''**تنقل من کتاب إلیٰ کتاب إذا أردت الطواف فی الدنیا**'' اگر تو دنیا کے اندر طواف کرنا چاہتا ہے تو ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل ہوتے رہو، کبھی قرآن پاک پڑھ لو، طبیعت میں تھکاوٹ ہو تو حدیث پاک پڑھ لو، پھر طبیعت میں تھکاوٹ ہو تو بزرگوں کے حالات زندگی کی کتاب پڑھ لو، یہ ایک کتاب سے دوسری کتاب کی طرف منتقل ہونا یہ دنیا کا طواف ہے۔

''**قال رجل لأحمد بن حنبل**'' امام احمد بن حنبلؒ سے ایک بندہ نے کہا: ''**إنی إذا سافرت استوحشت**'' میں جب سفر کرتا ہوں تو مجھے بہت وحشت ہوتی ہے،

''فقال له'' امام صاحب نے فرمایا ''علیک بالکتاب'' کہ تم کتاب کو اپنے پاس رکھا کرو، اس کو ساتھ رکھ کر اگر سفر کرو گے تو تمھیں کوئی وحشت نہیں ہوگی، ''کان العقاد'' عقاد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا'' إذا زاره صدیق'' جب ان کو ملنے کے لیے کوئی دوست آتا ''اعطاه کتابًا'' وہ اس کو کتاب دیتے ''و قال'' اور کہتے ''حتی نقرأه ''آؤ بیٹھ کر اس کو پڑھتے ہیں۔

''سجن ابن تیمیة '' علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں بند کر دیا گیا ''فختم القرآن ثلاثا وثمانین مرة'' انہوں نے جیل کے اندر ۸۳/مرتبہ قرآن پڑھا، ''والف ثلثین مجلدًا فی الفتاویٰ '' اور انہوں نے فتویٰ کی ۳۰/جلدیں جیل کے اندر رہ کر لکھیں، چناں چہ آخری عمر میں ان کو ایک کنویں میں بند کر دیا گیا تھا بعد میں لوگوں نے دیکھا کہ کنویں کے ذریعہ کنویں کی دیواروں پہ کچھ Hints (اشارات) لکھے ہوئے ہیں، جب ان سب کو جمع کیا گیا تو یہ ابن تیمیہؒ کی زندگی کی آخری کتاب بن گئی۔

''قام ابن خلدون خمسة اشهر فی حصن'' ابن خلدون نے قلعہ کے اندر ۵/مہینے قیام کیا ''فألف المقدمة التی هزت الدنیا'' اور اسی دوران انہوں نے اپنی کتاب کا مشہور زمانہ ''مقدمہ'' لکھا جس نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، ''ذهبت الدول و بقیت الکتاب'' حکومتیں چلی گئیں اور کتابیں آج بھی موجود ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے تھے: ''ابنک الذی لم تحبب إلیه العلم'' تیرا وہ بیٹا جس کو تو نے علم کی محبت نہیں سکھایا، ''وقرائة الکتب'' اور کتابیں پڑھنے کا اس کو شوق نہیں ''لاتعجب إذا عقک'' تجھے تعجب نہیں ہونا چاہیے اگر وہ تیری نافرمانی کرے، اس لیے کہ وہ جانور ہے اور جانور تو ٹکر مار ہی دیا کرتا ہے، اس سے کیا شکوہ، اس لیے ذرا توجہ سے یہ

بات سنیں کہ ہمیں اپنے آپ کو کتاب سے محبت کرنے والا بنانا ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ مطالعہ خوب کریں، جب وقت فارغ ہو، گھر میں آپ کام سے ۵/منٹ فارغ ہوئے دس منٹ فارغ ہوئے، ۱۵/منٹ فارغ ہوئے فوراً کتاب پکڑیں اور تسلی سے بیٹھ کے پڑھنا شروع کریں۔

کہنے والوں نے کہا" **یا عشاق العیون السوداء** "اے کالی آنکھوں سے عشق کرنے والو!" **الخدود**" اور خوب صورت رخساروں سے محبت کرنے والو! "**والقدود**" اور لمبے قد سے محبت کرنے والو!"**خسرتم**" تم نے خسارہ اٹھایا، "**الکتب أجمل**" کتابیں بہت زیادہ خوب صورت ہیں، لہٰذا ہم کتابوں سے اپنا دل لگائیں یہ بہت اعلیٰ محبوب ہیں، دنیا اور آخرت کی سعادت کا ذریعہ بنتی ہیں، اس لیے اب بات کو مکمل کرتے ہوئے یہ عاجز چند اشعار سناتا ہے

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا　　مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا
کسی کو مال وسیم وزر ہمیں علم وہنر بخشا　　اسی پر مرمٹیں گے ہم بھلادیں گے وطن اپنا
سیاحت کا جسے ہے شوق پھرتا ہے وہ شہروں میں　　کتب بینی ہے سیر اپنی کتابیں ہیں چمن اپنا
ہم اپنی دھن کے پکے ہیں اور اپنے عشق میں کامل　　بنا سکتا نہیں کچھ بھی کبھی دار و رسن اپنا
ہمارا علم سے ہے عشق وہ لیلیٰ ہے ہم مجنوں　　اسی پر ہیں فدا مغز و دل وچشم و دہن اپنا

دعا ہے اللہ رب العزت ہمیں اپنے قرآن اور نبی علیہ السلام کے فرمان کی ایسی سچی محبت عطا فرمائے کہ پوری زندگی انہیں کتابوں کے پڑھنے اور علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں گذر جائے اور کل قیامت کے دن اللہ رب العزت طالب علموں کی قطاروں میں ہمیں بھی کھڑا فرمالے۔ (ماہنامہ "ہدایت" جے پور۔ تقریر حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی)

فقط علم نہیں.......!!!

کتاب کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ایک انگریز مفکر ''کارروائل'' کہتے ہیں کہ: ''کتاب دماغ کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے جسم کے لیے غذا ضروری ہے''۔

سقراط کا تجزیہ ہے کہ جس گھر میں کتاب نہ ہوں وہ گھر اُس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو۔

انگریز مفکر مارکولس اور پیلس کی وصیت یہ ہے کہ ''اپنے اردگرد کتابوں کا حصار قائم کرلو یہ تمہیں تنہائی کے شدائد سے محفوظ کردے گا''۔

غیر مسلم دانشور ''آسٹن فیس'' مزید زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''کپڑے چاہے پرانے پہنو لیکن نئی کتابیں ضرور خریدو''۔

شاعر مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

وہ حکمت کے خزانے وہ کتابیں اپنے آباء کی
جو جا دیکھے یورپ میں دل ہوتا ہے سی پارہ

علم کتاب سے آتا ہے، اس میں پختگی ادب سے آتی ہے تو یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اگر کتاب ہو اور کتاب کا ادب نہ ہو تو علم بے ثمر ہوگا۔ اس علم کا کوئی فائدہ نہیں یہ علم لا حاصل ہے۔ اس وقت ہر ایک کے پاس علم ہے لیکن وہ ذوق جو پہلے ہوا کرتا تھا اس وقت اہلِ مدارس سے نکلتا جارہا ہے پہلے زمانہ میں کتابوں کی قلت ہوتی تھی لیکن لوگوں میں ذوق اور جذبہ تھا۔

جہاں کسی نئی کتاب کا نام سنتے تو راتوں رات وہاں پہنچ جاتے تھے۔اس کتاب کو یاد کر لیتے یا اس کو چادر یا دوسرے کپڑوں پر لکھ لیتے کیوں کہ وہ اس کا ذوق رکھتے تھے، جب کہ اِس وقت کتابوں کی فراوانی ہے لیکن لوگوں میں وہ ذوق نہیں رہا جو پہلے لوگوں میں ہوتا تھا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے چشمہ کا پانی ہو،لیکن منہ کڑوا ہو تو اس پانی کو پینے میں مزا نہیں آئے گا۔

آج کل اسی طرح کتابوں کے انبار لگے ہوئے ہیں لیکن لوگ ہاتھ تک نہیں لگاتے ،طلبائے کرام تو بس !درس کا سماع کر کے اس پر اکتفا کر لیتے ہیں کیوں کہ امتحان میں شروحات کی بھرمار ہوتی ہے جن سے استفادہ کیا جاتا ہے؛ اسی طرح خارجی مطالعہ تو طلبہ کرتے ہی نہیں ایک تو ان کے پاس کتابیں نہیں ہوتی ہیں اگر ہوتی بھی ہیں تو ڈائجسٹ اور افسانے۔

کتابیں خریدنے کا رجحان طلبہ میں اس وقت کم ہوتا جا رہا ہے، کیوں کہ دیگر اخراجات زیادہ ہو گیے ہیں جیسے چھالیا (تمباکو) پان،نسوار،موبائل میں ایزی لوڈ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے طالب علم اپنا مقصد کھو بیٹھتے ہیں، اگر ان خرابیوں کو چھوڑ دیں اور ان پیسوں سے کتابیں خرید لیں تو سال کے آخر میں ان کے پاس بڑا کتب خانہ نہ صحیح چھوٹا کتب خانہ ضرور تیار ہو سکے گا۔

علم کو تو حاصل کیا ہے لیکن اس علم کا ادب نہیں کیا جاتا۔ کتاب اور استاذ یہ وہ چیزیں ہیں جو آہستہ آہستہ اہل مدارس سے نکلتی جا رہی ہیں اسی بنا پر ان طلباء اور علماء سے وہ فیض حاصل نہیں ہوتا جو ایک صدی پہلے ہوا کرتا تھا۔

زمانہ کے ایک مشہور محدث امام ابو ایوب سلمان بن داؤد شاذ کوفی رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال کر رہے ہیں کہ حضرت آپ کے ساتھ اللہ رب العزت نے کیا معاملہ فرمایا؟ آپ نے جواب دیا کہ ''اللہ نے میری مغفرت فرما دی''۔ پوچھنے والے نے پوچھا وہ کیسے!؟

آپ نے فرمایا: ''ایک دفعہ میں اصفہان جا رہا تھا میرے ہاتھوں میں چند کتابیں تھیں (اس وقت سفر پیدل ہوتا تھا) اچانک رات کے وقت بارش شروع ہوئی تو کہیں مجھے دیوار کی آڑ اور درخت نظر نہ آیا تو میں نے کتابوں کو بارش سے بچانے کے لیے ان پر تمام رات جھکا رہا۔ بارش رات بھر جاری رہی، اللہ رب العزت نے میرے اس عمل کو قبول فرمایا اور مجھے جنت عطا فرمائی''۔

اُس وقت کے علماء اور طلباء کتابوں کا یوں ادب فرماتے تھے اور وہ علم کی طرف مکمل متوجہ ہوتے تھے تب ان کو علم نے بہت کچھ دیا۔ کہتے ہیں کہ علم بڑا بخیل ہے تم پورا اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو تب وہ تمہیں اپنا تھوڑا سا حصہ دے گا تو جب کتاب کا ادب کیا جائے گا تب کوئی مقام و مرتبہ اللہ رب العزت عطا فرمائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ طالب علم تھے اس وقت ان کے ادب کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے استاذ کے گھر کی طرف پاؤں نہیں کرتے تھے۔

ان کے بارے میں مصنفین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کمرے میں بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ باہر بچے کھیل رہے تھے، بچے جب ان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے تو حضرت ادب سے کھڑے ہو جاتے۔

ان سے کسی نے پوچھا: کہ حضرت آپ اپنے مطالعہ وغیرہ کو چھوڑ کر بڑے ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں، اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے استاذ کے بچے ہیں، میں یہ گوارہ نہیں کرسکتا کہ میرے استاذ کے بچے میرے پاس سے گذریں اور میں بیٹھا رہوں۔

ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتے ہیں کیا ہمارے اندر وہ ادب ہے جو ایک طالب علم اور معلم کے لیے ہونا چاہیے۔ اگر ہے تو اُس پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر ادب کا فقدان ہے تو ہمیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ ہمارے اندر یہ کمی کیوں آئی؟ اُن کے اسباب کو تلاش کر کے انہیں اپنی زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اور اسلاف کی سوانح پڑھ کر اُن پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اللہ ہمیں اپنے اسلاف کی زندگی کا مطالعہ کرنے اور ان کے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(نذیر الحق کاکڑ)

قاری صدیق احمد باندوی رحؒ کی طلبہ کو قیمتی نصائح

دینی مدارس میں علم دین حاصل کرنے والے طلبہ کا مقام ومرتبہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم مہمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو لہٰذا اس نسبت کا ہر وقت خیال رکھو، ہر چیز اور ہر کام میں سنت کو مقدم رکھو، تاکہ فرائض میں پختگی پیدا ہو جائے۔

میرے بھائی! کبھی مدرسہ کے نظام میں مداخلت نہ کرو جو طلبہ مدارس کے نظام میں دخل اندازی کرتے اور ذمہ داران مدرسہ کو پریشان کرتے ہیں، آئے دن کھانے اور سونے پر ہنگامہ کرتے ہیں خدا کی قسم وہ کبھی دین کے کام میں نہیں لگتے، بل کہ ان کی عمر یوں ہی ضائع ہو جاتی ہے۔

مدارس کے ذمہ داران کی قدر کرو کہ انہوں نے تم کو کسب معاش سے یکسو کر دیا ہے۔ اب ایسی شکل میں نہ پڑھنا میرے بھائی بڑی محرومی کی بات ہے، فرماتے! مگر افسوس آج کل طلبہ کھانے پہننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، میرے بھائی وقت کی قدر کرو، یہ لمحات پھر زندگی میں نہیں آئیں گے۔ (پیغام محمود: ص ۲۴۳)

باب چہارم

حصولِ علم میں مصائب برداشت کرنا

علم کے لیے مشقتوں کو برداشت کرنا

طالب علم کو چاہیے کہ علم حاصل کرنے میں جو مشقتیں آئیں ان کو برداشت کرے اور اکابر کی زندگی کو سامنے رکھے کہ انہوں نے کس طرح مشقتیں جھیلیں جس کی وجہ سے دین ہم تک پہونچا یہ بات علم کے ساتھ جزو لاینفک کی طرح ہے کہ علم کے ساتھ مشقتیں اسی طرح لازم ہے جس طرح پھولوں کے ساتھ کانٹے لازم ہیں کسی نے کہا ہے: ''لکل شیء آفة وللعلم آفات'' ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی ایک آفت ہے اور علم کے لیے کئی آفتیں ہیں اس لیے طالب علم کو چاہیے کہ اس سے گھبرائے نہیں بل کہ جواں ہمتی سے برداشت کرے اور جمارہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد مبارک ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ کہ محنت ومشقت برداشت کرنے والوں کے لیے راستے کھل جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''انما اجرک علیٰ قدر نصبک'' ''تمہارا اجر تمہاری مشقت کے بقدر ہوگا کسی چیز میں مہارت بغیر مشقت ومحنت کے ناممکن ہے تو جس قدر مشقت ہوگی اس قدر مہارت بھی ہوگی گویا ''جس قدر گڑ ڈالیں گے اتنا ہی میٹھا ہوگا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: ''من جد فوجد'' ''جس نے محنت کی اس نے اپنا مقصود پالیا مقولہ ''من طلب شیئا وجد فوجد ومن قرع الباب ولج ولج'' ''جو کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور اس کے لیے محنت کرتا ہے تو وہ پا ہی لیتا ہے اور

جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور کھٹکھٹاتا ہی رہتا ہے تو وہ اس میں داخل ہو ہی جاتا ہے۔
(تعلیم المتعلّم :ص ۲۹)

یحی بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم تن پروری سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔
(جامع بیان العلم ج ۱/ص ۱۰۹، اوجز المسالک :ص ۷۹)

بعض حکماء سے منقول ہے: اے طالب علم! اگر تو حصول علم کی مشقت کو برداشت نہ کرے گا تو تجھ کو جہل کی مشقت برداشت کرنا پڑے گی۔ (الفقیہ والمتفقہ :ص ۱۰۳)

افلاطون سے منقول ہے: کہ جو علم کے لیے تھکن کو برداشت کرتا ہے وہ صاحب شرافت ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ :ص ۱۰۳)

علم کے لیے مشقت برداشت کرنا بہت بڑی بات ہے حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سفر تعلم میں کہا: ''**لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا**'' تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم کے سفر میں مشقت آتی ہی ہے اور وہ تھکن سے خالی نہیں ہوتا۔ کسی دوسرے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات ثابت نہیں کہ کیوں کہ علم ایک مہتم بالشان کام ہے اور اکثر علماء کے ہاں جہاد سے افضل ہے۔ پس جو شخص اس تکلیف، تھکن اور مشقت کو برداشت کرے گا وہ تمام دنیا کی لذتوں سے زیادہ لذت محسوس کرے گا اسی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ جب راتوں کو جاگا کرتے تو فرمایا کرتے تھے: بادشاہوں کو کہاں یہ لذتیں نصیب ہوتی ہیں۔
(تعلیم المتعلّم :ص ۵۸)

افلاس وقلت اسباب:

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں، تیس برس تک ان کے پاس بستر نہیں رہا اس لیے چٹائی پر سوتے رہے۔ (آداب المتعلّمین :ص ۸۴)

امام طبرانی کی وسعت معلومات کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا: آپ کو اس قدر معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟ امام ممدوح نے فرمایا کہ جان عزیز: تیس برس تک میری کمر نے چٹائی کے سوا اور کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔ (آداب المتعلمین :ص ۲۵)

امام احمد بن حنبل کے حالات میں ہے کہ جس وقت وہ مکہ مکرمہ میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے پاس پڑھتے تھے ان کے رفقاء کا بیان ہے کہ ایک دن خلاف معمول وہ درس میں نہ آئے۔ سب کو تعجب ہوا کیوں کہ وہ ناغہ نہ کرتے تھے۔ حال دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کپڑے چوری ہو گئے تھے نہ کوئی اور جوڑا تھا اور نہ پیسے تھے کہ جوڑا خریدیں۔ علی بن جہم اس واقعے کے راوی ہیں کہتے ہیں: میں نے امام کی خدمت میں اشرفی پیش کی اور کہا: چاہے بطور ہدیہ قبول کر لیجیے یا بطور قرض لیکن انہوں نے انکار کیا تب میں نے ان سے کہا: میرے لیے کچھ کتابت کر دیجیے، اس کے معاوضہ میں اس کو لے لیجیے اس پر راضی ہوئے۔ علی بن جہم نے بطور تبرک اس مخطوطہ کو رکھا ہوا تھا اور لوگوں کو دکھاتے تھے اور ساتھ ہی اس کے لکھنے کی وجہ بیان فرماتے تھے۔ (ابن عساکر بحوالہ آداب المعلمین :ص ۸۵)

ایک شخص نے ابو العلاء ہمدانی کو بغداد میں دیکھا کہ مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلند تھا کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے یعنی چراغ کے تیل کے لیے پیسے نہ تھے۔
(آداب المعلمین :ص ۹۳)

ابو المنصو ر فارابی زمانہ طالب علمی میں اتنے تہی دست تھے کہ چراغ کا تیل نہیں خرید سکتے تھے کہ رات کو پاسبانوں کی قندیلوں کی روشنیوں میں مطالعہ کرتے تھے۔
(آداب المعلمین :ص ۹۳؛ حصول علم کے آداب :۴۷-۸۶)

فقر و فاقہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے کہا: آپ کثرت سے روایت کرتے ہیں (یعنی ابوہریرہ بعد میں مسلمان ہوئے لیکن احادیث زیادہ روایت کرتے ہیں) تو فرمایا: میرے مہاجرین بھائی بازاروں میں، انصاری بھائی تجارت وغیرہ میں مشغول رہتے تھے اور ابوہریرہ بھوکے پیٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پڑا رہتا تھا اور ان مجلسوں میں حاضر ہوتا جس میں یہ لوگ حاضر نہ ہوتے تھے۔

(جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۶)

امام ابو یوسفؒ فرمایا کرتے تھے: ہم نے اور ہمارے ساتھ بے شمار آدمیوں نے طالب علمی کی، مگر فائدہ انہی کو پہنچا جن کے دل دہی سے پک گئے۔ اس کے بعد واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھر میں بہت سویرے روٹی تیار کر دی جاتی تھی اور اس پر دہی لگا دیا جاتا تھا اسی کو کھا کر درس میں چلے جاتے اور وہاں سے واپس آ کر پھر اسی کو کھا لیتے۔ کھانے کے شوقین اچھے اچھے کھانے کے انتظام میں رہتے اور علم کے بہت سے حصہ سے محروم رہ جاتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۷)

حضرت مولانا نور الحسن صاحب (شیخ کے اجداد میں ایک بزرگ ہیں) کے پاس سورت سے مولوی محمد سورتی شہرت سن کر پڑھنے کے لیے تشریف لائے۔ کئی نوکر بہت کچھ سامان ان کے ساتھ تھا۔ نہایت عمدہ مکان کرایہ پر لیا اور شان و شوکت سے رہنے لگے۔ روزانہ لباس تبدیل کر کے سبق کے لیے آتے، ملازم کتاب لیے ساتھ ہوتا

تھا، اسی طرح چند روز گزرے۔

حضرت مولانا نے جب اُن کو ذکی اور ہونہار پایا تو ایک دن فرمایا: صاحبزادے! باپ کی دولت کو اس طرح ضائع نہ کرو اگر علم حاصل کرنا ہے تو یہ کپڑے اور پیالہ لو اور مسجد میں دیگر طلباء کے ساتھ رہو، کھانا دو وقت کا گھر سے مل جایا کرے گا اگر یہ نہیں ہوسکتا تو بیکار وقت اور دولت دونوں خراب نہ کرو، اس شان وشوکت کے ساتھ علم دین کی دولت ہاتھ نہیں آسکتی۔ انہوں نے پیالہ اور کپڑے ہاتھ میں لیے اور مسجد میں چلے گئے ملازمین اور تمام سامان گھر بھیج دیا۔ (آپ بیتی: ج۶/ص۴۸)

اس میں چند باتیں ہیں علم ناز و نعم سے حاصل نہیں ہوتا دوسرے استاد کی بات ماننا اور اپنے تمام کام استاد کے سپرد کردینا۔

امام مالکؒ کا قول ہے کہ علم حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی راہ میں فقرو فاقہ کی لذت نہ چکھی جائے۔ اپنے استاد ربیعہ کی غربت اور مصیبت بیان فرمایا کرتے تھے: امام ربیع اس قدر نادار ہوگیے تھے کہ ان کو گھر کی چھت تک فروخت کرنا پڑی۔ ان کی غذا یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے گھوڑے (کچرا پھینکنے کی جگہ) پر سے پڑی ہوئی کشمش چن چن کر اس کو صاف کر کے کھالیا کرتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۱۶)

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے فاقہ کے ساتھ علم حاصل کیا اس کو فہم نصیب ہوا۔ (الفقیہ والمتفقہ: ص۹۴)

ابن وہاب سے منقول ہے کہ مالک بن انس فرمایا کرتے تھے: کوئی بھی جب تک فاقہ برداشت نہ کرے اور تمام چیزوں پر علم کو ترجیح نہ دے اس علم کے مطلوبہ درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ (الفقہ والمتفقہ: ص۹۴)

علامہ ابن جوزیؒ نے اپنے طالب علمی کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: صبح اور شام اس طرح گزرتی تھی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق کی احسان مندی سے بھی بچالیا۔ (آداب المتعلمین: ص ۸۶)

حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہؒ کے یہاں علم حاصل کرنے جانے لگے تو ان کی والدہ نے سو روٹیاں پکا کر دیں تھیں۔ جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے تھے روزانہ ایک روٹی پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور تعلیم حاصل کرتے جس روز روٹیاں ختم ہوگئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔

(آداب المتعلمین: ص ۹۱؛ حصول علم کے آداب: ص ۷۸، ۷۹)

علم کی خاطر اسلاف کی قربانیاں

علمائے اسلام نے تحصیل علم میں بڑی جاں فشانی سے کام لیا اور علوم نبوت حاصل کرنے میں انہیں کئی کٹھن مراحل سے گذرنا پڑا، حصول علم کے لیے انہوں نے برکو چھوڑا نہ بحر کو، تکالیف کو دیکھا نہ راحت کو، سختی کو دیکھا نہ نرمی کو، گرمی کو دیکھا نہ سردی کو، بھوک کو دیکھا نہ پیاس کو، مصائب کو دیکھا نہ آلام کو، غرض ہمہ وقت اپنے تن من دھن کو تحصیل علم میں کھپایا، سختیاں جھیلیں، تکالیف برداشت کیں اور فقر فاقہ اٹھایا۔ حتی کہ انہیں اپنے تن کے کپڑے بیچنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا۔ مگر یہ تکالیف اور صعوبتیں تحصیل علم میں رکاوٹ نہ بنیں۔ بل کہ ان کو جھیل کر ہمہ وقت تحصیل علم میں منہمک رہے، اور ایک ایک حدیث سیکھنے کے لیے نہ جانے کتنے کتنے سفر کیے تاریخ اُن واقعات سے بھری پڑی ہے۔

طلب علم کے لیے دور دراز کا سفر:

حضرت جابر بن عبداللہ صرف ایک حدیث کے لیے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس ملک شام گئے اور مسلسل ایک مہینہ سفر کرنے کے بعد پہنچے۔ جب ملک شام آ کر ان کے دروازے پر پہنچ گئے تو ان کے دربان سے کہا کہ عبداللہ بن انیس سے کہو کہ باہر دروازے پر جابر کھڑا ہے، اس نے کہا عبداللہ کے بیٹے! اس نے کہا جی ہاں! حضرت عبداللہ بن انیس خبر ملتے ہی باہر تشریف لائے اور مجھے گلے سے لگایا اور حدیث سنائی۔ (بخاری شریف)

مشہور تابعی مسروق بن اجدع ہمدانی نے صرف ایک حرف معلوم کرنے کے لیے مستقل سفر کیا۔

حضرت حسن بصری نے ایک مرتبہ صرف ایک حرف معلوم کرنے کے لیے سفر کیا

حضرت شعبی مشہور تابعی ہیں، ان کے سامنے تین حدیثیں بیان ہوئیں، تو محض ان کی تحقیق میں کوفہ سے مکہ مکرمہ تک کا سفر کیا، شاید کوئی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مل جائے جن سے احادیث کی تحقیق ہو سکے۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ انہوں نے مکحول کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''میں نے طلب علم کی راہ میں تمام دنیا کا چکر لگایا''۔

سعید بن مسیّب کہتے ہیں، میں بسا اوقات ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں سفر کیا کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کو مصر سے خراسان کی طرف سفر کرتے کرتے سخت پیاس کی وجہ سے پانچ بار اپنا پیشاب پینا پڑا۔

ابو حاتم رازیؒ کہتے ہیں کہ: ''میں طلب حدیث میں باہر نکلا'' سفر کرتے کرتے سات سال کا عرصہ ہوا اور ہزاروں فرسخ پیدل سفر کیا، بارہا کوفہ سے بغداد اور مکہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: میں ۱۴ رسال کی عمر میں طلب حدیث کے اندر مشغول ہوا۔ ۱۸۳ھ میں کوفہ کا پہلا سفر کیا، پھر بصرہ کا، پھر سفر کرتا ہوا سفیان بن عیینہ کی خدمت میں پہنچا، پھر صنعاء یمن کا سفر کرتا ہوا، بالآخر یحییٰ ابن معین کی خدمت میں حاضر ہوا۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کی شخصیت سے کون واقف نہیں ہوگا۔ انہوں نے اطراف عالم میں سفر کرتے کرتے ایک ہزار سے زائد علماء ومشائخ سے استفادہ کیا ہے۔

امام حدیث یحی ابن معین کو والد محترم کی میراث سے پچاس ہزار درہم ملے انہوں نے سب علم حدیث پر خرچ کردئے ''حتی لم یبق له نعل یلبسه'' حضرت یحی ابن معین نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں ،لہذا جب انہوں نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کیا تو پہلی ہی منزل پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خواب میں فرمایا، ہمارے قرب کو چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ چناں چہ وہ واپس مدینہ منورہ لوٹے اور تین دن کے بعد رحلت فرماگیے''۔

حافظ ابو القاسم سلیمان احمد طبرانی (صاحب معاجم ثلاثہ) طلب حدیث میں ۳۳ ر سال گھومتے پھرتے رہے اور ایک ہزار مشائخ سے علم حاصل کیا۔ (رحمت کائنات)

ابن مقری نے ایک نسخہ ابن فضالہ کی خاطر ۸۴۰ ر میل کا سفر کیا۔

حافظ ابوعبداللہ اصفہانی نے طلب حدیث کے لیے ۱۲۰ ر مقامات کا سفر کیا۔

امام شعبی سے کسی نے پوچھا آپ کو اتنا زیادہ علم کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ چار باتوں کی وجہ سے:

(۱) کسی کاپی یا کتاب پر بھروسہ میں نہ رہنا۔ (۲) طلب علم کے لیے گھومنا۔ (۳) جمادات کی طرح صبر سے کام لینا۔ (۴) کوے کی مانند صبح سویرے اٹھنا۔

طلب علم میں فقر وفاقہ:

اہلِ علم نے تحصیل علم میں انتہائی عسرت وتنگ دستی کی زندگی گذاری اور فقر و فاقے برداشت کیئے۔ یہ فقر وفاقہ ان حضرات کا خاص وصف اور پہچان بن گیا، چناں چہ کہا جاتا ہے کہ ایک صاحب علم نے فقر وفاقہ اور افلاس سے پوچھا کہ تیرا ٹھکانہ اور مسکن کہاں ہے؟ تاکہ میں اس سے دور رہوں، افلاس ان سے کہتا ہے کہ میں آپ کا جلیس ہوں

مصاحب وہمدم ہوں۔آپ کو چھوڑنا اور داغ مفارقت دینا بھلا کیسے ممکن ہے شاعر نے اس بات کو اشعار میں یوں بیان کیا ہے

قلت للفقر أين انت مقيم؟ قال لی فی عمائم الفقهاء
ان بينی بينهم لاخا و عزيزی علی قطع الاخا

(صفحات من صبر العلماء)

امام مالکؒ اور فقر وفاقہ:

ابن القاسمؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کی زندگی میں بسا اوقات ایسا وقت بھی آیا ہے کہ انہیں مجبوراً اپنے گھر کی چھت کو توڑ کر اس کی کڑیوں کو بیچنا پڑا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خوش حالی اور آسودگی سے نوازا۔ قاضی عیاضؒ نے امام مالک کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے کہ ”جب تک آدمی فقر وفاقہ کا ذائقہ نہ چکھے علم نہیں آتا“۔

امام شافعی کی غربت ونا داری:

حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب ”الانتقاء فی فضائل الثلثة لائمة الفقهاء“ میں امام شافعیؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں بہت چھوٹی عمر میں طلب حدیث کے اندر مشغول ہو گیا (اس وقت ان کی عمر ۱۳/سال سے بھی کم تھی) میرے پاس اس وقت کوئی روپیہ پیسہ نہیں تھا۔ اس لیے میں روزانہ سرکاری دفتروں میں چلا جاتا اور وہاں سے لکھے ہوئے بے کار کاغذ مانگ کر لاتا، جو کچھ قلم بند کرنا ہوتا، ان کو کونوں میں اور بغیر لکھے حصوں پر نقل کرتا۔

قاضی ابو یوسفؒ کی ناداری:

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ: میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے ابتدائی

زمانہ میں بہت نادار اور پراگندہ حال تھا، ایک روز میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک والد صاحب تشریف لائے اور مجھے بلا کر لے گئے، پھر انہوں نے مجھے یوں کہا ''بیٹے ابوحنیفہؒ کے پاس نہ بیٹھا کر، اس لیے کہ وہ تو روز پراٹھے کھاتے ہیں اور تم روز ینہ تک سے محتاج ہو''۔

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں: کہ میں نے والد صاحب کی فرماں برداری کو ترجیح دی اور بہت سا علم حاصل کرنے سے رہ گیا۔

امام ابوحنیفہؒ نے مسلسل غیر حاضری کو محسوس کیا، ایک دن میں آیا تو امام صاحب نے مسلسل غیر حاضری کی وجہ پوچھی؟ میں نے کہا اطاعتِ والد اور معاشی مشغولیت۔ ابو یوسفؒ کہتے ہیں جب مجلس علم ختم ہوئی اور لوگ چلے گئے تو امام ابوحنیفہؒ نے میری طرف ایک تھیلی بڑھائی اور یوں کہا اِنہیں اپنے کام میں لاؤ، میں نے دیکھا تو اس میں سو درہم تھے۔ آپ نے مزید فرمایا حلقۂ درس میں پابندی کے ساتھ آتے رہو اور جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھے بتاؤ؛ امام ابو یوسفؒ صاحب فرماتے ہیں بعد ازاں میرا پابندی کے ساتھ حلقۂ درس میں آنا شروع ہو گیا۔ چند روز بعد مزید سو درہم عنایت فرمائے؛ اسی طرح وہ برابر میرا خیال فرماتے رہے۔ (تاریخ بغداد بحوالہ صفحات من صبر العلماء)

آج کا المیہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ پڑھنے یا پڑھانے پر اکتفا کیا جاتا ہے جب کہ اکابر اور اسلاف کے واقعات اور حالات پڑھ کر تکرار کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کتنی عرق ریزی سے ایک ہی فن کی کتابوں کو بار بار پڑھ کر اپنی علمی پیاس کو بجھایا۔ چند ایک واقعات مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ اسلاف نے اپنے علم میں کتنا رسوخ حاصل کیا۔

ابوعبداللہ بن اسحاق المعروف بابن تبانؒ۔انہوں نے ”المدونۃ“ اپنے استاد ابن اللباب سے ایک ہزار مرتبہ پڑھی۔

حضرت ابوالحسین عبدالغافر ابن محمد الفاسی النیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابوالحسن سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح مسلم ۳۰ رمرتبہ اور ابوسعید سے کئی مرتبہ پڑھی ہے۔

حضرت ابوبکر الابہری المالکی کہتے ہیں کہ میں نے مختصر ابن حکیم ۵۰۰ رمرتبہ، الاسدیہ ۷۵ رمرتبہ، مؤطا ۴۵ رمرتبہ، مختصر البرقی ۷۰ رمرتبہ اور مبسوط ۳۰ رمرتبہ پڑھی ہیں۔

حافظ برہان الدین الحلمی کہتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف ۶۰ رمرتبہ سے زائد اور مسلم شریف ۲۰ رمرتبہ سے زائد پڑھی ہے۔

حافظ شریف الدین ابوالحسن الیونینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ ”میں نے بخاری شریف ایک سال میں ۱۱ رمرتبہ سنائی ہے“۔

علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ ”بخاری ۵۰ رمرتبہ سے زائد بار پڑھی ہے“۔

مسلمان ابن ابراہیم علوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”میں نے بخاری شریف کو تقریباً ۲۸۰ رمرتبہ پڑھا اور پڑھایا۔

حافظ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف ۷۰ رمرتبہ پڑھی ہے۔

عبدالرزاق بن ابوالنصر فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح مسلم ۷۰ رمرتبہ پڑھایا ہے۔

ابوبکر ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف کا ۷ رمرتبہ تکرار کرایا تھا۔

(رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

(مولانا مجید اللہ کوہاٹی)

کامیابیوں کا راز جہدِ مسلسل میں مضمر ہے

اسلاف کی روایات، خاندانی شرافت، حسب ونسب اور دیگر قابل فخر چیزوں کو سینوں سے لگانے اور ان کو قابل قدر سمجھنے کا جذبہ ایک فطری چیز ہے اور زمانۂ قدیم سے جاری وساری ہے، کیوں کہ یہ چیز اسلاف کے لیے سربلندی کا ذریعہ بنی تھیں؛ لہٰذا ہم بھی ان کو نمونۂ زندگی اور مشعل حیات بنا کر اپنی عظمتِ رفتہ اور سربلندی کا سراغ لگا سکتے ہیں یہاں تک تو یہ جذبہ قابل ستائش ہے اور اسی وجہ سے ہمیشہ وہ قومیں زندہ رہتی ہیں۔

جو تاریخ کے جھروکوں سے ماضی وحال اور مستقبل کو باہم مربوط رکھتی ہیں، لیکن اس سے آگے بڑھ کر ان روایات کو اپنی عظمت ورفعت کا ذریعہ بنانا، ان کا سہارا لے کر اپنے نام ونمود کی کوشش کرنا پست ہمت لوگوں کا شعار ہے، آباء واجداد کے ان کارناموں میں ہمارا کیا دخل ہے؟ کہ ہم بھی ببانگ دہل انہیں کو اپنی عظمت ورفعت اور بلندئ کردار واقدار کا ذریعہ تصور کریں۔

وہی عمل قابل ستائش ہے جس کے حصول میں انسان کے اپنے ذاتی کردار کا دخل ہو، دوسروں کے کارناموں پر تفاخر کے کیا معنی؟ وصف اضافی پر تفاخر، وقتی تسکین کا باعث تو ہوسکتا ہے، لیکن وہ حقیقی تسکین فراہم نہیں کرسکتا۔ وصفِ اضافی پر تفاخر کا حق بھی کب کسی کو ہے۔ ''پدرم سلطان بود'' کہ میرے ابا بادشاہ تھے، کے نعروں نے کتنے ہی شاہزادوں کو گمنامی کی خوفناک تاریکیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا ہے انسان کے لیے معیار شرافت خود اس کا ذاتی فضل وکمال ہوتا ہے ارباب ہمت کی مستقل تاریخ یہ رہی ہے کہ

انہوں نے ہمیشہ اپنی کامیابیوں کا راز اپنی سعی پیہم اور جہد مسلسل کے ذریعہ تلاش کیا ہے، پھر وہ وہاں تک جا پہنچے جہاں تک پست حوصلہ اور کم ہمت لوگوں کے خیالات کی پرواز بھی نہیں تھی، ان ارباب ہمت نے اپنی عظمت ورفعت کی تعمیر کے لیے اسلاف وخاندان کی عظمت رفتہ کا غلط طور پر سہارا نہیں لیا، اور نہ وہ اپنے تعارف کے لیے کسی عظمت رفتہ کے رہینِ منت ہوئے۔ قوموں کی تاریخ اولوالعزم حکمرانوں، قابلِ صد احترام علمی خاندانوں اور ایک سے بڑھ کر ایک صاحب عزم اور بلند کردار کے حامل افراد کے تذکروں سے لبریز ہے، اور وہ صدیوں گزر جانے کے باوجود بھی ہمارے درمیان زندہ ہیں۔

لیکن اسی کے بالمقابل وہ اَن گنت اور بے شمار (بنی نوع) انسان جو اِس سرزمین ہی پر رہتے تھے، آئے اور چلے گیے آج ان کا نام نشان باقی نہیں ہے، زمانۂ ماضی کے ایک بلند پایہ صاحب جرأت وہمت شاعر نے اس مفہوم کو کس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا ہے، وہ دوسروں کی خوبیاں ذاتی کمال نہیں بن سکتیں، اصحاب ہمت کا یہی فتویٰ ہے، پھولوں کی خوشبو ہوا کی صفت نہیں بنتی ہے، اگر چہ ہوا ہی عطر کی خوشبو ناک تک پہونچاتی ہے، الحمدللہ میں اپنے ذاتی کمال کے لیے حسب ونسب کا محتاج نہیں ہوں، بل کہ اس کے لیے قرطاس وقلم اور قوتِ بازو پر اعتماد کرتا ہوں"۔ کہتے ہیں:

اما نبود وصف اضافی ہنر ذات — این فتوئی ہمت بود ارباب ہمم را

وصف گل وریحاں بہوا باز نہ گردد — ہر چند ہوا عطر دہد قوت شم را

المنۃ للہ کہ نیازم بہ نسب نیست — اینک بہ شہادت طلبم لوح وقلم را

ایک واقعہ اس موقع پر سننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ نادر شاہ جو ایک باہیبت اور اولوالعزم فرماں روا گزرا ہے، جس نے ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی کی اینٹ سے اینٹ

بجا دی تھی جب اس سے اس کے خاندانی حسب ونسب کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے برملا کہا، میں شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر ہوں۔

نپولین جو یورپ کا ایک بڑا فاتح گزرا ہے جس کی فتوحات کی لہروں سے یورپ کے مشرق ومغرب کی دیواریں ہل گئی تھیں، جب وہ فریڈرک اعظم کی قبر پر حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ فریڈرک کی تلوار اس کی قبر پر آویزاں ہے، اس نے تلوار اتار کر اپنے جنرل کو دیتے ہوئے کہا اسے رکھو فرانس کے عجائب خانہ کو نذر کروں گا، جنرل نے کہا اگر مجھ کو ایسی باعظمت اور زبردست تاریخی اہمیت کی حامل تلوار ملتی تو میں ہرگز کسی کو نہ دیتا، بل کہ ایک قیمتی سرمایہ سمجھ کر اپنے پاس رکھتا اور شہرت کی بلندیوں کو چھونے کی کوشش کرتا، نپولین نے بڑی خوداعتمادی کے ساتھ کہا: کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟ میں اپنی شہرت کے لیے کسی دوسرے کی شہرت اور تعارف کا محتاج نہیں ہوں۔

میں ایک صاحب جرأت وہمت کا واقعہ کبھی نہیں بھولتا جس نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تم کس طرح بننا چاہتے ہو، بیٹے نے جواب دیا، آپ کی طرح، بیٹے کا یہ جواب سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گیے اور فرمانے لگے کہ تم اتنے پست ہمت ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، جب میں نے حصول علم کا ارادہ کیا تھا تو یہ عزم مصمم کیا تھا کہ میں حضرت علی کی طرح بنوں گا لیکن کوشش بسیار کے باوجود اُن کے علم وفضل کا عشر عشیر بھی شاید حاصل نہ کر سکا اور تم نے میری طرح بننے کا ارادہ کیا ہے تو اگر تم نے کوشش بسیار کے بعد میرے علم کا عشر عشیر بھی حاصل کیا تو تمہیں جہالت کے سوا اور کیا مل سکتا ہے؟

دور عباسی کے ایک نامور شاعر ابونواس حسن بن ہانی سے جب اس کے نسب کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا "**اغناني ادبي عن نسبي**" میرے علم وادب نے

مجھ کو حسب ونسب سے بے نیاز کر دیا۔ میری شہرت کے لیے میرے حسب ونسب کی ضرورت نہیں بل کہ اس کے لیے خود میرا ذاتی علم وفضل کافی ہے، غرض یہ کہ انسان کا ذاتی فضل وکمال انسان کو اس رتبۂ بلند پر پہنچا دیتا ہے کہ وہ کسی عظمت رفتہ اور فرسودہ روایات کا محتاج نہیں رہتا۔

یہ وہ مبارک جذبہ ہے جس نے بہت سی گمنام شخصیتوں کو پستی سے اٹھا کر بامِ عروج پر پہنچا دیا اور تاریخ عالم کی یک لخت کایا پلٹ دی، بہت ممکن ہے کہ ایک نومسلم اپنی سعی پیہم، علم وفضل اور تقویٰ وطہارت جیسی دوسری عظیم خوبیوں کی بدولت اس رتبۂ بلند پر پہونچ جائے جہاں تک خاندانی مسلمان اور عظیم المرتبت علماء زادوں کی رسائی بھی ناممکن ہو، یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے زمانہ ماضی میں اسے بارہا دیکھا جا چکا ہے اور مستقبل میں بھی دیکھا جائے گا خیر یہ تو کل کو ہونے والی بات ہے لیکن آج بھی دنیا دیکھ رہی ہے کہ علم و فضل کے فرشتوں نے کتنے ہی بڑوں کو چھوٹا اور کتنے ہی چھوٹوں کو بڑا کر دیا ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی کر کے ان اولوالعزم محدثین عظام اور اساطین علم وفضل کی ایک طویل فہرست پڑھ جائیے جن میں سے اکثر کو نہ خاندانی شرافت حاصل تھی اور نہ وطنی وقومی امتیاز، جن کے پاس نہ کوئی فخر وسرور کا سرمایہ تھا اور نہ کوئی معیار شرف وکمال، بل کہ حقیقت یہ تھی کہ ان میں سے اکثر عجم تھے ان کی بڑی تعداد معمولی پیشہ وروں کی تھی کوئی خداء (موچی) تھا، کوئی زیات (تیلی) کوئی عسال (شہد فروش)، کوئی سماک (مچھلی فروش) کوئی وراق (کاغذ فروش) تو کوئی جزار (قصاب) غرض کوئی کچھ تھا تو کوئی کچھ، لیکن علم وفضل کی دولت اور ان کے ذاتی ہنر وکمال نے انہیں ان بلندیوں پر پہنچا دیا جو بڑے بڑے عالی مرتبت شہزادوں کو بھی نصیب نہ تھا، ان میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی

بھی تھی جو آزاد نہ تھے بل کہ غلامی کی طویل زندگی گزارنے کے بعد انہیں آزادی ملی تھی تاہم انہوں نے اپنے علم وفضل سے آراستہ کر کے پورے عالم اسلام کو اپنا مطیع وفرماں بردار بنالیا تھا، منبر ومحراب کی زینت انہیں کے دم سے برقرار تھی منصب درس وتدریس سے لے کر افتا وبیعت اور سلوک وطریقت تک تمام شعبہائے دین پر یہی حضرات حاوی تھے، ذرا یاد کرو مکہ کے عالم عطاء بن رباح کو، یمن کے عالم طاؤس بن کیسان کو، مصر کے عالم یزید بن حبیب کو شام کے عالم مکحول دمشقی کو، جزیرہ کے عالم میمون بن مہران کو، خراسان کے عالم ضحاک بن مزاحم کو اور بصرہ کے عالم حسن بن ابوالحسن کو، پورے بلاد اسلامیہ میں انہیں حضرات کی علمی وعملی اور روحانی وفکری سیادت تھی اپنے علم وفضل کی بدولت وہ سب پر حاوی تھے، امام زہری کے اس حیرت انگیز انقلاب پر خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان بالکل حواس باختہ تھا جب اسے امام زہری کی زبانی یہ پتہ چلا کہ کوفہ کے عالم ابراہیم نخعی ہیں جو عربی النسل ہیں تو اس نے اطمینان کا سانس لے کر امام زہری سے کہا کہ آپ نے تو مجھے مایوس ہی کر دیا تھا، پھر اس نے کہا بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ حضرات منبر ومحراب سے امت مسلمہ کی قیادت کا فریضہ انجام دیں گے اور عرب ان کے زیر نگیں ہوں گے، اس پر امام زہری کا جواب سننے کے لائق ہے انہوں نے کہا امیر المومنین یہ اللہ کا دین ہے جو اس کے تحفظ کے لیے کمر بستہ ہوتا ہے اللہ اسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ایک قدم اور آگے بڑھیے اور دیکھیے کہ حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین کو کون نہیں جانتا، اپنے زمانے میں مرجع خلائق تھے خصوصا مقدم الذکر تو اب بھی بیعت و طریقت اور سلوک وتصوف میں رئیس طائفہ سمجھے جاتے ہیں اور مؤخر الذکر "تعبیر الرؤیا" کے بلند پایہ امام لیکن شاید سننے والوں کو حیرت ہوگی کہ یہ دونوں بھی آزاد کردہ غلام

تھے، حضرت حسن کے والد بھی غلام تھے اور والدہ حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں حضرت محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے غلام تھے بیس ہزار بدل کتابت دے کر آزاد ہوئے تھے لیکن اپنے علم و فضل کی بدولت نہ صرف یہ کہ وہ بصرہ کے دو عظیم المرتبت فقیہ تھے بل کہ پورے عالم اسلام میں مرجع خواص و عوام تھے، غلامی کی زنجیریں ان کی علو ہمت اور فضل و کمال کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں، انہوں نے بلند اقدار اور اعلیٰ خصائل جیسی خوبیوں کی بدولت سیادت و شرافت کی راہیں از خود استوار کرلیں، حضرت حسن بصری کے فضل و کمال، زہد و تقوی، فصاحت و بلاغت اور ان کی عزیمت و ہمت سے کون ناواقف ہوگا لیکن محمد بن سیرین بھی کچھ کم نہ تھے، ان کے کمال علم و فضل ہی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت انس کی وفات ہوئی تو ابن سیرین نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ پڑھائی حالاں کہ اس وقت متعدد صحابۂ کرامؓ زندہ تھے۔

اور دیکھئے کہ حضرت ابن عباس کے دوسرے بہت سے تلامذہ کے ساتھ ساتھ حضرت مجاہد بھی غلام تھے، وہی مجاہد جن کی مرویات اور اقوال سے احادیث اور تفاسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ بھی غلام تھے اس موقعہ پر یہ ذکر کرنا حیرت و استعجاب سے خالی نہ ہوگا کہ جب حضرت ابن عباس کی وفات ہوگئی تو ان کے ایک فرزند نے حضرت مجاہد کو چار لاکھ درہم میں فروخت کر دیا، اس وقت حضرت مجاہد نے اپنے مجازی آقا سے بڑی حسرت سے کہا: افسوس تم نے ان روپیوں کی خاطر اپنے باپ کے علم کو فروخت کر دیا، یہ سن کر صاحبزادے نے بیع سے رجوع کر لیا۔

ان لوگوں کی بھی ایک فہرست پڑھ جاؤ جو ظاہری حسن صورت سے محروم ہونے کے باوجود اپنے علم و فضل کی بدولت پوری دنیا کے لیے باعث کشش اور قابل احترام تھے،

ان کا حسن باطنی ظاہری بدصورتی پر غالب آ گیا تھا اور وہ اپنے اسی حسن معنوی کی بدولت علم وفضل کی تاریخ میں نیر تاباں بن کر چمکے، چناں چہ لغت وادب کے امام اصمعی کو دیکھو کہ ظاہری شکل وصورت بھی نہ تھی، اتنے بدصورت تھے کہ کوئی آزاد عورت تو درکنار کوئی باندی بھی شادی کے لیے تیار نہ ہوتی تھی سرِ بازار فروخت کی جانے والی باندیوں کو بھی ان کی شکل وصورت سے غایت درجہ نفرت تھی لیکن اپنے علم وفضل کی بدولت عالم اسلام کے مشرق ومغرب میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

خود خلیفہ وقت ہارون رشید ان کا گرویدہ اور قدرداں تھا شاہی محل ان کی ادبی مجلسوں سے آداب اور شاداب رہتا تھا، ہارون رشید کے وزیر اعظم یحیٰ برمکی کو اُن سے بڑی انسیت تھی بڑے بڑے اساطین علم وفضل نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے تھے، یہی کیا کم ہے، کہ امام کسائی جوفن نحو کے ایک نامور امام، اپنے زمانے میں سیبویہ کے حریف اور امین و مامون کے محبوب استاذ تھے، انہوں نے اور ان جیسی دوسری عظیم ہستیوں نے امام اصمعی سے اکتسابِ فیض کیا۔ امام اصمعی نے شعر وادب کا ایک ایسا ذخیرہ چھوڑا جس نے انہیں علم وفضل کی تاریخ میں رہتی دنیا کے لیے زندۂ جاوید بنا دیا بلا شبہ وہ لغت وادب کی دنیا میں ادباء اور بلغاء کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں، بڑی بڑی شخصیتوں نے ان کے فضل وکمال کا لوہا مانا، اور ان کی وسعتِ علمی، دقتِ نظری اور فکر کی گیرائی وگہرائی کا اعتراف کیا۔

مکہ کے قاضی...... مخزومی کو دیکھو کہ حسن وجمال کی ظاہری دولت سے محروم تھے سطحی خیالات رکھنے والوں کی نگاہوں میں ان کی چنداں اہمیت وحیثیت نہ تھی، لیکن اربابِ فکر ونظر ان کے فضل وکمال ان کے تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت اور ان کی عظمتِ نفس

سے بخوبی واقف تھے، انہیں گونا گوں خصوصیات کی بدولت وہ مکہ کہ منصب قضاء پر مامور تھے اور اپنی بے لوث خدمات کی بدولت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

ان سے ایک قدم آگے بڑھ کر مکہ کے ایک روحانی پیشوا عطاء ابن رباحؒ کو یاد کرو، جن میں بدصورتی کی تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں، وہ سیاہ فام تھے اور اپاہج بھی، آخری عمر میں نابینا بھی، ان کی ناک بھی چپٹی تھی اور بدصورت بھی، لنگڑے بھی تھے اور کانے بھی، اس پر مستزاد یہ کہ غلام تھے تاہم حسن و جمال کی ظاہری رعنائیوں سے محروم ہونے کے باوجود باطنی حسن و جمال سے آراستہ تھے، یہی کیا کم تھا کہ وہ حضرت ابن عباس کے جلیل القدر تلامذہ میں صفِ اول کے تھے، ان کے علم و فضل کے امین تھے تشنگانِ علوم کے لیے جاری چشمہ تھے زہد و تقویٰ اور خلوص وللّٰہیت میں اپنی مثال آپ تھے، اور اہلِ مکہ کے لیے سب کچھ تھے، ان کی وفات پر اہل مکہ کے جذبات و احساسات کا اندازہ کرو جن کی ترجمانی انہوں نے اس طرح کی کہ وہ ہم میں اس صحت و تندرستی کی طرح تھے جس کی قدر و قیمت کا احساس اس کے فوت ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔

فصاحت و بلاغت کے شہسوار، ایک بے مثال ادیب اور عالم، مقامات کے عظیم مصنف ابو محمد القاسم بصری کو یاد کرو، لوگ ان کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر ہی بدظن ہو جاتے تھے لیکن علم و فضل کی گراں قدر دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے اپنے زمانے میں امام فن سمجھے جاتے، انہوں نے ادب و بلاغت میں ایسا ذخیرہ چھوڑا جس نے انہیں ہمیشہ کے لیے زندہ اور تابندہ بنا دیا، شب و روز کی ہزاروں گردشوں، روزمرہ کی غیر معمولی تبدیلیوں اور انقلابات زمانہ کی نیرنگیوں کے باوجود ان کی شہرت اور ان کی تالیف کردہ کتاب کی افادیت کم نہ ہوئی، وہ آج بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب ”مقامات“ کی بدولت زندہ

ہیں اور علم و ادب کی دنیا میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

عربی ادب کے ایک مضبوط ستون جاحظ کو کون نہیں جانتا، ان کی کتابیں ان کے علم وفن، فصاحت و بلاغت میں ان کی تبحر علمی اور لغوی و ادبی دقت نظری میں شاہد عدل ہیں، بایں ہمہ وہ بھی بہت سے دیگر ارباب فضل وکمال کی طرح ظاہری شکل وصورت سے نہ صرف یہ کہ محروم تھے بل کہ بقول خود وہ شیطان کے ہم شکل تھے لیکن علم وفضل کے آسمان میں جاحظ کا نام ایک درخشندہ ستارے کے مانند ہے جب کبھی اور جہاں کہیں ادبی محفل منعقد ہوتی ہے تو جاحظ کے ذکر خیر کے بغیر وہ محفل ساری سونی سونی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا سطروں میں اوالعزم اور ارباب ہمت کے علم وفضل کی اور ان کے جہد مسلسل کی معمولی سی جھلک ہے ورنہ ان کے فضل وکمال کی تاریخ وہ بحر ذخار ہے جس کی پیمائش کے لیے عمر خضر درکار ہے۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے:

غرض یہ کہ ان حضرات کی سعی پیہم، جہد مسلسل اور علم وفضل کی راہ میں میں مر مٹنے کے جذبات نے ان کو اس رتبۂ بلند پر پہنچادیا کہ ساری دنیا محو حیرت تھی، کیا یہ کم حیرت انگیز بات تھی کہ جو لوگ چند سالوں قبل معاشرہ میں کسی حیثیت کے مالک نہ تھے اب وہی امت مسلمہ کی قیادت وسیادت کا اہم فریضہ انجام دے رہے تھے اور یہی کیا کم تھا کہ اہل عجم نے اپنے استاد عربوں کو علم وفضل کے میدان میں بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا اس حیرت انگیز انقلاب اور خوش گوار تبدیلیوں کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنی ان ہی کامیابیوں پر نازاں ہو کر قناعت کر لیتے اور مزید جد و جہد کا بیڑا نہ اٹھاتے تاہم انہوں نے ایسا نہیں کیا بل کہ بزبان حال وقال کہہ کر مزید پیش قدمی جاری رکھی۔

میں کہاں رکتا ہوں عرش وفرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

چناں چہ اپنی کوششوں کو تیز کر کے بادو برق کی طرح علوم وفنون کی نئی منزلوں کی تلاش میں رواں دواں ہو گیے انہوں نے کاروان علم کو آگے بڑھایا اور درس وتدریس سے متجاوز ہو کر تصنیف وتالیف اور ارشاد وبیعت کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا، ان کارناموں نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا آج بھی وہ اپنی شان دار خدمات کی بدولت سب پر حاوی ہیں تصانیف وتالیفات عموما انہیں کی حصے آئیں، پوری دنیا کواُن کے اِن عظیم کارناموں کا اعتراف کرنا پڑا، علامہ ابن خلدون بجا طور پر پکارا ٹھے(حملة العلم فى الاسلا م اکثر العجم) علوم بالعموم عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ سب اس وقت ہوا جب کہ حصول علم کی راہ میں بے سروسامانی اور سہولیات کا فقدان تھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ راستوں کی دشواریاں، ہلاکت خیز اور حوصلہ شکن تھیں اساتذہ کے پاس کوئی مستقل عمارت بھی نہ تھی وہ حضرات کھلے آسمان کے نیچے، مساجد کے صحن اور خستہ حال مکانات میں بوریہ نشیں ہو کر تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے چناں چہ علو ہمت مضبوط قوت ارادی، اور سعی پیہم کا نتیجہ تھا کہ ان نامساعد اور ناگفتہ بہ حالات میں ایسی نابغۂ روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے علم وفضل کی تابانیوں سے سارے جہاں کو منور کر دیا، بعد کی صدیوں میں جب حصول علم کی راہیں آسان ہونے لگیں تو اہل نظر نے دیکھا کہ دونوں عہد میں کیسا بعد المشر قین تھا۔

(مولانا شمیم قاسمی)

حصول علم کے لیے اسلاف کی قربانیاں

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ، اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾ (زمر:۹) میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجیے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یعنی عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾ اس بات کی وہ پرکھ رکھتے ہیں جو عقل مند ہوتے ہیں، یعنی عقل مند انسان سمجھ سکتا ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے، دین اسلام میں علم کی اہمیت کو بہت زیادہ واضح فرمایا، چناں چہ اس امت پر پہلی وحی جو نازل ہوئی، تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ لفظ ملا ''اقـــرأ'' (پڑھ) ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ توحید بہت اہم ہوتی ہے، اس کے بغیر انسان کی نجات ہی نہیں، شرک والا بندہ کبھی جہنم سے نکل ہی نہیں سکتا، تو اہم پیغام تو، توحید تھا، مگر اس کے بارے میں پہلا Message نہیں بھیجا۔ یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ رسالت کی بھی بڑی اہمیت ہے، اس پر ایمان لائے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، مگر اللہ رب العزت نے رسالت کے بارے میں بھی پیغام نہیں بھیجا، پھر بات سمجھ میں آتی ہے کہ قیامت کے دن کی بڑی اہمیت ہے، اس دن انسان کے نامۂ اعمال کو دیکھا اور تولا جائے گا، اس دن انسان کے مقدر کے فیصلے ہوں گے یا وہ زندگی کی بازی جیت جائے گا یا زندگی کی بازی ہار جائے گا، اس دن کی اہمیت کے پیش نظر قیامت کا تصور کیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا، ہاں اتنا فرمایا، اقرأ (پڑھ) تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو پڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے، اسی لیے عالم کی بہت فضیلت ہے یہ وہ صفت ہے جس کی وجہ سے بشر کو اللہ تعالیٰ نے امتیاز

عطا فرمایا، اگر آپ غور کریں تو فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، حالاں کہ وہ بڑے عبادت گزار تھے، فرشتوں کے بارے میں فرمایا: ﴿لَا یَعْصُونَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُونَ مَا یُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم:٦) فرشتوں کی بزرگ جماعت ہے، جو ہزاروں سال عبادت کر چکے، اور دوسری طرف چند دن پہلے پیدا ہونے والے آدم علیہ السلام ہیں، مگر میدان کس کے ہاتھ آیا، حضرت آدم علیہ السلام کے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا: "**اسجدو الآدم**" تم آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرو۔

تو یہ فضیلت کیوں ملی؟ اس لیے کہ ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاسماء عطا کیا تھا، جس کی وجہ سے ان کو فرشتوں پر بھی فضیلت حاصل ہوئی۔

چناں چہ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "**فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علٰی سائر الکواکب**" کہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح عالم کو عابد پر فضیلت ہوتی ہے۔

سیدنا انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "**ان مثل العلماء فی الأرض کمثل النجوم فی السماء**" کہ زمین پر علماء کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان پر روشن ستارے ہوں، تو آسمان کی زینت ستاروں سے ہے اور زمین کی زینت ان علماء اور پرہیزگاروں سے ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں: "**انہ یستغفر للعالم کل شیء حتی الحیتان فی جوف البحر**" کہ عالم کے لیے ہر چیز استغفار کرتی ہے، حتی کہ پانی کے

اندر مچھلیاں بھی اس کے لیے استغفار کر رہی ہوتی ہیں۔

حضرت صفوانؓ روایت کرتے ہیں: ''مامن رجل خرج من بیته لیطلب العلم الاوضعت له الملئکة أجنحتها رضا لله لما یصنع'' کہ جب کوئی بندہ علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں اس بات سے خوش ہو کر کہ وہ کتنے عظیم کام کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں: ''من سلک طریقًا یطلب فیه العلم سهل الله له طریقًا إلی الجنة'' کہ جو بندہ علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے اللہ رب العزت اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان کر دیتے ہیں، بل کہ ایک روایت میں یہاں تک فرمایا گیا: ''من کان فی طلب العلم کانت الجنة فی طلبه'' کہ جو شخص علم کی طلب میں ہوتا ہے جنت اس کی طلب میں ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع'' کہ جو اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ گھر لوٹ کر واپس آ جائے۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''یشفع یوم القیامة ثلثه'' کہ قیامت کے دن تین لوگ شفاعت کریں گے پہلا ''الانبیاء'' پھر فرمایا ''ثم العلماء'' اور تیسرا فرمایا ''ثم الشهداء'' یعنی شہید کے شفاعت کی باری تیسرے نمبر پر آئے گی۔

تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو یہ چیز بہت پسند ہے کہ میرے بندے علم حاصل کریں، چناں چہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ دو حریص ایسے ہیں جن کی حرص کبھی

ختم نہیں ہوتی، ایک دنیا کا حریص جب تک قبر میں نہ چلا جائے، اور دوسرا علم کا حریص اس کو بھی کبھی سیری نہیں ہوتی، وہ ہر لمحے مزید علم حاصل کرنے کے لیے فکر مند رہتا ہے۔

جبل بن غیث روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ سے دمشق حصول علم کے لیے آیا، ابو درداءؓ نے پوچھا: تمہارے اس سفر کا کیا مقصد تھا؟ انہوں نے کہا فقط علم حاصل کرنا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں، مچھلیاں اس کے لیے پانی میں مغفرت کی دعا کرتی ہیں، اور عالم کو عابد پر فضیلت اس طرح ہے کہ جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی: ''اللّٰھم ارحم خلفاء'' اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرمانا۔ تو صحابہؓ موجود تھے انہوں نے عرض کیا: ''من خلفاؤک یارسول اللہ'' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کون آپ کے خلفاء ہیں؟ قال: ''الذین یروؤن الأحادیث احادیثی و یعلمون الناس'' کہ وہ لوگ جو میری احادیث کی روایت کریں گے اور احادیث لوگوں کو سکھائیں گے، تعلیم عطا کریں گے، وہ میرے خلفاء ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت خوب صورت دعا دی ''نضّر اللہ امراءً سمع مقالتی فوعاھا'' اللہ اس شخص کے چہرے کو تر و تازہ رکھے جو میری بات کو سن کر محفوظ کرے اور پھر اس کو دوسروں تک پہنچا دے۔

اب دیکھیے چہرہ تر و تازہ تو تب ہو گا جب دنیا کا کوئی جھمیلا نہ ہو، اگر انسان دنیا کی مصیبتوں میں گرفتار ہو تو چہرہ اترا ہوا ہوتا ہے، پریشانی چہرے پر واضح ہوتی ہے۔ ایک لفظ

میں اتنی خوب صورت دعا دے دی کہ سارے مسئلے ہی حل ہو گئے اللہ اس کے چہرے کو تروتازہ رکھے۔ **سبحان اللہ!**

چناں چہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے مدرسہ مسجد نبوی میں بنا، گر چہ اس کا نام تو نہیں تھا لیکن آج کے زمانے میں اگر ہم اس کا نام معلوم کرنا چاہیں تو اس کو ''جامعہ صفہ'' کہہ سکتے ہیں، یہ چند مہاجرین صحابہ تھے، جو اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں آ گئے تھے، یہ مسجد نبوی میں رہتے تھے، اور وہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھتے تھے، چناں چہ ہر جامعہ کے اندر کوئی سلیبس (نصاب) ہوتا ہے تو جامعہ صفّہ کا سلیبس کیا تھا؟ قرآن عظیم الشان ﴿**الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ**﴾ قرآن اللہ نے اتارا کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ (ابراہیم)

تو ان کا نصاب تھا قرآن، پھر ہر کتاب میں تشریح ہوتی ہے، تو اگر کوئی پوچھے کہ قرآن مجید کی تشریح کیسے ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو بھیجا ﴿**لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ**﴾ آپ واضح فرما دیجیے، جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا۔ (النحل ۴۴)

تو احادیث مبارکہ گویا اس کی تشریح تھی، صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے بھی پڑھاتے تھے اور عمل سے بھی سکھاتے تھے۔ ہر مدرسہ کے اندر ٹائمنگ (نظام الاوقات) ہوتے ہیں، کہیں صبح آٹھ بجے سے دو بجے تک، کہیں آٹھ بجے سے چار بجے تک۔ لیکن یہ جامعہ صفہ ایسا تھا کہ اس کے اوقات تعلیم چوبیس گھنٹے تھے چناں چہ رات کا وقت ہے نبی علیہ السلام مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ابوبکر

صدیقؓ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں تہجد میں بہت ہی خفی اور عمرؓ تلاوت کر رہے ہیں ذرا جہر کے ساتھ جب دونوں نے نفل مکمل کر لیے حاضر خدمت ہوئے، نبی علیہ السلام نے پوچھا: اے ابوبکر آپ اتنا آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے، عرض کیا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس ذات کو سنا رہا تھا جو سینوں کے بھید جانتی ہے تو اونچا پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عمر تم اونچا کیوں پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں سوئے ہوؤں کو جگا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سکھلایا کہ عمر تم ذرا آہستہ آواز کر لو اور ابوبکر تم تھوڑا سا جہر کر لو؛ ابھی آخری پہر ہے، رات کو اس وقت نبی علیہ السلام اپنے شاگردوں کو دین سکھا رہے ہیں تو جس وقت اللہ کے نبی علیہ السلام مسجد میں آجاتے تھے پیریڈ (گھنٹہ) شروع ہو جاتا تھا، سیکھنے سکھانے کا یہ عمل شروع ہو جاتا تھا۔

چناں چہ صحابہ کرامؓ نبی علیہ السلام سے دین سیکھتے اور باقی صحابہ آکر ان سے پوچھتے تھے کہ آج نبی علیہ السلام نے کیا آیت یا بات سکھائی تو یہ دوسرے صحابہ کو بتا دیتے تھے، یہ دین اسلام کا پہلا اقامتی مدرسہ تھا۔ مگر فرق تھا، ہر مدرسے کے اندر مطبخ ہوتا ہے ،طباخ ہوتا ہے، شاگردوں کے لیے کھانے کا انتظام ہوتا ہے، یہ وہ مدرسہ تھا جس میں نہ مطبخ تھا نہ کوئی طباخ تھا، اللہ ان کا رزاق تھا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے رزق بھیج دیتے تھے، وہ کھا لیتے تھے، ورنہ فاقہ ہوتا تھا۔ اتنا فاقہ کہ اس مدرسے کا ایک طالب علم جن کا نام ابوہریرہؓ ہے وہ کہتے ہیں: کہ میں اتنا بھوکا تھا کہ مجھ سے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا میں مسجد کے دروازے کے قریب آکے بیٹھ گیا، نبی علیہ السلام نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، لوگ چلے گئے میرے پاس ابوبکرؓ آکر گذر گئے، میں سمجھ گیا کہ ان کے گھر میں آج کھانا نہیں، عمر رضی اللہ

عنہ آئے گذر گئے، میں سمجھ گیا کہ ان کے گھر میں بھی کھانے کا انتظام نہیں ہے، ورنہ یہ مجھے اس حال میں دیکھ کر ضرور مجھے دعوت دیتے، نبی علیہ السلام تشریف لائے، ابو ہریرہؓ کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بھوک ہے کہ بھوک کی بنا پر کھڑا نہیں ہوا جا رہا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے گھر لے گئے، گھر والوں سے پوچھا، کھانے کی کوئی چیز ہے؟ عرض کیا دودھ کا ایک پیالہ، تو فرمایا کہ بھیجواؤ، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے امید لگ گئی کہ چلو ایک پیالہ دودھ تو ملے گا، جب پیالہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابو ہریرہؓ جاؤ اور باقی مدرسے کے طلبہ کو بلا لاؤ۔

چناں چہ وہ مسجد نبوی گئے اور جتنے وہاں پر اصحاب صفہ تھے ان کو بلا کے لائے اب وہ سوچتے ہیں: ستّر لوگ ہیں تو میرے لیے دودھ کیا بچے گا؟ ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی جو دعوت دینے کے لیے جاتا اسی کو حکم ہوتا کہ بھئی پلاؤ بھی، پلانے والے کا نمبر اخیر میں تو پتہ نہیں میرے لیے کیا بچے گا؟ فرماتے ہیں کہ وہ سب آئے میں نے دودھ پلانا شروع کیا۔ ہر بندے نے جی بھر کے پیا، سیراب ہوتے گیے دودھ کا پیالہ ویسے کا ویسا، سب نے پی لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ مجھے دیا اور مسکرا کر فرمایا، ابو ہریرہؓ اس کو پیو! اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بہت پیا فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا اب میرا پیٹ بھر گیا نبی مسکرائے فرمایا: اور پیو، برکت تھی فرماتے ہیں: کہ پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم شوبت (اب میرا پیٹ بھر گیا) مجھ سے پیا نہیں جا رہا ہے؛ تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے ہوئے دودھ کو نوش فرمایا، تب وہ ختم ہوا تو ان طلبہ کا رازق پروردگار تھا، وہ ان کو رزق بھیجتا تھا، رزق میں برکت ہوتی تھی اب ہر مدرسے میں ایک معلم ہوتا ہے، اس مدرسے کا معلم

اعظم، مرشد اعظم، مبلغ اعظم سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پھر ہر کلاس کا منیجر ہوتا ہے تو اس جامعہ میں کلاس کا منیجر کون ہو؟ ایک صحابیؓ تھے جن کا نام تھا سلمان فارسیؓ وہ منیجر تھے، ان کے ذمے تھا تم ذرا ان کا خیال رکھنا، پھر جب بھی پڑھاتے ہیں تو سال کے بعد امتحان ہوتا ہے تو اس جامعہ میں امتحان بھی ہوا، امتحان لینے کوئی نہ کوئی ممتحن آتا ہے باہر سے تو بھئی اس جامعہ کا ممتحن کون تھا؟ اور امتحان کیا لیا؟ اللہ فرماتے ہیں: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی﴾ (الحجرات:۳)

یہ وہ لوگ تھے جن کا ممتحن اللہ تھا، پیپر کا نام تقویٰ تھا اور ہم نے ان کے دلوں کو دیکھا کہ تقویٰ ہے یا نہیں؟ ہم نے ان کا امتحان لیا، اس امتحان کے اندر پاس ہو گئے فرمایا:

﴿وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا﴾ (الفتح:۲۶)

یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے، استاذ کا اندازہ لگانا ہو تو شاگردوں کو دیکھا جاتا ہے، درخت کا اندازہ لگانا ہو تو پھل کو دیکھنا ہوتا ہے۔ تم میرے محبوب کی عظمتوں کو دیکھنا چاہتے ہو تو میرے محبوبؐ کے شاگردوں کو دیکھ لو، ایسے لوگ تھے کہ ان کے دل تقویٰ سے بھرے ہوئے تھے، اللہ نے ان کو تقویٰ پر جمائے رکھا۔ جب کوئی طالب علم امتحان میں کامیاب ہوتا ہے تو پھر اسے انعام بھی ملتا ہے، ہر مدرسے میں انعام دیتے ہیں کہیں ٹھوفکیٹ دیتے ہیں کہیں کچھ تو اس مدرسے کے طلباء کو بھی سرٹیفیکٹ ملا، اللہ فرماتے ہیں: ہاں میں نے ان کو سرٹیفیکٹ دیا؟ فرمایا: ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ﴾ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ سے راضی۔ سبحان اللہ! یہ کیسے خوش نصیب طلبہ تھے کہ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم پائی اور اللہ نے ان کو یہاں تک شان عطا فرمایا، ہر مدرسے میں کچھ اقامتی بچے ہوتے ہیں، کچھ ڈیس کالر (غیر مقیم) ہوتے ہیں، ستر

طلبا تو اقامتی تھے اور باقی صحابہ ڈیس کالر (غیر مقیم) تھے، وہ دن میں اپنے کام کرتے رات میں آ کے مدرسے میں پڑھا کرتے، یہ پہلا مدرسہ ہے دین اسلام کا، مگر یہ لوگ اللہ کو کتنے پیارے تھے۔ سنیے! اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: کہ میرے محبوب آپ جائیں اور ان کے پاس جا کر بیٹھیں ﴿وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ﴾ اپنے آپ کو صبر دیجیے، اپنے آپ کو تھمی رکھئے، ان لوگوں کے ساتھ ﴿يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ کی رضا جوئی کے لیے۔ (الانعام:۵۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے صحابہؓ سے پوچھا: تم کیا کر رہے تھے؟ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ علم سیکھ اور سکھا رہے تھے، مذاکرہ اور تکرار کر رہے تھے، جو مدرسوں میں ہوتا ہے۔

فرمایا: کہ تم خوش نصیب لوگ ہو، اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے درمیان آ کر بیٹھوں، اس مدرسے کے طلبہ کی طلب عجیب تھی، سبحان اللہ! چناں چہ ایک طالب علم ایسے بھی تھے جو نابینا تھے مگر مَن کے بینا تھے، ان کو کوئی سوال پوچھنا تھا وہ آئے اپنے استاذ کے پاس، معلم اعظم کے پاس کہ میں جا کے سوال پوچھوں، نبیؐ کے پاس قریش مکہ کے سردار آئے ہوئے تھے، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے گفتگو فرما رہے تھے، اب چوں کہ ان کی ظاہری بینائی تو تھی نہیں اس لیے ان کو پتہ نہیں تھا کیسی مجلس ہے؟ یہ آئے اور سیدھا سیدھا سوال کر لیا، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بھئی: انتظار کرو تھوڑی دیر، اب یہ جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا انتظار کرو، وہ سچ بات تھی۔ اس لیے کہ ڈاکٹر کے پاس کوئی کینسر کا مریض آ جائے تو نزلے زکام کے مریض کو انتظار کروا لیتا ہے، بھئی تم تو نزلے زکام

کے مریض ہو تمہارا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ تمہیں بعد میں دوائی دے دوں گا یہ کینسر کے مریض آئی سی یو کا مریض ہے جلدی مجھے اس کا علاج کرنا ہے تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا آپ ان مشرکوں کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، مگر اس طالب علم کو انتظار کروانا اللہ رب العزت کو اتنا عجیب لگا کہ اللہ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوبانہ خطاب فرمایا ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی﴾ (عبس:۱،۲)

ان آیات کے مفہوم کو جب پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ اللہ! طلب والے بندے کی تیرے یہاں کتنی قدر ہوا کرتی ہے۔

پھر اسی جامعہ کے اور ایک طالب علم تھے ابن کعب رضی اللہ عنہ، سید القراء تھے بہت اچھا قرآن پڑھتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ابن کعب سورۂ بیّنہ سناؤ، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن آپ پر نازل ہوا میں آپ کے سامنے سناؤں؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے وہ پہچان گئے کہ اوپر سے اشارہ ہے تو آگے سے پوچھتے ہیں ''ااَللّٰہُ سَمَّانِیْ'' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ رب العزت نے میرا نام لے کے فرمائش کی ہے، حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**نعم اللہ سماک**'' ہاں تیرا نام لے کے اللہ نے فرمایا: ابن کعب سے کہو سورۂ بینہ پڑھے، محبوب آپ کے سنیں گے، یہ ایسے طلبہ تھے انہوں نے ایک نہج قائم کر دی تھی انہوں نے دین سیکھنے کے لیے قربانی دی، دن رات پڑے رہتے چٹائیوں پر، چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے اصحاب صفہ! جس نہج پر تم نے زندگی گذاری، اس نہج پر جو بندہ زندگی گذارے گا قیامت کے دن اس کو اللہ کی رضا نصیب ہوگی یہ مدرسہ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، آج دنیا میں جتنے مدارس ہیں وہ اسی جامعہ صفہ کی شاخیں اور اس شمع

سے پھوٹی ہوئی کرنیں ہیں۔ یہ جامعہ، دارالعلوم وقف ہو یا دارالعلوم دیوبند؛ یہ سب دارالعلوم اور جامعات اسی کی کرنیں ہیں جو یہاں پر پڑ رہی ہیں اور روشنی پھیل رہی ہے، لہٰذا آپ لوگوں کو ایک نسبت ہے اصحاب صفہ کے ساتھ۔

اس امت کے طلبہ نے علم حاصل کرنے کے لیے کتنے مجاہدے کیے اور کتنی قربانیاں دیں، ذرا ہم ان کے حالات پڑھیں تو انسان حیران ہو جاتے ہیں، چناں چہ امام ذہبیؒ بیس سال کی عمر میں گھر سے نکلے علم حاصل کرنے کے لیے سات سال میں علم مکمل کرنے کے بعد گھر لوٹے، آپ حضرات تو جمعرات کو چلے جاتے ہیں، جمعہ گھر رہ کر آتے ہیں یا دو ہفتے بعد مہینے بعد چکر لگا لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: میں علم حاصل کرنے کے لیے نکلا تو متواتر سات سال علم حاصل کرتا رہا۔ جب علم حاصل کرلیا تب ماں باپ کو ملنے واپس آیا۔ حافظ ابن طاہر طلب علم کے لیے نکلے اس زمانہ میں ایسا نہیں تھا کہ جہاں جاؤ گے کتابیں مل جائیں گی، یہ نعمت آج ہے کہ جس مدرسہ میں داخلہ لے لو، ناظم تعلیمات کتابیں دے دیتے ہیں پڑھنے کے لیے اس زمانہ میں استاذ کے پاس کتابیں خود لے کر جانا پڑتی تھیں فرماتے ہیں: کہ کتابیں اتنی تھیں کہ جب میں پیٹھ کے اوپر لاد کر چلتا تو مشقت سے اٹھانے کی وجہ کر پیشاب میں خون آیا کرتا اتنا بوجھ اٹھاتا تھا استاذ کے پاس جانے کے لیے۔

خطیب تبریزیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پشت پر کتابیں لے کر چلتا تھا، گرمی کی وجہ سے اتنا پسینہ آتا کہ میری کتابیں پسینے سے بھیگ جایا کرتی، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں شروع میں غربت تھی، میں علم حاصل کرتا اور فاقہ ہوتا تو میں نے سوچا کیوں نہ میں کوئی مزدوری کرلوں فرماتے ہیں: کہ جب میں پڑھ لیتا تو شام کو اونٹوں کے اڈوں پر جاتا، جیسے ہمارے زمانے میں بسوں اور ٹیکسی کا اڈہ، اس زمانے میں اونٹ کے ذریعہ آنا جانا ہوتا تھا،

میں وہاں چلا جاتا اور جب مسافر سامان اٹھا کر اونٹوں پہ لادنا چاہتے تو میں ان کو کہتا کہ میں اس کام کے لیے حاضر ہوں، مجھے کچھ تھوڑا دے دیتے تھے، میں ان کے بوجھ اٹھا کر کبھی اونٹ پر چڑھاتا کبھی نیچے اتارتا تھا، دنیا نہیں جانتی تھی کہ یہ دوسروں کے بوجھ کو اپنے سر پر اٹھانے والا بچہ آنے والے وقت میں امام احمد بن حنبلؒ بننے والا ہے، فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا اس نے مجھے اوفر (پیش کش) کی کہ آپ کے کھانے کا انتظام میں کر دیتا ہوں، مجھے اچھا نہ لگا میں نے کہا نہیں بھئی! میں محنت کروں گا اور کھاؤں گا، اس نے کہا اچھا تو پھر ایسا کرو کہ مجھے دو کتابوں کی ضرورت ہے آپ لکھ کے دے دیں، میں نے کہا ہاں! میں نے پھر سامان اٹھانے کا کام چھوڑا اور کتابیں لکھنی شروع کی، لوگ مجھ سے کتابیں لکھواتے تھے، میں فارغ وقت میں لکھتا، اس پر کچھ مل جاتا تھا، اس سے میں اپنے پیٹ کو بھر لیا کرتا تھا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایسا وقت تھا کہ لکھنے کے لیے میرے پاس کوئی کاغذ نہ ہوتا تو میں بڑے جانور کی بڑی ہڈیاں تلاش کرتا پھرتا تھا، خشک ہڈی پر میں لکھ کے رکھتا تھا اور ان کو اپنے گھر کے کونے میں ڈال دیتا تھا، یہ میری کتابیں ہوتی تھیں، کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بڑی ہڈیوں کو ڈھونڈنے والا بچہ آنے والے وقت میں امام شافعی بننے والا ہے۔

فرماتے ہیں کہ علم کی طلب میرے اندر اتنی تھی کہ میں منیٰ کے میدان میں تھا، مجھے ایک بوڑھا نظر آیا، میں نے پوچھا کہاں سے آئے؟ کہنے لگا مدینہ سے تو مجھے اس کے ساتھ محبت ہوئی کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیار سے آیا ہوا ہے میری کیفیت کو دیکھ کر مجھ سے کہا کہ میری دعوت قبول کر لو، میں نے کہا بہت اچھا اتنا کہنے کے بعد بڑے میاں

نے تھیلی کھولی اور اس کے اندر جو ماحضر تھا اسے دستر خوان پر لگا دیا، میں نے بھی کھانا شروع کر دیا، وہ مجھ سے بات چیت کرنے لگا، میں نے پوچھا کہ بڑے میاں سنا ہے کہ مدینہ میں امام مالک رہتے ہیں اس نے کہا تمہیں ان سے ملنا ہے میں نے کہا: خواہش تو بڑی ہے سفر کے وسائل نہیں ہیں میرے پاس بہت لمبا سفر تھا، اس زمانے میں اونٹوں پر سفر کرتے تو دو ہفتے لگا کرتے اور پیدل مہینوں لگتے تھے، میں نے کہا: کہ سفر کے وسائل نہیں اس نے کہا ایک بندہ ہمارے ساتھ حج میں آیا ہوا تھا وہ فوت ہو گیا اور اب اس کا اونٹ خالی ہے۔ اگر تم ارادہ کرو تو یہ اونٹ جو کھڑا ہے اس پر لے جائیں گے میں نے فوراً ارادہ کر لیا، قافلے والوں نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا اور میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ سولہ دن میں پہنچا، اس دوران میں نے سولہ مرتبہ قرآن مجید مکمل پڑھ لیا، یہ اس زمانہ کے طالب علم تھے آج عمرہ والے جاتے ہیں اور پورے سفر میں ایک قرآن ان کے لیے پڑھنا مشکل بن جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ سولہ دن سفر کیا، سولہ قرآن کریم مکمل پڑھ لیے جب میں مسجد نبوی پہنچا، نماز کا وقت ہو چکا تھا میرا وضو تھا تو میں بھی جماعت میں شریک ہو گیا کہنے لگے نماز پڑھنے کے بعد لمبے قد کا آدمی تہبند باندھے ہوئے اور ایک چادر لپیٹی ہوئی ہے، ایک اونچی جگہ پر بیٹھ کر کہنے لگا: ”قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں سمجھ گیا کہ یہ امام مالک ہیں، لوگ ان کے سامنے بیٹھ گئے، میں بھی بیٹھ گیا؛ ان دنوں امام مالکؒ احادیث کی روایت کروا رہے تھے، آپ حدیث روایت کرتے طلبہ کاغذ قلم سے لکھ رہے تھے، فرمانے لگے: انہوں نے حدیث روایت کرنی شروع کی، سب نے کاپی پر لکھنی شروع کی میں مسافر تھا۔ نہ کاغذ نہ قلم، وسائل ہی نہیں تھے، دل میرا بڑا چاہا کہ کاش مجھے بھی ان طلبہ سے مشابہت ہو جاتی، میں بھی حدیث کی کتابت کرتا یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے ایک تنکا نظر آیا میں نے وہ تنکا اٹھا لیا پھر دل میں

کہا: اچھا ہونٹوں کی تری سے لگا تا ہوں یہی سیاہی ہے اور جو وہ پڑھ رہے تھے میں اس کو ہتھیلی پر لکھ رہا تھا، چلو مجھے طلبہ کے ساتھ تشبہ حاصل ہو جائے گا ،امام مالک نے کچھ احادیث سنائی، اگلی نماز کا وقت ہو گیا مجلس برخاست ہوگئی، لوگ وضو کرنے چلے گیے، میرا وضو تھا، میں بیٹھا رہا امام مالک نے مجھے بلایا، نوجوان کہاں سے آئے ہو؟ مکہ سے آیا ہوں یہ تم ہتھیلی پر کیا کر رہے تھے جو احادیث آپ سنا رہے تھے وہ لکھ رہا تھا۔ اپنی ہتھیلی دکھاؤ، جب میری ہتھیلی دیکھی تو کچھ بھی لکھا ہوا نہیں وہ کہنے لگے یہ تو حدیث پاک کی شان میں گستاخی ہے کہ تم اس طرح اپنے ہونٹوں کا لعاب لگا کے حدیث لکھتے ہو یہ مناسب نہیں، میں نے کہا حضرت میں مسافر ہوں نہ قلم ہے نہ کاغذ، میں آپ کے شاگردوں کے ساتھ تشبہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہا تھا، حقیقت میں آپ جو پڑھا رہے تھے میں ان کو اپنے دل پر لکھ رہا تھا کہتے ہیں میرے اس جواب پر بڑے حیران ہو کر کہنے لگے، اگر تم دل پر لکھ رہے تھے تو سناؤ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں امام مالکؒ نے ایک سو تیئیس احادیث سنائی تھیں میں نے تمام احادیث متن اور روایت کے ساتھ ان کو سنا دی۔

یہ اس زمانہ کے طلبا ہوتے تھے جیسے اسفنج اگر اس کو پانی میں ڈالے تو نس نس چوس لیتا ہے بالکل یہ طلبا کی حالت ہوتی تھی، اتنا حسین طلب ہوتا تھا کہ استاذ کے علم کو فوراً جذب کر لیتے تھے۔ خشک زمین ہو، عرصے سے بارش نہ ہوئی ہو ذرا بوندیں گریں پتہ بھی نہیں چلتا ہے وہ زمین پی جاتی ہے، اس زمانے کے طلبا کی یہی حالت تھی ان کے سامنے استاذ کلام کرتا تھا لکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی ان کا قوت حافظہ ایسا تھا کہ ان کو ڈائرکٹ یاد ہو جایا کرتا تھا یہ امام شافعیؒ تھے۔

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں: میں اپنے گھر سے نکلا تو میں تیس برس علم حاصل کرنے

میں لگائے، اس حال میں کہ میرے پاس بستر نہیں تھا میں سردی سے بچنے کے لیے صف میں سوتا تھا اس صف کے ایک کنارے پر لیٹ کر پکڑ لیتا اور گھومنا شروع ہو جاتا تھا، صف میں لیٹ جاتا تو میرے جسم کو سردی ذرا کم لگتی تھی سر پاؤں کو لگ رہی ہوتی تھی، اس طرح رات گذارا کرتا تھا اگر ہم طلب علم کی مثالیں دیکھیں، دینِ اسلام میں علم طلب کرنے کے لیے نوجوان بچوں نے جو قربانیاں دیں، ایسی تاریخ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتی، چناں چہ ابن تیمیہؒ کو حاکم وقت نے قید کرلیا، تیسرا دن ہوا ایک نو جوان حاکم وقت کے دفتر میں آیا، آنکھوں میں آنسو تھے دیکھ کے حیرت ہوئی، چہرے پر تقویٰ اور نورانیت و معصومیت تھی سب لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ نوجوان جو فریاد لے کے آیا اس کو پورا کر لینا چاہیے، حاکم وقت نے پوچھا نوجوان، تمہارے چہرے پر اتنی معصومیت ہے رو کیوں رہے ہو، میں ایک فریاد لایا ہوں، اس نے کہا بتاؤ تمہاری فریاد کو پورا کیا جائے گا، شاگرد نے کہا کہ میں یہ فریاد لے کے آیا ہوں کہ آپ مجھے جیل بھیج دیجیے۔ ہاں جیل بھیج دیجیے۔ جی میرے اوپر احسان فرمائیے؛ مجھے جیل بھیج کر حاکم وقت نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: تین دن سے آپ نے میرے استاذ کو جیل میں بند کیا ہے، میرا سبق ناغہ ہو رہا ہے، مجھے بھی جیل بھیج دیں میں جیل کی صعوبتیں برداشت کرلوں گا اور استاذ سے وہاں سبق پڑھ لیا کروں گا، یہ اس زمانے کے طلبا تھے جو جیل میں جانے کی دعائیں اور تمنا کیا کرتے تھے۔

ایک واقعہ تو اور عجیب ہے امام محمدؒ ایک شہر میں درس دیتے تھے، ایک قریبی شہر کے لوگ آئے حضرت! سارے لوگ تو یہاں نہیں آسکتے ہمارے یہاں بھی درس دے دیں فرمایا: بھئی مسافت اتنی ہے کہ اگر میں یہاں سے وہاں جاؤں اور واپس آؤں تو وقت نہیں بچے گا، انھوں نے کہا: حضرت ہم سواری کا انتظام کر دیتے ہیں آپ درس دینے کے بعد

سواری پر بیٹھیں اور تیزی سے چل کے وہاں پہنچ جائیں وہاں درس دیں اور سواری میں واپس آجائیں، امام محمدؒ نے اس بات کو قبول کرلیا۔ اب درس پورا ہوتا فوراً سواری پر بیٹھتے سواری بھی تیز چلتی تھی گھوڑا یا اونٹ جو بھی تھا، دوسری جگہ درس دیتے پھر واپس آتے۔ ایک طالب علم آیا امام محمدؒ سے کہتا ہے حضرت مجھے آپ سے فلاں کتاب پڑھنی ہے، حضرت نے فرمایا: میں پڑھاؤں تو صحیح، میرے پاس تو وقت ہی نہیں، میں یہاں درس دیتا، پھر سواری پر سوار ہو کے وہاں جاتا اور درس دے کر پھر واپس آتا ہوں؛ اس نے کہا: حضرت آپ یہاں درس دے کر جب سواری پر روانہ ہوتے ہیں تو راستے میں آپ سواری پر بیٹھے بیٹھے تقریر فرما دیا کرنا، میں سواری کے ساتھ بھاگتا ہوا آپ سے علم بھی حاصل کرتا رہوں گا؛ تاریخ انسانیت میں طلب علم کی ایسی مثال کوئی دوسری قوم پیش نہیں کرسکتی کہ اتنا حسن طلب۔ ''اللہ اکبر کبیرا'' استاذ سواری پر سوار ہو کے جارہا اور تقریر کررہا ہے، شاگرد بھاگ بھی رہا اور اس کا لیکچر بھی سن رہا ہے، قربانیاں دیں، آپ کہیں گے یہ تو پہلے زمانے کے لوگ تھے تو چلئے قریب کے زمانے کی بات سنیے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے واقعات میں فرماتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں دارالعلوم دیوبند ایسے وقت پہنچا جب داخلے بند ہوگئے، ناظم تعلیمات کے پاس گیا کہ حضرت مجھے داخل فرما لیجیے فرمایا: داخلے بند ہیں، میں نے کہا حضرت آنے میں دیری ہوگئی، انہوں نے کہا: بھئی ہم داخلہ نہیں کرسکتے، میں نے پوچھا حضرت وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا دیکھو بھئی دارالعلوم ابتدائی حالت میں ہے، نہ مطبخ ہے نہ کوئی طباخ، یہ قریہ ہے بستی نہیں، قریہ کے لوگوں نے ایک طالب علم، دو طالب علم، تین طالب علم کے کھانے کی ذمہ داریاں اپنے ذمہ لیا ہوا ہے، وہ طلبہ پڑھتے یہاں اور کھانا ان کے وہاں کھاتے ہیں،

اب پورے قریہ میں ایک گھر بھی ایسا نہیں جو کسی بھی ایک طالب علم کا کھانا اپنے ذمے لے تو ہم آپ کو نہیں رکھ سکتے، فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: حضرت! کھانا میری ذمہ داری، آپ مجھے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دے دیں، مجھے داخلہ مل گیا، اب داخلہ ملنے کے بعد میں طلبا کے ساتھ دارالعلوم سے باہر نکلتا دیوبند بستی میں اس وقت دو سبزی فروش کی دو کانیں تھیں؛ میں وہاں چلا جاتا، کبھی تربوز تو کبھی خربوز کے چھلکے، کبھی امرود اور کبھی سیب کے چھلکے، میں وہ چھلکے اٹھا کے لاتا اُن کو دھو کر صاف کر کے کھالیتا، یہ میرا چوبیس گھنٹے کا کھانا ہوتا، میں نے سارا سال پھلوں کے چھلکے کھا کر گذارا کیا لیکن اپنے سبق کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔ فرماتے ہیں کہ دورانِ سال میرے عزیز رشتہ دار مجھے خط لکھتے میں ڈر کے مارے پڑھتا نہیں تھا، بھئی خوشی کی خبر ہوگی تو جانے کو دل کرے گا، غم کی خبر ہوگی تو طبیعت پڑھائی میں نہیں لگے گی اس لیے خط ہی مت پڑھو، میں نے مٹکا بنایا ہوا تھا سارے خط مٹکے میں ڈال دیتا، جب سال کے امتحان سے فارغ ہو جاتا تو اس وقت ان خطوں کو نکالتا اور پڑھ کر میں فہرست بناتا کہ فلاں کو خوشی ملی' فلاں کو غم' فلاں بیمار' فلاں کو بیٹا ہوا' فلاں کو یہ ہوا، پوری فہرست بنا کے میں اپنے گھر واپس آتا اور سب رشتے داروں کے پاس جاتا، خوشی والوں کو مبارکباد دیتا اور غم والوں کی تعزیت کرتا، جیسا بھی کہتا لوگ مجھ سے بڑے خوش ہوتے کہ اس بچہ نے ہمارے خط کو ایک سال یاد رکھا، حالاں کہ میں نے خط کو پڑھا ہی تھا ایک سال کے بعد۔ یہ تو قریب کے زمانے کے بزرگ ہیں یہ تھے طلباء، جو طلباء کہے جانے کے مستحق تھے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سارے ہی طلبا ایسے ہوتے تھے کہ پلے کچھ نہیں ہوتا نہ کھانا نہ پینا ، نہ بستر پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، غرباء بھی تھے اور امراء بھی تھے۔

چناں چہ امراء کی مثالیں سن لیجیے کہ عبداللہ ابن مبارکؒ ایک ترکی تاجر کے نواسے

تھے اور تر کی تاجر کی پوری میراث ان کی والدہ کو ملی ان کی اور اولاد تھی نہیں تو یہ اپنے منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے ان کے والد نے پڑھنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے بیس ہزار دینار سفر خرچ دیئے اور انہوں نے پھر چار ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا، بہت پیسہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے انہوں نے اپنی پوری دولت علم کو حاصل کرنے میں لگا دی، پھر اللہ نے وہ مقام دیا کہ جب امام احمد بن حنبلؒ سے ملنے کے لیے آئے ہیں تو امام احمد ابن حنبلؒ اٹھ کر کھڑے ہوئے، عبداللہ ابن مبارک کو اپنی مسند پر بٹھایا کرتے تھے، یہ نواب زادے تھے، علم اللہ نے ان کو عطا کیا۔

ہارون رشید کا ایک بیٹا محل میں رہتا تھا مگر اس کو محل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، سادہ کھاتا، سادے کپڑے پہنتا، ہارون رشید نے کہہ دیا کہ لوگ تیری وجہ سے طعنہ دیتے ہیں کہ جی آپ کے بچے کو کچھ ہو گیا ہے، علاج کراؤ تو مجھے باتیں سننی پڑتی ہیں، بیٹے نے کہا کہ ابا جان! اگر آپ کو باتیں سننی پڑتی ہیں تو مجھے اجازت دیں میں علم حاصل کرنے یہاں سے جاتا ہوں، ہارون رشید نے اجازت دے دی، ماں نے اس کو جاتے ہوئے ایک انگوٹھی اور قرآن پاک دے کر کہا بیٹا! تم قرآن پاک پڑھنا تو اماں کو یاد کرنا اور اگر کوئی ضرورت پڑے تو یہ انگوٹھی بیچ کے ضرورت پوری کر لینا، وہ نوجوان گیا مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہتا، ہفتے میں ایک دن کام کرتا وہ بھی جب مدرسے میں چھٹی ہوتی تو دن میں مزدوری کرتا اور مزدوری کر کے اتنی مزدوری لیتا جس سے اس کو چھ روٹیاں مل جاتی تھیں، ہر روز ایک روٹی کھا کر چوبیس گھنٹے گزارتا تھا اور ساتویں دن پھر مزدوری کر لیتا، لوگوں کے گھر بناتا، اس شہزادہ نے اس حال میں زندگی گزاری، تنگی تھی رزق کی، مگر اس نے اس حال میں رہ کر علم حاصل کرنا پسند کیا۔ تفصیل پڑھنی ہو تو حضرت شیخ الحدیث نے تفصیل کے ساتھ

اس واقعہ کو لکھا ہے۔ اس وقت امراء کے بچے بھی علم حاصل کرتے تھے اور یہی نہیں کہ مرد ہی کرتے تھے، عورتیں بھی کرتی تھیں۔

چلئے میں آپ کو اسی گھر کا واقعہ سناؤں حضرت قاری طیب صاحب پاکستان تشریف لائے ہمارے حضرت سے بہت دوستانہ تعلق تھا، سب سے پہلی ملاقات ان کی حضرت سے حرم مکہ میں ہوئی تھی ہمارے حضرت کا چہرہ بڑا منور تھا، وہ اتنے خوب صورت اور پرانوار تھے کہ جو بندہ دیکھتا وہ بے اختیار کہتا ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ حضرت قاری محمد طیب صاحب کا چہرہ بھی ایسا پرانوار تھا، جب حضرت نے دیکھا تو فرمانے لگے قاری صاحب آپ نے یہ چہرہ کیسے بنایا؟ تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ یہ چہرہ میں نے نہیں بنایا، میرے شیخ نے بنایا، انہوں نے ایک محفل میں واقعہ سنایا، حضرت نانوتوی کی شان میں، اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے نواب صاحب، ان کو حضرت نانوتوی صاحبؒ سے بڑی محبت تھی عرصہ سے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ میں آپ کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہوں حضرت نانوتوی نے ہاں کردی نکاح ہو گیا، نواب صاحب نے اپنی بیٹی کے لیے اس زمانے میں جب کہ استاد کی تنخواہ دو روپے ہوتی ایک لاکھ روپے کے زیورات بنائے اور اپنی بیٹی کو رخصت کیا، جب رخصتی ہوگئی تو حضرت نانوتویؒ پہلی رات اپنی اہلیہ کے پاس آئے تو اہلیہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس آکر سلام کیا، چارپائی پر بیٹھ گیے اور فرمایا کہ شادی کا مقصد ہوتا ہے کہ خاوند بیوی کے ذریعہ گناہ سے بچے اور بیوی خاوند کے ذریعہ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ زندگی تب اچھی گزرتی ہے جب میاں بیوی دونوں ایک لیبل پر ہوں، میں تمہاری مانند امیر بننا چاہوں تو ساری زندگی محنت کروں تو نہیں بن سکتا اور تم میری طرح بننا چاہو تو ابھی بن سکتی ہو تو میں نے پوچھا

کیسے؟ فرمانے لگے کہ جتنے زیورات ہیں یہ سارے اللہ کے راستہ میں بھیج دو، فرماتی ہیں میں نے ایک لاکھ روپئے کے سارے زیور نکالے حضرت نے رومال میں باندھے اور اگلے دن اللہ کے راستہ میں پہنچا دیا، اگلے دن میں گھر میں تھی تو محلّہ کی عورتیں دیکھنے کے لیے آئیں تو جب شادی ہوتی ہے تو دلہن کو دیکھنے کے لیے بوڑھی بوڑھی عورتیں آتی ہیں وہ دلہن کو کم دیکھتی ہیں، اپنے دلہن کے زمانے کو زیادہ یاد کرتی ہیں کہنے لگیں، بوڑھی عورتیں آ گئیں دو تین اور انہوں نے مجھے دیکھا تو میرے جسم پر زیور ہی نہیں، ان میں ایک بوڑھی فتنے کی تھی کہنے لگی یہ تو باپ کا بوجھ بنی ہوئی تھی لگتا ہے اس نے جان چھڑائی ہے کہنے لگیں جب میں نے یہ سنا تو میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے مجھے روتے ہوئے دیکھا فرمایا: خیریت ہے !میں نے کہا: نہیں، بس آپ مجھے میرے والد کے گھر چھوڑ دیں، حضرت نانوتویؒ نے میری خواہش کا احترام کیا اور مجھے اسی وقت لے کر میرے والد کے گھر چھوڑ دیا اس زمانے میں مردان خانہ الگ اور زنان خانہ الگ ہوتا تھا، مرد لوگ مردان خانہ میں رہتے اور بوقت ضرورت گھر کی عورتوں سے ملاقات کرتے کہنے لگیں: میں دو دن وہاں رہی، تیسرے دن میرے والد زنان خانہ میں آئے تو نظر پڑی تو کہا بیٹی تم یہاں ہو تو پتہ چلا یہ ایک ہی دن رہ کر آ گئی پوچھا کیوں؟ تو میں نے پھر رونا شروع کر دیا کہ میرے ساتھ تو یہ ہوا، میں نے زیورات خوشی سے اپنے نفس سے دیئے تھے مگر اوروں کا جو طعنہ تھا اس نے میرا دل دکھایا۔ نواب صاحب کہنے لگے بیٹی یہ کون سی بڑی بات ہے، نواب صاحب نے ایک لاکھ روپئے کے زیورات اور بنوائے اور پھر اپنی بیٹی کو دے کر رخصت کر دیا، کہنے لگیں: جب میں آئی تو رات کو نانوتویؒ تشریف لائے، سلام کیا فرمانے لگے، دیکھیے میں نے تو

آپ کو ایک مشورہ دیا تھا کہ اللہ کے راستہ میں دے دو، تم نے اپنی چاہت اور مرضی سے دیا اگر تمہاری چاہت نہیں تھی تو نہ دیتیں، میں نے مجبور تو نہیں کیا تھا۔ اب تمہارے والد صاحب کے سامنے میری رسوائی ہوئی کہ میں نے مجبور کیا اور میں نے اس لیے کہا تھا کہ یہ سانپ اور بچھو اپنے ہاتھوں اور گلے میں کیسے پہنوگی؟ کہتی ہیں حضرت نانوتوی کے الفاظ میں ایسی توجہ اور تاثیر تھی، کہ مجھے بالکل یہ لگا کہ میری انگوٹھیاں بچھو یہ زیورات سانپ ہیں جو میرے گلے میں لٹکے ہوئے ہیں میں نے اسی وقت اپنے زیورات اتارنا شروع کر دیئے حضرت کہہ رہے ہیں نہیں اور میں اتارتی جا رہی ہوں سب زیورات اتار دیئے اور میں نے کہا: اب اس کو پھر اللہ کے راستہ میں دے دیجیے، آج کے بعد کسی کو نہیں کہوں گی، حضرت نانوتوی نے پھر ایک لاکھ کے زیورات اللہ کے راستہ میں بھیج دیئے، پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت نانوتوی سے پڑھنا شروع کیا، اتنا علم پڑھا؛ حضرت قاری صاحب فرمانے لگے، میں نے مشکوٰۃ شریف اپنی دادی اماں سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ سارے غریب غرباء علم حاصل کرتے تھے، امراء کے بیٹے بیٹیاں بھی علم حاصل کرتے تھے، علم تو ایک نعمت ہے نا، ہاں: فقیر طلباء بھی ہوتے اور اتنی قربانیوں سے پڑھتے تھے کہ ان کی قربانیاں دیکھ کر انسان حیران ہوتا تھا انہوں نے مثالیں قائم کر دیں، دین کے علم کو حاصل کرنے کے لیے مجاہدات کیے۔

میر مبارک بلگرامی محدث تھے پڑھانے کا وظیفہ نہیں لیتے چناں چہ کئی کئی دن کا فاقہ، ایک مرتبہ وضو کر کے اٹھے تو چکر آیا اور گر گیے ان کا شاگرد جن کا نام تھا میر حسین اس نے حضرت کو اٹھایا، پوچھا استاذ جی خیریت ہے! بتایا آج پانچواں دن ہے فاقہ کا، اس نے حضرت کو آگے بٹھایا اور چلا گیا، حضرت کو دل میں کھٹک گئی کہ میں تو بتا بیٹھا ہوں کہ فاقہ ہے

کچھ لے نہ آئے اور وہی ہوا وہ تھوڑی دیر کے بعد کھانا لے کر آ گیا، حضرت کھانا کھائیے ،فرمایا نہیں: مخلوق سے طمع رکھنا اس کو شریعت میں اسراف کہتے ہیں اور یہ حرام ہے، بولے میں کھانا نہیں کھاؤں گا، ہمارے جیسے ہوتے تو کہتے اللہ کی مدد آ گئی مگر ان حضرات کے اندر تقویٰ اتنا تھا، اس نے کہا کہ جی آپ کھا لیجیے فرمایا کہ نہیں، چوں کہ میرے دل میں ایک امید لگ گئی تھی کہ یہ کھانا لے کے آئے گا اب میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا مگر وہ شاگرد بھی پرہیز گار اور سمجھ دار تھے، اس نے اصرار نہیں کیا، کھانا لے کر واپس چلا گیا، نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد پھر پانچ منٹ بعد واپس آیا، حضرت جب میں نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا تو امید کٹ گئی تھی کہ لے گیا، اب کھا لیں تو حضرت نے کھانا تناول فرمایا۔

تین طلباء تھے ایک کا نام تھا ابن المقری، ایک کا نام تھا ابو شیخ، اور ایک کا نام تھا طبرانی، وہ کہتے ہیں ہم مسجد نبوی میں احادیث مبارکہ پڑھا کرتے استاد سے، لیکن کھانا اپنا ہوتا، ہم تینوں میں سے دو کے پاس کھانا ختم ہو گیا ایک دن روزہ دوسرے دن روزہ، تیسرے دن اٹھا نہیں جاتا تھا، میرے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ بھئی ہم گھر جاتے ہیں، بھوک نہیں برداشت ہوتی ہے میں نے ہمت کر لی مجھے رہنا یہیں ہے، میں حدیث پڑھنا نہیں چھوڑوں گا، کہنے لگے چوتھے دن میرے لیے اٹھ کر بیٹھنا مشکل ہو گیا، اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ طبرانی !تم جن کے مہمان ہو میزبان کو جا کے کیوں نہیں بتاتے، میں اسی وقت اٹھا اور روضہ اقدس پر حاضر ہوا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا صلوٰۃ وسلام پیش کیا، میں نے کہا ’’یا رسول اللہ الجوع ‘‘اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھوک لگی ہے۔ دعا مانگ کر میں وہاں سے باہر نکلا تو دروازہ کے اوپر ایک علوی النسب شخص تھا سر کے اوپر ہانڈیاں اور ہاتھ میں پھلوں کی ایک ٹوکری ہے،

میرا نام لے کر پکار رہا ہے، میں نام سن کر حیران ہوا، میں نے کہا: تمہیں میرا نام کس نے بتایا؟ کہنے لگا: میں مسجد نبوی کا پڑوسی ہوں دیوار ایک ہیدوپہر کے وقت قیلولہ کر رہا تھا، قیلولہ میں مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی فرمایا: علوی میرا ایک مہمان بھوکا ہے جاؤ اس کو کھانا کھلاؤ میری آنکھ کھلی۔ میں نے بیوی کو دیکھا کہ ہانڈیاں اتار رہی تھی، میں نے کہا اپنے لیے اور ہانڈیاں بنا لینا، مجھے ہانڈیاں اور روٹیاں دو، ہانڈیاں اور روٹیاں اٹھائیں اور دو چار قدم چل کے اس دروازہ پر آیا اور تمہارا نام پکارنا شروع کیا، تم اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہو ''اللّٰہ اکبر کبیرا '' اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو طلباء وعلماء کے ساتھ کیا محبت تھی اتنی قربانی کہ انسان حیران ہوتا ہے۔

چناں چہ امام بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے کئی دن فاقہ اٹھانا پڑا، کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، محلّہ میں ایک نان بائی کی دکان تھی وہاں روٹیاں پکتی تھیں میں کتاب لے کر تنور کے پاس جا کر بیٹھ جاتا کہ روٹی پکنے کی جو مہک آئے گی اس سے میرے لیے بھوک کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا ''اللّٰہ اکبر کبیرا '' اتنی بھوک برداشت کی ان اکابرین نے اللہ کے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے، اب آخری واقعہ سن لیجیے پھر بات کو سمیٹتے ہیں۔

بقی الدین ابن مخلد اکیس سال کی عمر تھی اکیس سال کی عمر جوانی دیوانی، مستانی کی ہوتی ہے، نوجوان طلبہ کے لیے وساوس نفسانی شہوات سے بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس عمر کے اندر دین کی طلب کا ہونا عجیب نعمت ہے، چناں چہ اندلس کے علاقہ میں ایک نوجوان تھے ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے ۷۵ سال کی عمر پا کے ۲۷۶ھ میں وفات ہوئی۔ انہوں نے تذکرہ سن رکھا تھا امام احمد ابن حنبلؒ کا، اس واقعہ کو امام ذہبیؒ نے ''سیر اعلام النبلاء ''

میں نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد ابن حنبل کا نام سن رکھا تھا دل میں بڑی خواہش ہوئی کہ میں ان کے پاس جاؤں اور حدیث کا علم پڑھوں لیکن راستے میں سمندر پڑتا تھا۔ اللہ پر توکل کر کے میں نے ایک جہاز کے کیپٹن سے بات کی اور سفر پر نکل پڑا، اللہ کی شان کئی مہینے سفر کرنا پڑا، درمیان میں کشتی راستہ بھی بھول گئی تو سفر اور لمبا ہوگیا، اس سفر کے اندر ایسا وقت بھی آگیا جب سمندر کے اندر طوفان ہوتا ہے، اس وقت کشتی لنگر انداز ہوجاتی کہ اگر چلتی رہے تو الٹ جائے گی، بندے ڈوب جائیں گے تو لنگر ڈال دیتے تھے، ایک ایک ہفتہ طوفان رہتا اور کشتی ایک ہی جگہ پر کھڑی رہتی، جھٹکے لگ رہے ہیں، ابکائیاں آتی تھیں پیٹ کی بیماریاں ہوجاتی کہنے لگے: میں اتنا بیمار ہوگیا کہ ڈی ہائے ڈریشن (جسم میں پانی کا کم ہونے) کا شکار ہوگیا۔ قسمت سے طوفان کم ہوگیا اور ہم آگے چلے، بالآخر زمین پر آئے وہاں سے پیدل سیکڑوں میل کا سفر کرنا تھا، میرے کپڑے گندے کھانے پینے کا سامان کچھ نہ بچا اور میں اپنے سامان کو کمر پر رکھ کر چل رہا تھا، نقاہت کی وجہ سے میں گرنے لگتا، خدا خدا کر کے وہ وقت آیا کہ میں بغداد کے قریب پہونچا جب سامنے بغداد کا شہر نظر آیا تو میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا، نیند آگئی آنکھ کھلی تو میں نے اس وقت بغداد شہر کی طرف چلنا شروع کیا، مجھے راستہ میں ایک آدمی آتا ہوا ملا سلام دعا ہوئی میں نے پوچھا سنائیں احمد ابن حنبلؒ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: کیوں پوچھ رہے ہو؟ کہا کہ میں ایک طالب علم ہوں، ہزاروں میل کا سفر کر کے دھکے کھائے ہیں ان سے علم پڑھنے کے لیے، اس نے میرا چہرہ دیکھا اور کہنے لگا اے طالب علم! افسوس کہ تیری یہ حسرت پوری نہیں ہوسکتی کہنے لگے: میری حسرت پوری نہیں ہوسکتی! اس نے کہا: ہاں! حاکم وقت امام احمد بن حنبلؒ سے کسی بات سے ناراض ہوکر اس نے جامع مسجد میں اس کا درس

موقوف کردیا اور گھر میں نظر بند کر دیا کہ یہ نہ لوگوں سے مل سکتے ہیں اور نہ لوگ ان سے مل سکتے ہیں، تم علم حاصل نہیں کر سکتے، کہنے لگے میرے لیے یہ خبر عجیب تھی، ہمت نہیں ہاری شہر میں گیا، ایک سرائے کے اندر کمرہ کرائے پر لیا، میں نے وہاں رات گذاری تھکاوٹ کی وجہ سے نیند گہری آئی دوسرے دن میرے دل میں خیال آیا کہ اچھا کسی کا تو درس ہوتا ہوگا، سرائے والے سے پوچھا کہ شہر میں کس کا درس ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ یحییٰ بن معین کا جو جرح وتعدیل کے امام تھے ان کا مسجد میں عصر کے بعد درس ہوتا ہے میں عصر کے بعد وہاں پہنچا یحی بن معینؒ نے تھوڑی دیر حدیث پاک کا درس دیا پھر اس کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ تھا، لوگوں نے سوال پوچھنے شروع کیے، ایک نے سوال پوچھا دوسرے نے پوچھا، اب میں کھڑا ہوا میں نے کہا: کہ مجھے ہشام بن عمارؒ کے بارے میں بتائیں انہوں نے کہا: وہ اتنے ثقہ ہیں کہ ان کی چادر کے نیچے عُجب بھی نظر آئے تب بھی ان کی ثقاہت پر فرق نہیں پڑتا۔ میں نے کہا: بہت اچھا مجھے ایک دوسرا سوال پوچھنا ہے پاس والے لوگوں نے میرے کپڑے کھینچنے شروع کر دیئے، انہوں نے کہا تو نو وارد نظر آتا ہے، اس مجلس کا دستور ہے کہ ہر بندہ ایک سوال پوچھ سکتا ہے ایک بندہ سارے سوال پوچھے گا تو باقی کیا پوچھیں گے ایک سوال پوچھ چکا اب بیٹھ جا، میں نے کہا میں مسافر، غریب الدیار ہوں، میرا حال دیکھ رہے ہیں، اصل سوال تو مجھے اور پوچھنا تھا یہ تو میں ایسے ہی پوچھ بیٹھا پتہ ہوتا تو میں وہی سوال پوچھتا میں نے بڑی منت سماجت کی، لوگوں کو مجھ پر ترس آیا کہنے لگے: اچھا پوچھو میں نے یحییٰ بن معینؒ سے پوچھا کہ آپ احمد بن حنبلؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کہنے لگے میرے سوال پر سناٹا چھا گیا، مقامی لوگ حیران کہ بادشاہ ان کے اتنا خلاف اور یہ مجمع میں سوال کر رہے ہیں، یحییٰ بن معینؒ نے تھوڑی دیر سر جھکایا پھر سر اٹھا کے فرمایا کہ امام

احمد بن حنبلؒ تو امام المسلمین ہیں، کہنے لگے میرے دل میں یہ بات رچ گئی کہ اب جو قربانی دینی پڑے میں امام احمدؒ سے علم حاصل کر کے رہوں گا، میں گھر آیا، راستے میں میں نے ایک بندے سے کہا کہ مجھ کو امام احمد بن حنبلؒ کا گھر دکھا سکتے ہیں، اس نے کہا کہ بھئی پولیس والے اگر مجھے اور تجھے دیکھیں تو سزا دیں گے، میں نے کہا: تم سامنے سے گذر جانا اور آنکھ کے اشارے سے کہہ دینا میں سرائے میں واپس آیا، میں ساری رات سوچ رہا ہوں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے علم کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ عزیز طلباء تقابل تو کیجیے آج دو وقت کا کھانا آرام سے ملتا ہے، پنکھے کمرے میں لگے ہوئے ہیں استاذ پڑھانے کے لیے موجود ہیں پھر بھی ان کو فجر کے لیے جگانا پڑتا ہے اور طلباء درس میں بیٹھے ہوتے ہیں توجہ کہیں اور ہوتی ہے؛ ایک وہ طالب علم تھے کہ استاذ گھر کے اندر مقید ہے اور شاگرد سوچ رہے ہیں کہ میں استاذ سے پڑھوں کیسے؟ کہنے لگے ساری رات سوچتے رہے میرے ذہن میں خیال آیا، اگلے دن میں اٹھا، میں نے ایک کشکول بنالیا اور اپنے گھٹنے کو ایک کپڑے سے باندھا اور ایک کپڑا اپنے سر پر لپیٹ لیا، جیسے کوئی لنگڑا چلتا ہے میں سرائے سے باہر نکلا اور میں نے کہنا شروع کیا: ''**اجرکم علی اللّٰہ، اجرکم علی اللہ**'' کچھ لوگ مجھے غور سے دیکھتے، نوجوان ہے کیوں نہیں محنت کر لیتا؟ میں نے ان کی تیکھی نظریں، ترش نگاہیں بھی برداشت کیں، میں ہر ایک کے سامنے اپنے آپ کو پامال کرتا بھیک مانگنا آسان کام ہوتا ہے؟ میں سارا دن بغداد کے مختلف راستوں پر بھیک مانگتا اور ایسے وقت میں کہ مجھے اندازہ تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں ہوتے ہیں جو ظہر کے بعد کا وقت ہوتا ہے تو لوگ قیلولہ کے لیے گھروں میں آجاتے ہیں آمد و رفت کم ہو جاتی ہے وہ وقت نوٹ کر کے میں امام احمد بن حنبلؒ کے دروازے پر پہنچا، بڑی زور سے آواز لگائی، ''**اجرکم علی اللہ، اجرکم**

علی اللہ" اتنی درد والی میری آواز تھی کہ امام احمد بن حنبلؒ نے دروازہ کھولا ہاتھ میں ایک سکہ تھا وہ مجھے محتاج سمجھ کر دینا چاہتے تھے میں نے کہا: حضرت! میں مال کا سائل نہیں میں محبوب کی سنتوں کو جمع کرنے والا بندہ ہوں، میں آپ سے حدیث کا علم حاصل کرنے آیا ہوں، امام صاحب نے کہا: پولیس تمہیں اور مجھے سزا دے گی، میں نے کہا: حضرت! میں سارا دن سائل بن کر مانگتا پھروں گا اور اس وقت آپ کے گھر کے سامنے آکے صدائیں لگاؤں گا سکہ اپنے پاس رکھ لیں، آپ دروازہ کھولنا کوئی نہ ہو تو مجھے دو چار حدیثیں سنا دینا کوئی آجائے تو آپ سکہ ڈال دینا میں چلا جاؤں گا امام صاحب تیار ہو گیے میں ایک سال بغداد شہر میں بھیک مانگتا رہا" **اجر کم علی اللّٰہ، اجر کم علی اللّٰہ**" اور پھر میں ظہر کے بعد امام صاحب کے گھر جاتا، دروازہ کھلتا کبھی دو چار حدیثیں سنا دیتے کبھی کسی کے آنے کی وجہ سے سکہ ڈال دیتے تھے میں چلا جاتا میں نے پورا سال امام احمدؒ سے اس طرح علم حاصل کیا۔

اللہ کی شان کہ حاکم وقت کی وفات ہوئی جو نیا حاکم بنا اس کو امام احمد بن حنبلؒ سے عقیدت تھی اس نے نظر بندی بھی ختم کر دی اور ان کا جو مسجد کا درس تھا وہ بھی شروع کروا دیا فرماتے ہیں کہ جب امام احمد بن حنبلؒ کو درس دینا تھا تو بغداد کے لوگوں پر عید کا سماں تھا، عصر کا وقت ہوا مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی میں نے بڑی کوشش کی کہ جاؤں اور استاذ کے قریب بیٹھوں، بھیڑ کی وجہ سے میں قریب پہنچ نہ سکا ذرا دور کھڑا تھا امام صاحب آئے ان کی نظر مجھ پر پڑی، امام صاحب کہنے لگے: لوگو اس طالب علم کو آگے آنے دو، علم کا حقیقی طلب گار تم میں سے یہ شخص ہے "اللہ اکبر کبیرا"، علم حاصل کرنے کے لیے بھیک مانگتے تھے۔

ابو جعفر منصور حدیث کا عالم تھا ایک مرتبہ وزراء نے کہہ دیا کہ اللہ نے آپ کو دنیا

کی اتنی نعمتیں دی ہیں "قیل لابی جعفر منصور هل بقی من نعم الدنیا شیء" کوئی ایسی بھی خواہش ہے جو اللہ نے پوری نہ کی ہو"قال شیٔ واحد "ایک بات میری پوری نہیں ہوئی"قالوا وما هو" کہنے لگے کون سی"قال" کہنے لگا"قال المحدث للشیخ حدثنی" کہ وہ شاگرد جو اپنے شیخ کو کہتے ہیں کہ اے استاد! ہمیں حدیث سنائیے. جی چاہتا ہے کہ میرے پاس علم ہوتا کوئی مجھ سے بھی علم حاصل کرتا "قال فغدا علیه الوزراء" تو جو وزراء تھے وہ اپنے کاغذ قلم اور دواتیں لے کر آ گیے، اور سامنے بیٹھ گئے "فقالوا" آپ ہمیں حدیث سنائیے "فقال لوزرائه" اس وقت ابو جعفر منصور نے اپنے وزراء سے کہا"لستم بهم" تم طالب علم نہیں ہو"انما هو الدنسة ثيابهم" طالب علم تو وہ تھے کپڑے میلے ہوتے تھے"المغبرة وجوههم" چہرے ان کے گرد آلود ہوتے تھے"المشققة ارجلهم" ان کے پاؤں کی ایڑیوں کا گوشت پھٹا ہوتا تھا "الطويلة شعورهم" ان کے بال بڑے ہوتے تھے"رواد الآفاق "دنیا کی خاک چھانتے تھے، علم حدیث حاصل کرنے کے لیے"قطاع المسافات "مسافتوں کو پیدل طے کرنے والے ہوتے تھے"تارة بالعراق وتارة بالحجاز" کبھی عراق جاتے حدیث لینے کے لیے تو کبھی حجاز جاتے تھے"وتارة بالشام و تارة باليمن " کبھی شام جاتے کبھی یمن جاتے تھے"فهؤلاء نقلة الحديث "حدیث کی نقل کرنے والے اور حدیث لینے والے یہ لوگ ہوا کرتے تھے، جنہوں نے دنیا کی مشقتیں اٹھائیں مگر نبی علیہ السلام کی احادیث کو جمع کیا، سینے سے لگایا، مبارک باد کے لائق ہیں وہ نوجوان۔

نوجوان طالب علموں! اپنی قسمت پر اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کرو، اللہ رب العزت نے آپ کو اس دین کے لیے چنا ہے آپ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں اس کی

دلیل قرآن عظیم الشان میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں ''ثم اورثنا الکتٰب'' پھر میں نے کتابوں کا وارث اپنے ان بندوں کو بنایا'' الذین اصطفینا ''جو میرے بندوں میں سے چنے ہوئے تھے، کتاب کے وارث وہی بنتے ہیں جن کا اللہ کے یہاں چناؤ ہوتا ہے، یہ خوش نصیب اگر چہ ظاہر میں معمولی کپڑے پہنتے، مشقتیں اٹھاتے ہیں مگر ان کا اللہ کے یہاں بلند مقام ہے، ذرا غور کیجیے آپ مختلف لوگ صبح کرتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ نے کپڑا رکھ دیا وہ کپڑے کو کاٹتا اور جوڑتا ہے، ہم اس کو درزی کہتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ رب العزت نے لکڑی رکھ دیا وہ اس کو کاٹتا اور جوڑتا اور فرنیچر بناتا ہے، ہم اس کو کارپینٹر کہتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ رب العزت نے اینٹ رکھ دیا ایک اینٹ کو دوسری اینٹ سے جوڑتا ہے، ہم اس کو معمار کہتے ہیں وہ مکان کی تعمیر کرتا ہے، کسی کے سامنے اللہ نے لوہے کے پرزوں کو رکھ دیا وہ لوہے کے پرزوں کو کھولتا جوڑتا ہے، اس سے اس کا نام گزران ہوتا ہے، آج کسی کے سامنے کچھ رکھا، کسی کے سامنے کچھ، عزیز طلبائے کرام! سلام کرتا ہوں آپ کی عظمت کو آپ صبح کو اٹھتے ہیں تو اللہ آپ کی جھولی میں اپنا قرآن اور اپنے محبوب کا فرمان رکھ دیتا ہے، آپ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں، اللہ نے آپ کو اس کام کے لیے چن لیا، قیامت کا دن ہوگا، اس وقت اصحاب صفہ کھڑے ہوں گے اللہ ان سے پوچھے گا، بتاؤ میرے بندو، کیا لے کر آئے ہو، اس وقت یہ طلبہ بھی کھڑے ہوں گے کہ اے اللہ! ہم علم و عمل میں تو ان کے پیچھے نہ چل سکے جیسا چلنا چاہیے تھا مگر اے مولیٰ ہم نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشس کی تھی۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت ہمارا قیامت کے دن یہ آسرا ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں طالب علموں میں شمار کر دیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اپنے طلبہ کے سامنے ایک حدیث مبارکہ تلاوت کرتے تھے، قیامت کا دن ہوگا، اللہ کے سامنے علماء اور طلبہ کھڑے ہوں گے اللہ فرمائیں گے ''**یامعشر العلماء**'' اے علماء کی جماعت میں نے تمہارے سینے کو علم کے نور سے اس لیے نہیں بھرا تھا کہ آج دوسروں کے سامنے میں تمہیں رسوا اور مواخذہ کروں ''**فانطلقوا**'' جاؤ۔ میں نے تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا، اس دن طلباء کو پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت کی کیا نظر کرم ہوئی اور یہ نسبت کتنی کام آگئی ہمارے پلے کچھ نہیں مگر اتنا ضرور ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھیں گے میرے بندو کیا کرتے تھے عرض کریں گے اللہ چٹائیوں پر بیٹھتے تھے گھٹنوں کو دیکھ لیجیے جیسے جانوروں کو نشان پڑے ہوتے ہیں نیچے بیٹھتے بیٹھتے ہمارے نشان پڑ گیے، میرے مولیٰ، بس! اسی کو قبول کر لیجیے ہمارے عملوں کو نہ دیکھیے، ہمارے عمل خالص نہیں مگر مولیٰ کوشش کیا کرتے تھے، میرے مولیٰ یہ وہ وقت تھا جب لوگ انگریزی تعلیم کی طرف، کالج اور یونیورسٹیوں کے لیے بھاگتے تھے ہمارے لیے مدرسوں میں جانا بھی طعنہ بنتا جا رہا تھا، اپنے پرائے سمجھتے اور کہتے ان کاموں میں لگے ہوئے ہو، اللہ یہ وہ وقت تھا مگر اے اللہ! اس وقت میں

تیرے کعبہ کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

میرے اللہ! اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما لیجیے، اللہ تعالیٰ سب طلبہ کو علم نافع عطا فرمائے اور ہمیں قیامت کے دن اپنے اکابرین کے قدموں میں جگہ نصیب فرمائیے۔

(تقریر: پیر حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی)

صرف چھ صفات پر دنیا جھک جائے گی

(اخلاص، جذبۂ قربانی، جوہر ذاتی، ذاتی تعلق، جذبہ خدا طلبی اور اختصاص)

میرے عزیز طلباء! ایسے موقعہ پر اگر آپ رنجیدہ ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ موقع ہی ایسا ہے جو رنج و مسرت دونوں کا جامع ہے۔ لیکن وہ ماں قابل مبارک باد جو ہمیشہ اپنے بچوں کو سینہ سے لگائے اور آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لیے تیار نہ ہو، بل کہ اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس وقت تک وہ بچہ کی پرورش کرتی ہے پھر وہی ماں بچہ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کر دیتی ہے تاکہ وہ اس کی پیری کے لیے سہارا بن سکے، آپ نے ایک مدت یہاں گذاری۔ اس میں آپ کا ہم سے مانوس ہونا یا ہمیں آپ سے اُنس ہونا بالکل قدرتی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے اندر اُنس پیدا کیا ہے لیکن انسانوں کے یہ جوہر بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ صرف لسانیات ہی نہیں نفسیات کے بھی بعض بڑے بڑے ماہروں کا یہ کہنا ہے کہ انسان کا لفظ اسی انس سے مشتق ہے۔ اس موقع پر یقیناً ہمیں اس حیثیت سے تو رنج ہے کہ آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ ہمارا آپ کا جو ساتھ تھا وہ چھوٹ رہا ہے۔ لیکن دوسری حیثیت سے ہمیں یہ مسرت ہے کہ آپ نے تعلیمی مدت بحسن وخوبی پوری کر لی، آپ اس زمانہ میں جب کہ حالات بالکل ہی مخالف ہیں اور زمانے سے سکون و اطمینان رخصت ہو چکا ہے دین کی تعلیم حاصل کی اس حیثیت سے آپ قابل مبارک باد ہیں اور اس پر ہمیں دلی مسرت ہے۔

فراغت کا غلط تخیُّل:

لیکن ایسے موقعہ پر جب ''فارغ'' کا لفظ آتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کا مفہوم سمجھنے میں لوگ غلطی کریں۔ دارالعلوم کو ایک ایسی مدت رکھنی ہی چاہیے تھی جس مدت کو آپ طے کرتے اور اس مرحلہ سے فارغ ہوتے۔ لیکن اس موقع پر جو اہم بات آپ سے کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر آپ نے اس کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم تعلیم سے فارغ ہوگیے اب ہمیں تعلیم وتربیت کی کوئی ضرورت نہیں تو بلا کسی حجاب اور تردّد کے میں اعلان کرتا ہوں کہ آپ نے کچھ بھی نہیں سیکھا آپ اپنے مقصد میں بالکل ناکام ہیں۔

لیکن جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ نے فارغ ہونے کا یہ مفہوم نہیں سمجھا ہے بل کہ فارغ ہونے کا مفہوم آپ کے نزدیک بھی یہ ہے کہ آپ اس قابل ہوگیے کہ کتابوں کو ہاتھ لگاسکیں اور حسبِ ضرورت ان سے استفادہ کرسکیں بل کہ یوں کہا جائے کہ آپ کو اب علم کے حاصل کرنے کی کنجی دے دی گئی تو زیادہ صحیح ہوگا۔ آپ اس کنجی کو جتنا ہی استعمال کریں اسی قدر وہ کام دیتی چلی جائے گی۔

ہر نصاب کی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ اگر وہ نصاب اپنے فارغ شدہ طلبا کے اندر اِس احساس کو پیدا کردے یعنی جہل کا اعتراف، شاید یہ لفظ بعض کانوں کو نامانوس معلوم ہو لیکن مجھے اس لفظ پر اصرار ہے جسے ذوق علمی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر آپ کے اندر یہ احساس پیدا ہوگیا تو آپ کامیاب اور قابل مبارکباد ہیں۔ اور میں آپ کے ادارے کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس مختصر وقت میں اپنے جانے والے بھائیوں کو میں صرف تین باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

(۱) اخلاص:

پہلی چیز اخلاص ہے۔ آپ کسی بڑے سے بڑے بزرگ یا جس کا نام آپ دنیا میں روشن پاتے ہیں اگر آپ اس کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو اس کی زندگی کی تعمیر میں اخلاص کو ایک اہم عامل پائیں گے۔ آپ دیکھیں گے اس کی ہر چیز کو اخلاص نے دوام بخشا ہے۔ ملا نظام الدین کو دیکھ لیجیے جن کا درس نظامی آج صرف ہند و پاک ہی نہیں بل کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں قائم ہے اور باوجود کوششوں کے ہلایا نہ جاسکا۔ محض ان کی علمیت کی بنا پر ایسا نہیں ہوا بل کہ ان کے ساتھیوں میں اور ان کے معاصرین میں بہت سے ایسے اشخاص تھے جو علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت میں اگر بڑھے ہوئے نہیں تو ہم پلہ ضرور رہے ہوں گے۔ لیکن کیا بات ہے کہ آج ملا نظام الدین تو زندہ جاوید ہیں لیکن ان کے معاصرین کا تذکرہ آتا ہے تو ان کے سلسلے ہی میں آتا ہے۔ اگر آپ غور کریں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ان کی پشت پر اخلاص کی وہ زبردست قوت کارفرما پائیں گے جس نے ملا نظام الدین کو قیامت تک کے لیے زندہ جاوید بنا دیا۔ بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے پڑھنے کے بعد یہ محسوس کرلیا کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ اور انہوں نے اپنے زمانہ کے ایسے امی شخص سے گوشہ گمنامی میں اودھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''بانسہ'' میں اخلاص کا سرمایہ لے کر پڑا ہوا تھا اپنے آپ کو متعلق کرلیا۔ اگر ملاؔ نظام الدین چاہتے تو بہت سے ایسے بھی خدا کے بندے ان کو مل سکتے تھے جو اپنے وقت کے امام تصور کیے جاتے تھے۔ لیکن ملا نظام الدین نے اپنے آپ کو ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جس کی شہرت اگر ہوئی تو ملاؔ نظام الدین کے ذریعے ہوئی۔ بہرصورت اس کی اگر مثالیں دی جائیں تو سیکڑوں مثالیں ملیں گی۔

(۲) جذبۂ قربانی:

دوسری بات جو ہمیں آپ سے کہنی ہے وہ ایثار و قربانی ہے۔ ایثار و قربانی اور عزم یہ وہ طاقت ہے کہ اگر افراد میں ہوتی ہے تو انہیں ثریا تک پہنچا دیتی ہے اور اگر کسی قوم یا ادارہ کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا اس کے سامنے جھک جاتی اور اس کی بالا دستی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(۳) جوہر ذاتی:

اس کے بعد جو تیسری بات ہے وہ جوہر ذاتی ہے۔ انسان کا ذاتی جوہر اور اس کی قابلیت ہی وہ چیز ہے جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں اس کی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر آپ نے اِن تینوں یعنی اخلاص، جذبۂ قربانی اور جوہر ذاتی کو حاصل کر لیا ہے تو آپ کے لیے زمانہ بالکل نہیں بدلا اور ہر وقت آپ کے لیے چشم براہ ہے۔ لیکن ان صفات سے اگر کوئی خالی ہے تو وہ جہاں بھی جائے گا جس قدر بھی سند یا ڈگری اس کے پاس ہوگی، حالات کو بدلا ہوا اور ہنے مخالف پائے گا پھر میں کہتا ہوں کہ اگر آپ یہ صفات اپنے اندر پیدا کر لیں تو عالمگیر کا زمانہ، نظام الملک طوسی، امام غزالی، امام رازی، امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ کا زمانہ آج بھی منتظر ہے اور وہ آپ کے لیے واپس ہو سکتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ زمانہ میں کوئی جگہ خالی رہتی ہے۔ کبھی زمانہ میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جگہ پہلے سے خالی ہو اور کسی کے لیے منتظر ہو کہ جب وہ شخص فارغ ہولے گا تو اس کو وہ جگہ مل جائے گی۔ زمانہ ''بقائے صلح'' کا قائل ہے۔ وہ بہت ہی حساس اور نقاد ہے۔ وہ صالح کے بجائے اصلح اور نافع کے بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ کے اندر یہ چیزیں ہیں تو ہر وقت زمانہ آپ کا ہے اور آپ کے لیے منتظر ہے۔ زمانہ کا شکوہ دراصل اپنی کمزوری کو چھپانے کی کوشش اور احساس کمتری

کی علامت ہے۔ دنیا نہیں بدلی ہم بدل گیے ہیں۔ زمانہ آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ تبدیلی صرف ہمارے اندر پیدا ہوئی ہے۔

ذاتی محنت:

آپ تاریخ کی شخصیتوں میں سے جس کا نام بھی لیں، جب آپ اس کی سیرت کا مطالعہ کریں گے اس کی زندگی کی تہ تک جانے کی کوشش کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت فکر ولگن، مقصد کی دھن اور اس کی تڑپ تھی، اس کے بغیر اساتذہ چاہیں یا عظیم الشان ادارے اس کے لیے کوشش کریں کسی کے بس میں کچھ نہیں جو بھی بنا ہے وہ اپنی ذاتی محنت، اور جدوجہد سے بنا ہے یقیناً اللہ کی توفیق اور اساتذہ کی رہ نمائی بھی ضروری ہے، اگر اللہ کی توفیق شامل حال ہے تو پھر اپنی ذاتی محنت سے انسان اپنے آپ کو سب کچھ بنا سکتا ہے۔

قدیم رسم:

مشرقی تہذیب میں بہت قدیم زمانے سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ جب کوئی شخص دور دراز سفر پر روانہ ہوتا یا ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو اس وقت اپنے کسی بڑے مخلص یا تجربہ کار سے کچھ نصیحتیں اور وصیتیں سننا چاہتا ہے جو اس نے اپنی زندگی کے تجربات سے حاصل کیے ہیں۔ اس لحاظ سے اس وقت آپ کی یہ خواہش درست اور صحیح ہے میں ہوتا یا میری جگہ کوئی اور شخص، اور وہ آپ کو اس موقعہ پر کچھ ایسی باتیں بتاتا جن کو اپنا کر آپ کامیابی کی منزل کی طرف بڑھ سکتے اور آئندہ زندگی میں لائحۂ عمل کے طور پر کام میں لاتے تو یہ عین مناسب بات تھی۔ لیکن میرے عزیزو! آج میں اپنے اُن عزیزوں سے کیا کیا کہوں اور کن کن چیزوں کی طرف توجہ دلاؤں۔ بہر حال اس وقت میں مختصر طور پر کچھ کہوں

گا۔ اگر چہ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ بسم اللہ کے عدد نکال کر سوئے ادب سے بچنے کے لیے شروع میں لکھ دیا جائے لیکن ظاہر ہے جو برکت بسم اللہ کے اندر ہے وہ ۷۸۶ سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ پوری کتاب سے چند سطریں لکھ دی جائیں اور اس کو مختصر کرکے پیش کر دیا جائے لیکن جس طرح سے میں نے ابھی عرض کیا کہ بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ کا عدد نہیں لے سکتا؛ اسی طرح سے کتاب اور مضمون کی جگہ اس کی چند سطریں نہیں لے سکتی، پھر بھی میں مختصرا تین باتیں کہوں گا، اگر آپ سننا چاہتے ہیں تو ان کو لوح دل پر ثبت کرلیں، دماغ کے امانت خانہ میں اچھی طرح محفوظ کرلیں۔ اس سلسلے میں انسان کے لیے جو سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ قابل اعتماد چیز ہوسکتی ہے وہ اس کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں جن میں کم سے کم شبہ کا امکان ہوتا ہے اس لیے اس وقت میں اپنے ہی تجربات آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

(۴) ذاتی تعلق:

پہلی چیز وہ ذاتی تعلق ہے جو مجھے اپنے اساتذہ سے ہمیشہ رہا۔ وہ تعلق نہیں جو ضابطہ کی خانہ پُری کے لیے ہو، بل کہ تعلق جو شب و روز کا تھا، اس تعلق کو میرے مخلص اساتذہ بھی محسوس کرتے تھے اور میں بھی محسوس کرتا تھا، یہ وہ پہلی چیز ہے۔ جس نے مجھ کو بہت نفع پہنچایا۔ اور میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اسی کا صلہ ہے۔ خوش قسمتی سے میری تعلیم کا نظام کچھ ایسا رہا کہ اساتذہ کی تعداد کم تھی اور اس وجہ سے ان کی قدر کرنے اور ان سے خصوصی تعلق رکھنے کے مواقع زیادہ تھے۔

ایک طالب علم کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس کا رجحان جس فن کی طرف ہو اس کے ماہر اور متخصص کے پاس رہ کر اس سے وہ اپنی صلاحیت کے بقدر استفادہ کرے بغیر

اس ربط کے وہ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اگر آپ ادیب بننا چاہتے ہیں تو اس کی پیروی کریں جس کا ادب آپ کے لیے زیادہ نفع بخش اور مفید ہو، اسی طریقہ سے اگر آپ کو تفسیر یا کسی اور فن سے لگاؤ ہے تو اس کے ماہر استاذ سے اپنا خصوصی ربط قائم رکھیں، اب آپ کے سامنے میں وہ چند باتیں پیش کرتا ہوں جن کی رہ نمائی اور روشنی میں آپ اپنے سفر زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔

(ا) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کے لیے ایک شخصیت کا انتخاب کرلیں، یہ حقیقت ہے کہ چراغ چراغ سے جلتا ہے اور دیا دیا سے، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی بھی مخلص بندہ آپ کو کہیں مل جائے تو اس کو آپ اپنا رہ نما مان کر اپنی زندگی کی نئی تعمیر کریں، اس میں آپ کو پورا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اور جہاں چاہیں ایشیا یا ایشیا سے باہر دنیا کے کسی گوشہ میں آپ اس کو دریافت کرلیں۔ بل کہ میں آگے بڑھ کر یہاں تک کہتا ہوں کہ زندوں میں آپ کو کوئی ایسا نظر نہ آئے تو ماضی کی شخصیتوں میں اس کو تلاش کیجیے اور کچھ دنوں تک اس کی ہر چیز کی نقل اتاریئے، اس کے بعد آپ بڑے ہو سکتے ہیں۔ آپ اس سے آگے بھی نکل سکتے ہیں اور ایسی جگہ بھی پہنچ سکتے ہیں جہاں آپ کو اس تعلق کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر چہ یہ بات بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

(۵) جذبۂ خدا طلبی:

تیسری بات جو آپ سے کہنی ہے وہ یہ کہ انسان کو ہر وقت اس چیز کی فکر کرنی چاہیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔ اور جو چیز اس کو حقیقت میں کام آنے والی ہے وہ آخرت کی فکر، خدا کی مرضی اور اس کی خوش نودی حاصل کرنے کا شوق و جذبہ ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ چیز نہیں ہے تو خواہ وہ بڑے سے بڑا ادیب ہو، خطیب ہو، یا بہت بڑا

مفسر وفقیہ ہو، اس دولت سے محروم ہی رہے گا۔ یہ ممکن ہے تھوڑی دیر کے لیے کچھ واہ واہ اور کچھ ناموری اور دادو تحسین حاصل کر لے مگر آگے اس کا کچھ حصہ نہیں، حقیقت میں جو چیز کام آنے والی ہے وہ خشیت الٰہی، آخرت کی فکر اور اللہ کی مرضی کی تلاش ہے۔ ایک مرتبہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ نے ایک طالب علم سے پوچھا تم کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا ''قاضی مبارک'' ارشاد ہوا ''استغفر اللہ'' ''نعوذ باللہ'' قاضی مبارک پڑھتے ہو اس سے کیا حاصل؟

ہم نے فرض کیا کہ تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے پھر کیا؟ قاضی مبارک کے قبر پر جا کر دیکھو کیا حال ہے اور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔

میں نے مانا کہ آپ بڑے ادیب وانشاء پرداز بن جائیں اگرچہ میں اس کا پرزور داعی ہوں اور میں نے اس سے بہت کام لیا ہے۔ لیکن یہ سب چیزیں اسی وقت کام آسکتی ہیں، جب ان سے مطلوب رضائے الٰہی ہو، لہٰذا میرے عزیزو ہر چیز پر اس کو مقدم رکھو اور اسی کو اپنا مقصد حیات بناؤ۔

ارادے بڑے کریں:

پہلی بات یہ ہے کہ جو کچھ بچپن میں سوچتا ہے بعینہٖ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی موقعہ پر پورا کر دیتا ہے لہٰذا جو خیال، جو آرزو اور تمنا کرو بہت سوچ سمجھ کر کرو، ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں افسوس کرنا پڑے۔ یہ بڑے تجربہ کی بات ہے بچپن کا خیال حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ ابھی سے تم یہ ارادہ کرو کہ اسلام کا نام روشن کرو گے اللہ کا پیغام پہنچاؤ گے، اسلام کے سچے اور مخلص داعی بنو گے ایسا نہ سوچو جیسے بعض بچے سوچتے ہیں کہ ہم

ٹی ٹی بنیں گے اور مفت سفر کیا کریں گے، یا ہم تھانے دار یا اسی طرح کی اور بہت سی باتیں، یہ باتیں بری نہیں ہیں بل کہ تم کو اس سے بھی اونچا سوچنا چاہیے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ٹی ٹی کے بجائے گارڈ بننے کی سوچنے لگو، یا تھانے دار کے بجائے ایس پی، بل کہ اللہ کو بچپن کی کچھ معصومیت اتنی پسند ہے کہ اس وقت بچہ جو سوچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے۔ تم اونچے سے اونچا ارادہ کرو اور اچھی سے اچھی آرزو کرو اور تم یہ آرزو کرو کہ اللہ نے پیغمبروں سے جو کام لیا وہ ہم کریں گے؛ اللہ کے ولی اور دوست بنیں گے، ہم بہت بڑے عالم و فاضل بن کر اللہ کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے۔ دیکھو انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ سب کچھ بن سکتا ہے، فرشتہ بل کہ فرشتہ سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے اس لیے کہ انسان میں بہت سی وہ صلاحیتیں ہیں جو فرشتوں میں نہیں، جب معاملہ یہ ہے کہ آدمی بہت کچھ بن سکتا ہے اور بہت بڑا بن سکتا ہے تو تم چھوٹی اور گری پڑی آرزوئیں کیوں کرو تم ہمیشہ یہ آرزو کرو کہ اللہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ تم سے وہ کام لے جس کی زمانہ کو ضرورت ہے ہماری آرزو تم سے یہی ہے اور ہماری تمنا اور خواہش بھی یہی ہے۔ آمین۔

(٦) اختصاص:

عزیز دوستو! اس وقت کہنے کی باتیں بہت ہیں اور سب کو تفصیل سے بیان کرنا ممکن نہیں، لہٰذا ایک بات سنیے! اور کان کھول کر نہیں بل کہ دل کھول کر سنیے! اس لیے کہ اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے، وہ بات یہ ہے، آپ یہاں آئے ہیں تو اچھا اور کامیاب بننے کی کوشش کیجیے، اگر کہے بغیر کام چل سکتا تو میں اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیتا لیکن خدا نے الفاظ کا محتاج بنایا ہے خود کلام الٰہی کی بین دلیل ہے۔ بہر حال میں یہی کہوں گا کہ

قیمتی بننے کی کوشش کیجیے اور یہی انسان کی فطرت ہے! اگر یہ جذبہ انسان کے اندر نہیں تو وہ حیوان ہے۔ اسی جذبہ کے تحت انسان وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک فرشتے نہیں پہنچ سکے۔

قیمتی دفینہ:

عزیزو! ایک شخص کو کوئی چیز دفینہ میں ملی وہ اسے لے کر جوہر شناس کے پاس آیا۔ جوہر شناس نے کہا کہ یہ ہیرا ہے اور بہت قیمتی ہے لیکن اس کی تین شرطیں ہیں:

(۱) جب تک اس کو چمکایا نہیں جائے گا اور اس کے کونے برابر نہیں کیے جائیں گے اس وقت تک وہ بے قیمت پتھر ہے۔

(۲) یہ بہت نازک ہے اگر یہ کہیں سے چیخ گیا تو بے کار ہو جائے گا۔

(۳) اگر یہ چیخ گیا تو پھر یہ درست نہیں ہو سکتا۔

اب عقل مندی یہ ہے کہ جس شخص کو بھی یہ ہیرا ملے وہ ان تمام شرائط اور اوصاف کی فکر کرے، بازار میں کسی بہتر جوہری کو تلاش کرے، اس کو احتیاط اور اہتمام سے بنوائے اور اس کے بعد منہ مانگے داموں پر فروخت کر کے نفع کمائے۔

میرے عزیزو! میں خانۂ خدا میں منبرِ مسجد کے پاس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ہیرا تمہارے پاس موجود ہے۔ وہ ہیرا تمہاری زندگی کی صلاحیت، پڑھنے کی صلاحیت، فرماں برداری اور بہتر بننے کی صلاحیت ہے۔ یہ وہ صلاحیتیں ہیں جن پر ملائکہ کو رشک آتا ہے۔ ان صلاحیتوں سے تم اس مقام پر پہنچو گے جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ: "**ما لا عين رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علٰى قلب بشر**" ان صلاحیتوں سے تم ولی بن سکتے ہو، خدا کے محبوب ہو سکتے ہو اور جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ع "نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

تم کیا بن سکتے ہو؟

تم ایسے بن سکتے ہو کہ تمہارا شہر نہیں پورا ملک بل کہ پوری امت اور ملت کی تقدیر بدل سکتی ہے۔تم وہ پارس بن سکتے ہو کہ اگر تم سے کوئی خدا کا باغی اور سر کش چھو جائے تو ولی کامل بن جائے۔جس بستی میں تم جاؤ وہاں بہار آ جائے، وہاں کا موسم اور فضاء بدل جائے یہ تاثیر آج بھی تمہارے اندر پیدا ہو سکتی ہے۔

تمہاری وجہ سے نہ جانے کتنی قومیں جنتی ہو سکتی ہیں۔بے شک نبوت تو ختم ہو چکی! لیکن تم **اٰیۃ من اٰیات اللہ** بن سکتے ہو، یہ سب چیزیں تم کر سکتے ہو لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تم عزم کرو، کیوں کہ تم خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے آئے ہو، صاحب کمال اور صاحب امتیاز بننے کے لیے آئے، اگر تم کامیابی اور ترقی کا فیصلہ کر لو تو اس کائنات کا ذرہ ذرہ تمہاری مدد کرے گا، پورا انظام کائنات تمہارے لیے وقف ہو جائے گا، حدیث اس بات پر شاہد ہے۔

میں تم سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون بدنصیب شخص ہوگا جو کامیاب بننا نہ چاہے، پتھر بھی ترقی سے انکار نہیں کر سکتا، کائنات کا ذرہ ذرہ عروج و ترقی کا متمنی ہوتا ہے، ایک تخم کو دیکھو وہ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک درخت بن کر ترقی کے آخری اسٹیج پر پہنچ جاتا ہے، لیکن تمہارا سفر ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا موت کے بعد تک جاری رہے گا اور تم ترقی کے درجہ طے کرو گے، حتی کہ تمہاری آسودگی دیدار الٰہی سے ہوگی اور یہ تمہاری آخری اور ابدی منزل ہے۔تمہارا اولین فرض یہ ہے کہ تم دلوں میں عزم و ارادہ پیدا کرو، اس لیے کہ تم کو بہتر سے بہتر بننا ہے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی　　تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

اگر تم ہمارے نہیں بن سکتے، اپنے اساتذہ اور ہمدردوں کے نہیں بن سکتے، کیوں کہ تمام کے تمام عالم یہ شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے انسان کو بہترین بننے کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ ”هو الذی خلق کل شیء ثم هدیٰ“ عزیزو! تم اپنے دلوں میں لکھ لو، عہد کرلو کہ ہم کو اچھے سے اچھا بننا ہے، یہ تمہارے دل کی آواز بل کہ ایک قدم بڑھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن کی آواز ہے کہ تم بہتر اور قیمتی بنو، جس طالب علم میں جذبہ نہیں وہ درحقیقت سڑی مٹی ہے جس میں تخم ضائع ہوتا ہے۔

دو راستے:

میں کسی قیمت پر یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ تم میں اچھے بننے کی صلاحیت نہیں، یہ ایک سچا اور حقیقی جذبہ ہے جس کی شریعت اور انبیاء کے صحیفوں نے ہمت افزائی کی ہے، انسان کے قبضہ میں ہر منزل ہے صرف خدائی اور نبوت اس سے مستثنیٰ ہے۔

آپ کے سامنے صرف دو راستے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ یہاں آئیں اور فارغ ہوکر چلے جائیں اور بننے کی کوشش یا ارادہ ہی نہ کریں، دوسرے یہ کہ آپ یہاں اچھا سے اچھا بنیں اور انسانی، علمی اور ہر حیثیت سے ترقی کریں، یہ دونوں راستے آپ کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ آپ یہاں بہتر سے بہترین بن سکتے ہیں، یہاں کوئی رکاوٹ نہیں، یہاں سے جانے کے بعد کسی طالب علم کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ میں اچھا نہیں بن سکا۔

محنت و کاوش:

تاریخ و تذکرہ میرا موضوع ہے اور اپنے مطالعہ اور تجربہ پر اعتماد کر کے کہتا ہوں کہ کوئی مدرسہ اور کتب خانہ کسی انسان کو نہیں بناتا، انسان خود اپنی قوت بازو اور محنت و کاوش سے بنتا ہے، اگر آپ بزرگی کے شعبہ میں دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ وہی برگزیدہ

بندے تھے جن کے سرپرست ولی نہیں تھے ان کے لیے ماحول ناسازگار تھا لیکن وہ اپنی محنت جسے اپنے تڑپ و پیاس سے ولی کامل بن گئے، ہزاروں مثالیں ہیں کہ آذر کے گھر سے ابراہیم پیدا ہوئے، حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی طلب اور اور تڑپ کے بل پر حجۃ الاسلام بن گئے اور ان مقامات تک پہنچے جن کے سامنے بڑے بڑے اولیاء اللہ کی اولا دسرنگوں ہوجاتی ہے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی مثال:

سیدنا شیخ عبدالقادر کی زندگی کا مطالعہ کیجیے ان کے والد نہ کوئی عالم تھے نہ کوئی ولی، مرتے وقت ایک صاحب کو صاحبزادہ کی تعلیم کے لیے وصیت کر گیے، لیکن ان کی ماں نے چرخہ کات کر ان کو پڑھایا اور اعلیٰ تعلیم دلوائی پھر شیخ عبدالقادر جیلانی ترقی کے ان مراتب پر فائز ہوئے جو رشک کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، ان کے بغداد جانے کا واقعہ مشہور ہے، یہ سب کیا تھا محنت اور تڑپ تھی۔

''سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق ہندوستان بھر میں ندوۃ العلماء کے کتب خانہ سے زیادہ کتابیں اور کہیں نہیں ہیں، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ نواب نورالحسن صاحب شیخ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بیشتر کتابیں اکٹھا کیں، ان کے بعد ان کا کتب خانہ ندوہ ہی میں آیا'' ان تمام کتابوں میں میں نے یہ کہیں نہیں پایا کہ ان کے والد کوئی بڑے آدمی یا عالم تھے۔

ترقی اور کامیابی موروثی نہیں ہوتی، عبدالقادر جیلانیؒ کے والد اور دادا صرف کاشت کار تھے لیکن سیدنا عبدالقادر جیلانی؟

عزیزو! یہ سب محنت اور کوشش ہی پر منحصر ہے، طلب اور تڑپ پر اس کا دارومدار

ہے،عزم وہمت، بلند حوصلگی اس کی بنیاد ہے۔

ایک شعر میں اکثر پڑھا کرتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ کسی خوش نویس سے اس کی کتابت کرواکے آویزاں کرالوں، حضرت مفتی صدرالدین آزردہ نے فرمایا ہے۔ایک شعر

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ان کے نزدیک اتنے بڑے مقصود میں جان کا چلا جانا کوئی اہم بات نہیں، یہ سب کیا تھا؟ان کے دل میں عشق الٰہی کی چنگاری تھی، ان کی طبیعت بے قرار تھی، حضرت مخدوم بہاری کا واقعہ پڑھو، جب گھر سے پڑھنے گیے تو ہر چیز سے بے پرواہ ہو گیے، گھر سے خطوط آتے رہے اور وہ ایک گھڑے میں ڈلتے رہے انہوں نے طے کر لیا تھا کہ تعلیم کے دوران خط نہیں پڑھوں گا جب تعلیم سے فارغ ہوئے، خطوط کا انبار نکالا اور پڑھنا شروع کیا تو کہیں آب دیدہ ہوئے اور کہیں خوش ہوئے اور چہرہ پر بشاشت وسرور کی لہریں دوڑ گئیں۔

دوسری صورت یہ کہ والد تو ولی اکمل و مکمل ہیں، تمام حالات سازگار اور وسائل مہیا ہیں، لیکن صاحبزادہ میں کوئی تڑپ یا طلب ہی نہیں ایسی مثالیں آج کل بھی مل سکتی ہیں، بڑے بڑے بزرگوں کی اولاد کچھ نہیں !بے قیمت یہاں تو محنت اور کوشش اور قربانی دینے کے بعد ہوتا ہے۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

جب تک انسان کچھ کھوئے گا نہیں، کچھ پائے گا نہیں، آپ کے سامنے دونوں صورتیں ہیں، فاسق وفاجر کی اولاد ولی کامل، اور اولیاء اللہ کی اولاد باغی اور سرکش، یہ سب عزم ومحنت اور فیصلہ پر مبنی تھا۔یاد رکھیے کہ شکوہ وہ کرتے ہیں جن کو کچھ ترقی نہیں کرنا، وہ

کرتے ہیں جو کوتاہ دست ہیں۔

عزیزو! یہ ممکن ہے کہ ایک چھوٹے سے مدرسے میں رہ کر آپ حجۃ الاسلام اور شیخ الاسلام بن جائیں اور مدینہ یونیورسٹی، دیوبند، مظاہر العلوم اور ندوہ میں کچھ نہ بن سکیں، کیوں کہ یہ عزم وحوصلہ اور جذبہ وفیصلہ پر منحصر ہے۔

تم آج اس خانۂ خدا سے عہد اور فیصلہ کر کے نکلو، اس وقت اگر تم سے کہا جائے کہ تمہاری ٹوپی میں ہیرا ہے تو تم اس کے لیے جدوجہد کروگے۔ میں کہتا ہوں تمہارے پاس وہ قیمتی ہیرا ہے کہ پورا عالم تمہاری صلاحیت کی قیمت ادا نہیں کرسکتا۔ ساری دنیا کی سلطنتیں تمہیں خرید نہیں سکتیں، بڑے بڑے عارفوں نے دعویٰ کیا کہ ہماری قیمت کوئی ادا نہیں کرسکتا، تم میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ مجھ کو کوئی خرید نہیں سکتا۔

میں تو ایک قدم بڑھ کے کہتا ہوں کہ اس الیکشن اور اس کے ہنگامے کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اگر یہ اسلام اور مسلمانوں کا مسئلہ اور حالات کی تبدیلی کا ایک ذریعہ نہ ہوتا تو ہم ایسے الفاظ کے استعمال کے بعد اپنی زبانوں کو دھوتے، ہم تو وزیروں سے ملاقات کرنا خود اُن کا اعزاز سمجھتے ہیں، اس مجلس میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے کسی مقامی وزیر نہیں جواہر لال نہرو سے ملاقات سے انکار کردیا۔ مقامی وزیر، چیف منسٹر کا کیا ذکر؟

عزیزو! تم اپنی قیمت پہچانو، تمہارے مستقبل کی ضمانت پیغمبر اور خدائے لازوال نے لی ہے، بس شرط یہ ہے کہ تم ہیرے کو واقعۃً ہیرا بنالو۔ پتھر ایک بار نہیں کئی بار ٹوٹتا ہے اور بنتا ہے، شیشہ بھی ٹوٹتا اور بنتا ہے، لیکن ہیرا صرف ایک بار ہی بن سکتا ہے، ٹوٹ کر یا چیخ کر دوبارہ نہیں بن سکتا۔

اگر تم اچھا بننا چاہو گے تو تمہیں کوئی روک نہیں سکتا اور نہ بننا چاہو گے تو مشیت

الٰہی کے علاوہ کوئی شئ تم کو بنا نہیں سکتی۔

عزیزو! میں کہتا ہوں کہ تم خدا اور نبی نہیں بن سکتے باقی سب کچھ بن سکتے ہو۔ کس کو امید تھی کہ اس ہندوستان میں مولانا الیاسؒ اور مولانا یوسف صاحبؒ پیدا ہوں گے؟ کون جانتا تھا بڑے بڑے عالم نکلیں گے؟ یہ سلسلہ تو اب بھی جاری وساری ہے، تم اس کا عہد کرلو کہ تمہارے لیے یہاں سے نکلنا حرام ہے مگر یہ کہ تم یہاں سے اچھا اور بہترین بن کے نکلو؛ اور دنیا کی تمام طاقتیں تمہارے لیے سرنگوں اور مطیع ہوں۔

اخلاص واختصاص:

آج بھی وہ صورت سرمدی موجود ہے ﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لاَ ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ تم کو اب کس کا ڈر ہے؟ خدا کہہ رہا ہے، مگر اس کے لیے دو باتیں لازمی ہیں: (۱) اخلاص (۲) اختصاص (امتیاز) یہ دونوں چیزیں اچھا بنانے کے لیے کافی ہیں، پوری دنیا کا کہنا غلط خدا اور اس کے رسول کا کہنا برحق!

آخر میں اساتذہ حضرات سے کہتا ہوں کہ آپ اُن کی مدد کریں کیوں کہ آپ کے پاس سیکڑوں ہیرے خدا کی نعمت اور دولت ہیں اب آپ کہاں پتھر آزمانے جائیں گے؟ اپنی صلاحیت کہاں گنوائیں گے؟

میں نے ایک مدرسہ میں پڑھا ہے جہاں طلباء کو پانچ پیسے دے دیئے جاتے تھے اور ہم اُن پانچ پیسوں سے بدمزہ سالن خرید کر استعمال کرتے تھے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے بل کہ اپنے کام اور کوشش میں محو رہتے تھے، اپنے عزم ومنزل کا خیال رکھتے تھے یہ سب اسی کی برکت ہے۔

اگر تم یہاں کے نظام کی شکایت کرو تو تمہارے لیے کوئی جواز نہیں، میں صاف

کہتا ہوں یہاں کے انتظامات نا کافی ہیں، آپ خود دیکھیے کہ گرانی کا کیا عالم ہے، غذائی بحران ہے، ہزاروں روپیہ پانے والے بے کار ہیں، اگر تم کو آدھا پیٹ بھی ملے تو صبر وشکر کرو فکر نہ کرو۔

اچھا بننے کی کوشش کرو:

آخر میں پھر کہوں گا کہ اچھا بننے کی فکر اور عزم کرو، اپنی عزت، حتی کہ صحت کا بھی خیال نہ کرو تم کو یہاں پر سعید اور صابر اولاد بن کر رہنا پڑے گا، پھر تمہارے لیے سارا عالم مسخر ہوجائے گا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ یہ محبت مستلزم ہے تسخیر کی، جب تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے، پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ﴿وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا﴾

عزیزو! محنت کرلو، گھروں کو بھول جاؤ کھانے اور لباس کے معیار کو بھول جاؤ، پس اپنے مقصد اور منزل کو پیش نظر رکھو، اگر تم صاحب کمال بن جاؤ گے تو دنیا وآخرت دونوں تمہاری ہو جائیں گے۔

خدا تم کو اس کی توفیق عطا فرمائے، کیوں کہ یہ سب اسی کی توفیق پر منحصر ہے۔

پڑھنے سے پانی میں کیمیائی تبدیلی!

معروف جاپانی تحقیق کار اور پروفیسر ''مسارو ایموتو'' کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام لینے اور پانی پر دم کرنے سے اس کی خاصیت تبدیل ہو جاتی ہے جب کہ اس پانی کی اثر پذیری میں بھی انتہائی اضافہ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ انسانی کلام میں استعمال کیے جانے والے بدترین اور بہترین کلمات سے بھی یہی اثر رونما ہوتا ہے اس حوالے سے جاپانی پروفیسر کا کہنا ہے کہ ان کی جانب سے پانی پر کی جانے والی تحقیق کے بعد یہ راز

آشکارا ہوا۔ پانی پر قرآن کی آیات اور خاص طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دم کرنے سے معائنہ کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ پانی کے قطرے نے کلام الٰہی کا اثر قبول کیا اور شگفتہ انداز میں دکھائی دے رہا ہے، جب کہ یہ بھی ریکارڈ کیا گیا کہ جب پانی کے ایک قطرے پر شیطانی کلمات پڑھے گیے اور برے الفاظ ادا کر کے اس پر دم کیا گیا تو دوربین کی مدد سے یہ دکھائی دینے لگا کہ پانی کے اس قطرے نے اپنی شکل تبدیل کر لی اور اس کی ہیئت انتہائی خراب دکھائی دینے لگی، جس سے ایسا محسوس ہوا کہ پانی کے اس قطرے نے خراب کلمات کا بھی اثر لیا ہے۔

جاپانی پروفیسر نے حال ہی میں آب زم زم پر بھی سیر حاصل تحقیق کی ہے اور جرمن تحقیق کاروں کی جانب سے کیے جانے والے اس دعوے کو رد کر دیا ہے کہ انہوں نے آبِ زم زم کی خاصیت اور ہیئت ترکیبی کا پتہ چلایا ہے، پروفیسر ”مسارو ایموتو“ کا استدلال ہے کہ ان کی جانب سے آب زم زم کی بعض خصوصیات کا پتہ ضرور لگایا گیا ہے لیکن ابھی تک آب زم زم کی مکمل خاصیت اور بالخصوص ہیئت ترکیبی کا پتہ چلانا انتہائی مشکل کام دکھائی دیا ہے اور یہ ابھی تک تحقیق کے مراحل میں ہے۔ واضح رہے کہ ہیڈ ویونی ورسٹی کے بانی جاپانی تحقیق کار اور پروفیسر ”مسارو ایموتو“ تادم تحریر سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے دورے پر آئے ہوئے ہیں اور یہاں انہوں نے لیکچر بھی دیے ہیں۔

واضح رہے کہ پروفیسر مسارو ایموتو ایک تحقیقی انسٹی ٹیوٹ چلاتے ہیں اور گزشتہ دو دہائیوں سے پانی کی خصوصیت اور اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل، بالخصوص قرآنی آیات کی اثر پذیری اور انسانی جنس و روح پر اس کے ہونے والے اثرات کا مطالعہ کر رہے ہیں، انہوں نے آب زم زم کے حوالے سے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ یہ دنیا کا واحد

پانی ہے جو اثر پذیری میں بے مثال ہے اور اگر اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دم کر لیا جائے تو اس کے اثرات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان کی جانب سے ہر بار کی جانے والی تحقیق میں آب زمزم اور عام پانی کے حوالے سے نئی باتیں سامنے آئی ہیں۔ جن سے اس بات کا بین اظہار ہوتا ہے کہ آب زم زم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک انعام ہے۔ ''میارو'' نے اپنی تازہ تحقیق میں بتایا ہے کہ آب زم زم اللہ کی جانب سے ایک معجزہ ہے اور اس کا موازنہ دنیا میں کئی ایک ممالک کی جھیلوں، آبشاروں اور قدرتی پانی کے ذرائع سے لیے جانے والے پانی کے نمونوں سے کیا گیا تو اس بات کا انکشاف ہوا کہ آب زم زم کا ایک قطرہ دنیا بھر میں پائے جانے والے پانی کے ذخیروں کے مقابلے میں انتہائی اہم اور قیمتی ہے۔

جاپانی پروفیسر کا کہنا ہے کہ میں نے دیگر پانی کے قطرے کے کئی گلاسوں کے برابر پانی میں جب آب زم زم کا ایک قطرہ ملایا تو یہ دیکھ کر انتہائی حیرانی ہوئی کہ آب زم زم کے اثرات اس سارے پانی میں دکھائی دینے لگے وہ ایسے سارے معاملے کو دیکھ کر انتہائی حیرانی کا شکار ہو گئے اور ان کو اسلام کا نہ پیغام صاف سمجھ میں آ گیا کہ اچھائی کا اثر کیا ہوتا ہے؟ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جاپانی تحقیق کار اور پروفیسر سارو ایموتو کے مطابق ایک اچھا آدمی اپنے پاس موجود دیگر لوگوں کو بھی اچھا بنا سکتا ہے۔

مسارو نے یہ بھی کہا کہ ان کی جانب سے کی جانے والی عمیق اور مسلم تحقیق میں اس بات کا بھی پتہ چلا ہے کہ ہم عام پانی کی خصوصیات کو تبدیل کر سکتے ہیں، لیکن کسی بھی طور پر باوجود کوششوں کے آب زم زم کی خاصیت کو تبدیل نہیں کر سکتے، ان کا کہنا ہے تھا کہ ایڈولف ہٹلر، چنگیز خان اور مشہور و معروف قاتلوں کے نام لینے سے پانی کی ہیئت تبدیل

ہوگئی اور اس کی خوردبینی شکل ڈراؤنی بن گئی جب کہ شکریہ اور اللہ کا نام لینے سے پانی کی خوردبینی شکل انتہائی خوب صورت ڈیزائن یا پھول میں تبدیل ہوگئی، یہ بات بھی انتہائی دل چسپ ہے کہ تحقیق کار اور پروفیسر مسارو ایموتو نے اپنی ملحقہ تحقیق میں یہ دعویٰ کر کے دنیا بھر کو حیران و ششدر کر دیا تھا کہ کلام اللہ اور شیطانی کلام کا نہ صرف انسانی دماغ بل کہ روح اور حد تو یہ ہے کہ اس کلام کا پانی کے قطروں پر بھی زبردست اثر ہوتا ہے۔

اگر پانی کے گلاس میں یا ایک قطرے پر بھی کلام الٰہی پڑھ کر دم کر دیا جائے تو اس سے پانی کی قطرے یا پانی کی ماہیت پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اور وہ اپنا رنگ ڈھنگ تبدیل کر لیتا ہے یعنی اس کو اس طرح سمجھا یا جا سکتا ہے کہ جب ہم کسی پھل یا سبزہ کو افقی (Horizontally) انداز میں کاٹتے ہیں تو اس کے اندر ہمیں ایک خاص قسم کی شکل یا ڈیزائن نظر آتی ہے جس کو ماہر علوم نباتات (Botanist) کی زبان میں (Floral Diagram) یا خاکہ گل کا نام دیتے ہیں۔

اس کی مثال ایک کھیرے کی دی جا سکتی ہے جس کو قوافی انداز میں کاٹا جاتا ہے تو اس کے اندر واضح طور پر ایک پھول کی شکل بنی دکھائی دیتی ہے، جب پانی کے ایک قطرے پر اللہ کا کلام پڑھا گیا تو اس کے اثرات کو الیکٹرانک مائکرواسکوپ کی مدد سے ریکارڈ کیا گیا کہ اس نے اپنی شکل ایک پھول کی طرح بنالی ہے جسے ایک ایسا ڈیزائن کہا جا سکتا ہے کہ جو دیکھنے میں بھی خوب صورت نظر آتا ہے کلام الٰہی کا انسانوں کے ساتھ ساتھ پانی پر ہونے والے اثرات پر تحقیق کرنے والے جاپانی پروفیسر کا کہنا ہے کہ ان کے اس کام کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب ان کو پتہ چلا کہ مسلمان ممالک میں بسنے والے افراد اور بالخصوص خواتین بیمار بچوں پر قرآن پاک کی آیات پڑھ کر دم کرتی ہیں تو وہ صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس

بات کو محسوس کرنے کے لیے کہ آیا کلام الٰہی میں اس قدر اثر ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی صحت پر بھی اثر کرتا ہے؟ مسارو ایموتو نے اپنی تحقیق شروع کی۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کا دل کہتا تھا کہ ایسا کوئی معاملہ ہے کہ قرآن کی آیات پڑھنے کی صورت میں پانی پر اثر پڑتا ہے اور یہ پانی انسانوں کی صحت پر اثر ڈالتا ہے؛ پھر تحقیقات کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ پانی ہر قسم کے اثرات اور بالخصوص قرآنی آیات کا اثر لیتا ہے۔ جاپانی تحقیق کار کا یہ بھی کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان معاونین کی مدد سے یہ پتہ چلایا تھا کہ کیا کلام الٰہی (قرآن مجید کی آیات کریمہ) کا پانی پر اثر ہوتا ہے۔

ہندوستانی جریدے ''دکن کرونیکل'' میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں مسارو ایموتو کے حوالے سے کہا گیا کہ ان کو اس بات کا پتہ چلا کہ دنیا کے کئی ممالک میں بسنے والے مسلمان اب بھی چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا علاج خود قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کر کے کر لیتے ہیں اور اس طرح کے مریض صحت یاب بھی ہو جاتے ہیں۔ اپنی طویل تحقیق میں دنیا کو حیران و ششدر کر دینے والے جاپانی سائنس دان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسلام کے حکم کو کھانے اور پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بارے میں اسلام کے حکم کا تحقیق کے بعد پتہ چلا ہے کہ اس کے کیا روحانی فائدے ہوتے ہیں یہ بات یاد رہے کہ پانی کی ماہیت اور اس کی اثر پذیری والے عوامل پر تحقیق کرنے والے جاپانی تحقیق کار اپنی ویب سائٹ کی مدد سے بیماروں کو ایسا پانی بھی فروخت کرتی ہے جس پر کلام الٰہی پڑھا گیا ہوتا ہے، لیکن انہوں نے کبھی یہ بات ظاہر نہیں کی ہے کہ آیا یہ پانی کسی خاص معاشرے یا افراد کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے یا کسی اور طریقہ سے پانی کی مخصوص بوتلیں تیار کی جاتی ہیں۔

دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ پروفیسر مسارو ایموتو پانی کی جو بوتلیں تیار کرتے ہیں ان میں میوزک والا پانی، کلام الٰہی والا پانی اور قدرتی آوازوں والا پانی بھی شامل ہے۔ جاپانی پروفیسر کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر علاقے کا پانی ایک ماہیت اور خاصیت والا ہوتا ہے اور اس کے اثرات بھی خاص اور مخصوص ہوتے ہیں اور پروفیسر مسارو ایموتو نے امریکہ، برطانیہ، لاطینی امریکہ، مشرق وسطیٰ، ایشیا، افریقہ اور ساحلی ومیدانی علاقوں سے ہر اقسام کا پانی لے کر اس پر تحقیق کی ہے اور ہر علاقے کے پانی کے اثرات کو مختلف پایا ہے۔ پروفیسر کا استدلال ہے کہ پانی میں اللہ نے قوت سماعت، گویائی اور یادداشت رکھی ہے جب کہ اس میں ماحول سے متأثر ہونے کی بھی صلاحیت ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر تحقیق کی جائے تو یقیناً یہ بات درست ثابت ہوگی کہ قرآن کی ہر آیت کا پانی پر اثر الگ الگ ہوتا ہے لیکن ہمیں اس کے لیے الگ شعبۂ تحقیق قائم کرنا ہوگا کیوں کہ اس کی وسعت ناقابل بیان ہے۔ ڈاکٹر پروفیسر ایموتو کا کہنا ہے کہ قدرت کی بنائی ہوئی ہر شے، حتیٰ کہ پانی میں بھی ایسی صلاحیت ہے کہ وہ اللہ کا شعور رکھتا ہے بل کہ اس کا ذکر بھی کرتا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ملت۔ مولانا ابوالحسن علی الندویؒ)

باب پنجم

حصولِ علم کے راستے

حصول علم! مگر کیسے؟

جب سے الیکٹرانک میڈیا شروع ہوا ہے، رفتہ رفتہ ہمارا علمی تحقیق اور مطالعہ کا ذوق روبہ زوال ہے۔ کتابوں سے عشق کرنے اور لائبریریوں کو مسکن بنانے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ ہزاروں اور لاکھوں کتب سے سجی یہ لائبریریاں اور دور حاضر کی ایجادات یہ بتلاتی ہیں کہ کامیابی وکامرانی نے صرف انہی افراد کے قدم چومے، جنہوں نے اپنی خواہشات کا خون کرکے کتابوں سے عشق کیا، تحقیق وریسرچ کو اوڑھنا بچھونا اور اپنے اذہان کو غوروفکر کا عادی بنایا۔

تاریخ کے اوراق یہی بتاتے ہیں کہ سرفرازی اور سربلندی کا تاج انہی کے سر سجا جنہوں نے اپنی زندگی علم کے نذر کردی۔ ہمارے اکابر واسلاف نے عملی مشق کرکے دکھلا دیا کہ علمی دوستی کیسی ہوتی ہے۔ علم کی دنیا میں ایک عظیم نام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ قدرت نے بے پناہ علم وعمل سے نوازا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ علم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے؟ فرمانے لگے، جو کوئی نئی بات کان میں پڑتی ہے تو میرے جسم کا ہر عضو اس کے سننے سے محظوظ ہونا چاہتا ہے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ علم کے لیے آپ کی حرص کتنی ہے؟ فرمانے لگے، سخت بخیل آدمی کو جتنی مال کی حرص ہوتی ہے۔ پوچھا گیا۔ طلب علم میں آپ کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ فرمانے لگے کہ گمشدہ اکلوتے بیٹے کی ماں کو اپنے بیٹے کی طلب میں جو کیفیت ہوتی ہے۔ علوم نبوت کے محافظین میں ایک بلند پایہ شخصیت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ہے، انہوں نے اہمیت علم پر جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ ہم سب کے لیے مشعل

راہ ہے، فرمایا: ابتدائے تعلیم کے وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ کھیل کیا ہے؟ نیند، آرام اور دوستی کیا چیز ہے؟ آسائش وتفریح کسے کہتے ہیں؟

اسلاف کی طویل فہرست میں ایک اور عظیم نامہ زمانہ قریب کے ایک بزرگ حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کا ہے۔ یہ عظیم نام علم ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا اور علم ان کی پوری زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا۔ فرماتے تھے، ہر وقت دماغ کسی علمی مسئلہ میں مشغول رہتا ہے۔ گھر سے دارالحدیث تک آتا ہوں تو اس دوران کئی احادیث کی تشریح کر لیتا ہوں۔ ان کامیابیوں اور کامرانیوں کے پیچھے متعدد عوامل کارفرما تھے۔ ان میں تقویٰ واخلاص، عاجزی وانکساری بدرجۂ اتم موجود تھی، تعلق مع اللہ ان کے روح کی غذا تھی، حصول علم میں شوق ومحنت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، استقامت ولگن ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ شومئی قسمت! کہ آج کے اس پرفتن دور میں جہاں میڈیا کا دور دورہ ہے، بیشتر ہماری نوجوان نسل نے اپنا قیمتی وقت الیکٹرانک میڈیا کے لیے وقف کر دیا ہے۔ گنتی کے چند نوجوان دوران تعلیم مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں مگر وہ اخبار بینی، ڈائجسٹ، میگزین او رناول تک محدود ہے۔ درخواست ہے معمارانِ مستقبل سے کہ آیئے! ہم اپنے اسلاف کے سوانح وتذکرے کو پڑھنے کی عادت ڈالیں کہ اس سے بندہ میں بندگی پیدا ہوتی ہے، بصیرت اور بصارت میں ترقی اور ظاہر وباطن سنورتا ہے، بلند فکری اور وسعت نظر پیدا ہوتی ہے۔ علمی ترقی اور کچھ کر گذرنے کا جذبہ انگڑائی لیتا اور دل کی دنیا میں انقلاب رونما ہوتے ہیں۔ زندگی کی دھارا بدل جاتی ہے۔ آرزو یہ ہے کہ ملت کا ہر اک جوان طالبِ حق وطالب علم بنے کہ قوموں کی ترقی کا راز اسی میں پنہاں ہے۔ (محمد مدنی)

مطالعہ کی اہمیت

مطالعہ کے بغیر استعداد حاصل نہیں ہوسکتی، کوئی بھی اس کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: مطالعہ کی برکت سے استعداد اور فہم پیدا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑا رنگنے سے پہلے اس کو دھولیا جاتا ہے پھر رنگنے کے لیے رنگ کے مٹکے میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر پہلے دھویا نہ جائے تو کپڑے پر داغ پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح مطالعہ نہ کیا جائے تو مضمون اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے بعد بھی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتے تھے۔

محمد بن سماعہؒ ان کے خاص تلامذہ میں ہیں؛ فرماتے ہیں: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو مطالعہ میں اس قدر انہماک تھا کہ اگر کوئی شخص سلام کرتا تو انہماک اور بے خبری میں جواب دینے کے بجائے اس کے لیے دعا کرنے لگتے۔

ان کے نواسے فرماتے ہیں: امام محمدؒ کی وفات کے بعد میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ نانا جب گھر میں رہتے تو کیا کرتے تھے انہوں نے اشارہ کرکے فرمایا: اس کوٹھڑی میں رہا کرتے تھے اور گردوپیش کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا میں نے ان کو مطالعہ کے وقت بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔

علمی شغف کا یہ حال تھا کہ کپڑے میلے ہوجاتے، مگر اس کا احساس تک نہ ہوتا تھا کوئی دوسرا شخص کہہ کر کپڑے نہ بدلوالیتا تو آپ کپڑے نہ اتارتے گھر کے مرغ کو اس لیے

ذبح کرادیا تھا کہ اس کی آواز سے مطالعہ میں خلل ہوتا تھا آپ نے یہ کہہ رکھا تھا کہ مطالعہ کے وقت مجھ سے کسی ضرورت کا ذکر نہ کیا جائے میرا قلب اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(آداب المتعلمین ،ص ۵۰،۵۱)

علامہ ابن جوزیؒ کے حالات میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے صاحب زادے سے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا اور نہ زور سے ہنسا۔

سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جاتا وہاں کسی شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہوکر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس میں شریک ہوتا وہ حدیث وسیرت کہتے ، مجھے زبانی یاد ہوجاتی۔

پھر گھر جا کر اسے لکھ لیتا لڑکے دجلہ کے کنارے جا کر کھیلتے، میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہوجاتا۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا۔ وہ ہر موضوع کی کتاب پڑھتے اور آسودگی نہ ہوتی۔

امام زہری کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا تھا کہ اِدھر اُدھر کتابیں ہوتیں اور مطالعہ میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو کب گوارہ ہوتا کہ ان کے سوا کسی اور کی اس قدر گنجائش ہو، ایک روز بگڑ کر کہا:

"واللہ ھذہ الکتب اشد علی من ثلٰث ضرائر" اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔ (آداب المتعلمین ،ص ۵۶)

امام شافعیؒ کے جلیل القدر شاگرد امام غزالیؒ نے اپنے استاد کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھ کو نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔

ابوالعباس ثعلبؒ نے بغداد میں اسحاق موصلیؒ کے کتب خانہ میں ایک ہزار جز لغت کے دیکھے جو سب کے سب اسحاق کے سماع میں آ چکے تھے۔

امام رازی کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے چناں چہ وہ فرماتے تھے ﴿واللہ انی اتاسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز﴾ ”خدا کی قسم مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے کیوں کہ فرصت کا وقت بہت عزیز چیز ہے“۔

(آداب المتعلمین: ص ۵۷/ ماخوذ: حصول علم کے آداب: ۸۳-۸۵)

مطالعہ کے آداب

مطالعہ طلوع سے مشتق ہے مطالعہ کا معنی واضح ہو جانے کے ہیں۔ چناں چہ مطالعہ اس طرح کرنا چاہیے کہ سبق پوری طرح واضح ہو جائے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بغیر مطالعہ کے سبق میں نہ جائے اس کی وجہ کر مضمون اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا ہے اور اس سے معلم کو تکلیف ہوتی ہے۔ (دعوات عبدیت: ج۱۴/ص۴۳، بحوالہ استاذ اور شاگرد کے حقوق)

سبق سے پہلے مطالعہ کی حکمت:

طالب علم کو چاہیے کہ سبق میں جانے سے پہلے خوب محنت سے مطالعہ کر کے جائے تاکہ اپنے مطالعہ سے حل شدہ سبق کو استاذ سے صحیح کرائے، اس کے لیے سبق میں توجہ اور انہماک سے بیٹھنا ہوگا۔ جوں جوں سبق اور مطالعہ صحیح ہوگا اس کے بعد مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا اور جو غلطی ہوگی اس پر تنبیہ ہو کر آئندہ نہیں ہوگی۔ اس طرح اپنا مطالعہ استاذ کے سبق میں پیش کر کے عبارت کو صحیح سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے گی۔ جس سے کتابوں کو بغیر کسی پریشانی کے حل کرنے کی عادت ہو جائے گی۔

مطالعہ کا طریقہ:

سب سے پہلے جتنی عبارت پڑھنی ہے اس کو خوب اچھی طرح پڑھ کر عبارت درست کر لی جائے پھر جو الفاظ نئے آ رہے ہوں ان کو لغت سے دیکھ کر حل کیا جائے۔ پھر معانی اور مقاصد پر نظر کی جائے جو کچھ رہ جائے اس کو استاذ کے سبق میں سمجھا جائے۔ لیکن

اس رہ جانے کی عادت نہ بنائے (آداب المتعلمین بحذف وزیادۃ:ص۵۸)

بعض طلباء تھوڑی ہمت کر کے شروع کرتے ہیں پھر مطالعہ چھوڑ دیتے ہیں کہ کتاب حل نہیں ہوتی ہے۔ یاد رکھیں یہ بہت نقصان دہ چیز ہے بل کہ ہمت اور حوصلہ سے دوبارہ دیکھیں، آہستہ آہستہ یہ عادت صحیح ہو جائے گی ابتدا میں اگر چند سطور بھی ہوں تو بد دل نہ ہوں ان شاء اللہ آگے چل کر دو چار صفحے کی بھی مشکل نہ رہے گی۔

استعداد بنانے کے لیے تین چیزیں:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ طالب علم تین باتوں کا لحاظ کر لے اور ہمیشہ ان کو کرتا رہے تو ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہو جائے گی اور یہی تین باتیں کافی ہیں:

(۱) سبق سے پہلے مطالعہ کر کے جائے (۲) سبق سمجھ کر پڑھے، بغیر سمجھے آگے نہ بڑھے (۳) سبق کے بعد ایک مرتبہ اس کی تقریر کر لی جائے۔ خواہ اکیلے ہو یا جماعت کے ساتھ اس سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (التبلیغ: ج۱۰/ص۲۰۴)

مطالعہ کا بہترین وقت:

مطالعہ کا بہترین وقت وہی ہے جو تکرار کا ہے جس کا بیان آگے تکرار کے بیان میں آئے گا۔ (حصول علم کے آداب:۸۶-۹۰)

راتوں کو جاگنا:

طالب علم کو چاہیے کہ کوئی سبق بغیر مطالعہ کے نہ پڑھے مطالعہ کے لیے رات کا وقت زیادہ مناسب ہے اساتذہ نے فرمایا کہ دن میں تکرار اور رات میں جو مطالعہ کا اہتمام کر گیا وہ علم میں ترقی کرے گا۔ (آداب المتعلمین:ص۵۴)

مطالعہ کے لیے رات کا وقت سب سے بہترین ہوتا ہے کیوں کہ مطالعہ کے لیے یکسوئی اور انہماک ضروری ہے چناں چہ صاحب تعلیم المتعلّم فرماتے ہیں: کہ طالب علم کے لیے راتوں کو جاگنا ضروری ہے۔ (تعلیم المتعلم :ص ۳۱)

مجاہدؒ سے منقول ہے کہ فقہ کے لیے رات کو جاگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خطیب بغدادی نے کئی علماء کا معمول ذکر کیا ہے کہ صبح کی اذان تک وہ مذاکرہ میں مشغول رہتے تھے۔ (الفقیہ والمتفقہ :ص ۱۲۹)

ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے ''**النظر فی کتب اصحابنا من غیر سماع خیر من قیام اللیل** '' کہ ہمارے علماء کی کتابوں کے مطالعہ میں جاگنا قیامِ لیل سے بہتر ہے۔ (شامی: ج ۱/ ۳۸)

امام شافعیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ دن تو خیر دن ہی تھا رات کو بھی امام شافعی کا یہ حال تھا کہ بظاہر سونے والوں کی شکل بنا کر لیٹ جاتے، لیکن تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنی باندی کو حکم دیتے وہ چراغ جلاتی اور کچھ لکھتے، اس کے بعد چراغ گل کر دیتے۔ (آداب المتعلمین :ص ۵۸)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی طالب علمی کا حال درج کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''در اثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب درمی گذشت والد قدس سرہ مُرا فریاد می زدہ بابا چہ می کنی''۔

آپ اتنی دیر مطالعہ میں مشغول رہتے کہ والد صاحب کو رحم آجاتا اور فرماتے کب تک جاگو گے؟ اب آرام کرو، شیخ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی آواز سن کر فی الحال تو لیٹ جاتا اور جب والد صاحب سو جاتے تو پھر اٹھ کر مطالعہ کرنے لگتا اسی محنت ہی نے تو ان کو

محدث بنا دیا تھا۔ (آداب المتعلمین: ص ۵۹)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ ساری رات امام محمدؒ کے یہاں رہا آپ کی ساری رات اسی طرح گزری کہ کچھ مطالعہ کرتے پھر لیٹ جاتے پھر اٹھتے اور مطالعہ کرنے لگتے جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ ساری رات باوضو اور جاگتے رہے۔

لکھا ہے کہ امام محمدؒ رات کو بہت کم سوتے، اکثر حصہ درس وتدریس اور مطالعہ میں گزرتا۔ بعض احباب نے کم خوابی اور زحمت کشی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

''کیف انام وقدنامت عیون المسلمین توکلا علینا إذا وقع لنا امر رفعناه الیه فیکشفه لنا فاذا نمت ففیه تضیع الدین''

''فرماتے ہیں لوگ آرام سے سو رہے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو ہم جاکر اس سے (امام محمد) معلوم کرلیں گے اب اگر میں بھی سو جاؤں اور دینی کتابوں کا مطالعہ نہ کروں تو اس میں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے''۔ (آداب المتعلمین: ص ۵۱)

انہی کے بارے میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے نہیں تھے، ان کے پاس پانی رکھا رہتا، پانی سے اپنی نیند ختم کیا کرتے اور فرماتے تھے: نیند گرمی کی وجہ سے ہے، پس ضروری ہے کہ اس کو ٹھنڈے پانی سے دور کیا جائے۔ (حاشیہ تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۷۸)

ابن خلکانؒ نے لکھا ہے کہ رئیس حکیم ابوعلی بن سینا علم حاصل کرنے کی مدت میں ایک رات بھی سوئے نہیں اور دن بھر مطالعہ میں مشغول رہتے اور امام زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے حسن ابن زیاد اسی سال کی عمر میں فقیہ ہوئے چالیس سال بستر پر نہ سوئے۔

حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے وعظ میں ہے کہ ایک طالب علم جو بہت غریب تھا

اور تیل نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے دوکان دار سے کہا: دوکان کا رات کو پہرہ دیا کروں گا، میرے لیے رات بھر کے تیل کا انتظام کر دیا جائے۔ دوکان دار خوش ہوا کہ اتنی کم اجرت پر آدمی مل گیا اور یہ طالب علم خوش ہوئے کہ میرے مطالعہ کا انتظام ہوگیا۔ایک رات یہ مطالعہ کررہے تھے کہ بادشاہ کی ایک سواری بہت بڑے مجمع کے ساتھ مع باجے گانے کے اس طرف سے گزری جس کے دیکھنے کے لیے ایک جم غفیر شہر واطراف شہر سے جمع ہوا تھا۔ سواری گزر جانے کے بعد کچھ لوگ جو دور سے یہ جشن دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ اس طالب علم کے پاس آکر دریافت کیا: بادشاہ کی سواری گزر گئی؟ طالب علم نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں ایک شور ضرور تھا (آداب المتعلمین: ص۵۲)

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے جو اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ رات کے اوقات کو علمی مشاغل میں صَرف کرے ایک شاعر کہتا ہے ؂

بِقَدْرِ الْکَدِّ تُکْتَسَبُ الْمَعَالِی وَ مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّیَالِیْ

تَرُوْمُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَیْلًا یَخُوْضُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ الْلآلی

عُلُوُّ الْکَعْبِ بالهمم العَوالِی وَ عِزُّ الْمَرْءِ فِی سَهَرِ اللَّیَالِی

وَ مَنْ رَامَ الْعُلٰی مِنْ غیرِ کَدٍّ اَضَاعَ الْعُمْرَ فِی طَلَبِ الْمَحَالِی

(تم بلند مقام پر اپنی کوشش کے مطابق پہنچو گے جو بھی بلندی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اس کو چاہیے کہ راتوں کو جاگے عزت اور ترقی چاہتے ہو اور تمام رات سو کر گذارتے ہو یہ نہیں معلوم کہ جس کو موتیوں کی طلب ہوتی ہے اس کو دریا میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ پھر علم کو اس آرام طلبی کے ساتھ کس طرح حاصل کر سکتے ہو، عزائم کی بلندی کے بعد ہی انسان بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے، پس راتوں کو جاگنا انسان کی عزت کا باعث بنے گا

اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر تکلیف ومشقت کے بلندی حاصل ہو جائے تو ایک محال بات ہے جس کی طلب میں وہ اپنی عمر ضائع کر رہا ہے)۔

حکیم جالینوس سے پوچھا گیا تم نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ حکمت کیسے حاصل کر لی؟ جواب دیا میں نے کتب بینی کے لیے چراغ پر اُس سے زیادہ خرچ کیا جتنا لوگ شراب پر خرچ کرتے ہیں۔ (آداب المتعلمین: ص ۵۵)

استاذ سے تواضع برتنا:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: علم حاصل کرو اور علم کے لیے متانت اور وقار پیدا کرو جن سے تعلیم حاصل کرو ان سے خاکساری برتو۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۱۰۱)

ایک جگہ ارشاد ہے کہ بوڑھے مسلمان اور عالم اور حافظ قرآن بادشاہِ عادل اور استاذ کی عزت کرنا تعظیم کرنا خداوندی میں داخل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: علم سیکھو اور وقار وحلم کے ساتھ اس کو زینت بخشو جن سے علم سیکھو تواضع اختیار کرو اور متکبرین علما نہ بنو ورنہ تمہارا باطل (تمہارے) حق کو ضائع کر دے گا۔ (جامع بیان العلم: ج ۱/ص ۱۷۰)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: استاذ کے ساتھ تواضع کرے اسی سے مقصود تک پہنچے گا اور ہمیں حکم تواضع کا ہے یہ مقام (استاذ کے ساتھ) تواضع کرنے کے زیادہ لائق ہے۔ (مجموعہ: ج ۱/ص ۳۵)

مشہور مقولہ ہے کہ عالم کے کلام سے متکلم کو جبھی فائدہ ہوتا ہے جب متکلم میں تین صفات ہوں۔ ایک تواضع دوسرے سیکھنے کی حرص تیسرے عالم کی تعظیم۔ تواضع کی وجہ

سے اس کے علم سے نفع ہوگا اور حرص کی وجہ سے عالم سے علم نکلے گا اور تعظیم کی وجہ سے عالم اس پر شفیق ہوگا۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم :ص۸۹)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس علم کو کسی نے سہولتِ اسباب اور عزت نفس کے ساتھ حاصل کیا ہو اور وہ کامیاب ہوا ہو ایسا نہیں ہے بل کہ جس نے اس علم کو باوجود ذلت نفس کے ساتھ حاصل کیا ہو وہ کامیاب ہوا۔ اسی طرح فرمایا: یہ علم بغیر صبر اور ذلت نفس کے حاصل نہیں ہوتا۔ (شرح مہذب: ج۱/ص۳۵)

ابن جماعہؒ فرماتے ہیں: طالب علم اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ اس کا استاد کے لیے ذلت برداشت کرنا عزت، عاجزی کرنا فخر اور تواضع کرنا بلندی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو علماء کی تواضع کی وجہ سے عتاب کیا گیا (یعنی اس درجہ کی تواضع کرتے تھے) تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

اھین لھم نفسی فھم یکرمونھا

ولن تکرم النفس التی لا تھینھا

ترجمہ: ''میں علماء کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہوں اور وہ لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ اس نفس کا اکرام نہیں کیا جاتا جو ذلیل نہیں کیا جاتا ہے''۔

(تذکرۃ السامع والمتکلم :ص۸۷)

حضرت ابن عباسؓ نے خود بلند مرتبہ ہونے کے باوجود زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (کے گھوڑے) کی رکاب کو پکڑ کر فرمایا: ہمیں حکم ہے کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی اکرام کا معاملہ کریں۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم :ص۸۷ ماخوذ: حصول علم کے آداب: ۱۵۹-۱۶۰)

مطالعہ کی کمی

’’میں کیسے سوسکتا ہوں؟ جب کہ عام مسلمان ہم پر تکیہ کر کے آرام کرتے ہیں۔ اپنے مسائل و معاملات کی گرہ کشائی اور دینی و شرعی راہ نمائی کے لیے ہم پر اعتماد کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر میں بھی محوخواب ہو جاؤں تو دین کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے‘‘۔

مندرجہ بالا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مایۂ ناز شاگرد امام محمدؒ کا ہے۔ گردش روز وشب کی ہیرا پھیری نے ہمتوں کو پست اور قویٰ کو کمزور بنادیا ہے۔ انحطاط پذیری کی اس فضاء میں پختہ کاری کا جوہر مضمحل ہوتا جا رہا ہے۔ قوت استدلال، نکتہ شناسی، نکتہ آفرینی، تحقیق و جستجو، عرق ریزی و دل سوزی اور باریک بینی جیسے عنوانات سے نا آشنائی عام ہوتی جارہی ہے، وجوہات واسباب کیا ہیں؟ اس روگِ کم ہمتی، کم مائیگی اور سہل انگاری کا مدار کیا ہے؟ ’’گلستان مطالعہ‘‘ سے عدم رغبت والتفات اور تباعدِ طبع کا تدارک کس طور وصورت کیا جانا ممکن ہے؟ آیئے! عبارات اکابر کی روشنی میں ان غور طلب سوالات کے تسلی بخش جوابات تلاش کرتے ہیں۔

مطالعہ سے عدم دل چسپی و بے رغبتی کا ایک بڑا اعذر لنگ یہ ہوتا ہے: ’’دل نہیں لگتا‘‘ اس بابت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ’’رہا جی نہ لگنا، سو میں کہتا ہوں کہ یہ صرف حیلہ اور لاپرواہی کی دلیل ہے؛ ورنہ جناب اگر کسی پر مقدمہ فوج داری کا قائم ہو جائے اور وہ سن لے کہ قانون میں کوئی نظیر میرے لیے مفید ہے تو اگر چہ قانون کہ دیکھنے میں جی نہ لگے بل کہ سمجھ میں بھی نہ آئے مگر جان مارے گا اور

دیکھے گا، اس وقت یہ نہ ہوگا کہ بجائے قانون کے کوئی دل چسپ چیز مثلاً: الف لیلا (یا اور کوئی ناول) لے کے بیٹھے۔ اس وقت تو دل کو لگی ہوگی۔

ساتھ ہی مطالعہ کی اہمیت سے ناواقفیت اور کتب بینی کے ذوق وشوق کا فقدان بھی چمنستان علم وتحقیق سے مانع نظر آتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ استعداد وصلاحیت کی منزل تک پہنچنے کی پہلی سیڑھی بلاشبہ مطالعۂ کتب ہے۔ اس کی مشاہداتی مثال دیتے ہوئے حکیم الامت فرماتے ہیں: ''مطالعہ کی برکت سے استعداد اور فہم پیدا ہوتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑا رنگنے لیے پہلے اس کو دھویا جاتا ہے، پھر رنگ کے مٹکے میں ڈالا جاتا ہے اور اگر پہلے نہ دھویا جائے تو کپڑے پر داغ پڑ جاتے ہیں اس طرح اگر مطالعہ نہ کیا جائے تو مضمون اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

درحقیقت ''زمانۂ تعلیم'' میں اگر مطالعہ کی رغبت، اشتیاق اور میلان بیدار ہو گیا تو ساری زندگی کے لیے متاع بے بہا ہاتھ آ جاتی ہے، وگرنہ عمر بھر یہ ذوق کارآمد پیدا نہیں ہوتا۔ کتاب سے بُعد کو قرب میں بدلنے کے لیے، احساس اجنبیت کو اپنائیت کے رنگ میں منقلب کرنے اور ذہن وقلب کو روحانی بالیدگی کا سامان بہم پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ اکابر واسلاف کی نصیحت آموز حالات و واقعات کو چشم قلب سے پڑھا جائے اس سے رفتہ رفتہ طبیعت کی ساخت سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ غور وفکر کے نئے نئے دریچے وا ہوتے اور احساس وشعور پر علم وعمل کے نو بہ نو باب کھلتے چلے جاتے ہیں۔ بالآخر ''نقوش رفتگاں'' میں کتب بینی کی عظمت، اہمیت وافادیت کا گوہر آب دار ہاتھ آ جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ مطالعہ کو کارآمد کیسے بنایا جاتا ہے؟ اس سے حاصل ہونے والے علمی جواہرات کو کیسے محفوظ کیا جاتا ہے؟ تحریر کی معنویت سے بھرپور استفادہ کیوں کر ممکن ہو

سکتا ہے؟ تو جناب من! اولاً: اس کے لیے ضروری ہے کہ بوقت مطالعہ ذہن کو تفکرات اور انتشار فکر سے بچا کر مکمل طور پر حاضر رکھا جائے۔ تاکہ "کتاب خوانی" محض پڑھنے تک محدود نہ ہو بل کہ عبارت کا مطلب ومفہوم بھی ذہن نشین کرنے کی سعی وکوشش ہو۔ ثانیاً: قبل از مطالعہ "قلم وقرطاس" پاس ہونا حاصل مطالعہ کو پختہ، محفوظ اور مفید بنانے کا بنیادی اور کلیدی عنصر ہے۔ دوران مطالعہ "اہم اور اہم تر" کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اہم عبارات، بنیادی باتوں اور عمدہ نکتوں کو نشان زد کرلیا جائے۔ ثالثاً: پسندیدہ ابحاث، قابل ذکر عنوانات، ادبی لطائف واشعار اور سیرت وسوانح کے متاثر کن واقعات سمیت ہر وہ بات ونکتہ جو پہلی نظر میں دل ودماغ کے تاروں کو ہلادے۔ اس کو نوٹ کرنے کے لیے الگ بیاض ترتیب دی جائے تاکہ آگے چل کر علمی وعملی زندگی میں بھرپور استفادہ ورہ نمائی لینا سہل اور آسان ہو۔

یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ شوق مطالعہ کی کمی اور کمزوری طالب علم دین کے لیے سخت مضر اور سم قاتل ہے بلند فکری، وسعت علمی اور تعمق نظری کے نظریاتی اور فکری اسلحہ سے تہی دستی امت کے مستقبل کے نگہبانوں اور پاسبانوں کا شعار نہیں۔ "عشق کتاب" اس سفر میں جاں سوزی اور بلاکوشی اٹھائے بغیر ملت کی سیادت وقیادت کے فرائض سے عہدہ برآ ہونا کار محال ہے۔ بقول مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارن پور

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ ہے چشم دل کے واسطے کاجل مطالعہ
ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم سے ہوتا نہیں جن کا مکمل مطالعہ
کھلتے ہیں راز علم کے انہیں کے قلوب پر جو دیکھتے ہیں دل سے مسلسل مطالعہ

(یزید احمد نعمانی)

سبق کی پابندی

طالب علم کو چاہیے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے اس سے بے برکتی ہوتی ہے، بسا اوقات اس ناقدری کا نتیجہ علم سے محرومی کا سبب ہوجاتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے مگر اس طویل مدت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ وہ فجر کی نماز میں امام صاحب کے ساتھ نہ شریک رہے ہوں۔ امام صاحب فجر کے بعد ہی درس شروع فرمادیتے تھے۔ ایک جگہ خود بیان فرماتے ہیں: میں برسوں امام صاحب کے ساتھ رہا سوائے بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی اُن سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ حالاں کہ ان دنوں میں ہر شخص اپنے گھر میں اعزاء واقرباء کے ساتھ ہوتا ہے لیکن انہوں نے مجلس علم کی شرکت اور اپنے استاذ کی معیت اور رفاقت کو سب پر ترجیح دی۔

مناقب موفق میں امام ابو یوسف کا بیان نقل کیا ہے: ''مات ابن لي فلم احضر جهازه ولا دفنه وتركته علىٰ جيراني واقربائي مخافة ان يفوتني من أبي حنيفة شيء ولا تذهب حسرته عني''۔

(میرے بیٹے کا انتقال ہوگیا لیکن میں نہ جاسکا اور نہ اس کے جنازہ میں شریک ہوسکا اور تجہیز وتکفین کا کام اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کردیا اس اندیشہ سے کہ امام صاحب کے درس کا کوئی حصہ نہ چھوٹ جائے جس کی حسرت کبھی نہ ختم ہو)۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: کہ میں سبق میں پہنچنے کے لیے اس قدر دوڑا کرتا

تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی۔ امام ثعلب فرماتے ہیں کہ پچاس برس سے برابر میں ابراہیم حربی کو اپنی مجلس میں حاضر پاتا ہوں کبھی انہوں نے ناغہ نہیں کیا۔

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے حالات میں صاحب ''دعوت وعزیمت'' تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے وطن سے سفر کر کے پڑھنے کے لیے گیے تو زمانہ طالب علمی میں جو خطوط پہنچتے تھے ان کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے اور اس خیال سے نہ پڑھتے تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصول مقصد میں خلل واقع ہوگا۔

آج کل کے طلبہ نے تعلقات اتنے بڑھا رکھے ہیں کہ اُن کو ڈاک لکھنے اور دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی، آج ایک دوست کو خط لکھا جا رہا ہے تو کل دوسرے کو، حتیٰ کہ اس محبوب مشغلہ میں اسباق تک کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی دوست آ گیا تو اس کے ساتھ تفریح میں چلے گئے، ہفتوں کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتے، ایسی ناقدری اور بے توجہی کے ساتھ مطالعہ کا ذوق اور کتاب سے مناسبت کس طرح پیدا ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ طالب علمی کا زمانہ جلد ختم کر کے دوسرے مشاغل اور کاروبار میں اپنے آپ کو لگا دیتے ہیں۔

حضرت یحییٰ ناقل مؤطا مدینہ منورہ میں امام مالک سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز شور ہوا کہ ہاتھی آیا۔ عرب میں ہاتھی عجوبہ چیز ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی طلبہ درس چھوڑ کر بھاگ گیے، مگر یحیٰ اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک نے فرمایا: تمہارے یہاں تو ہاتھی نہیں ہوتا تم کیوں نہیں دیکھنے گیے۔ یحیٰ نے جواب دیا: حضرت اندلس سے میں آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے کے واسطے وطن نہیں چھوڑا۔ حضرت امام مالکؒ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کو عاقلِ اہل اندلس کا لقب دیا۔

(آداب المتعلمین: ص ٦٦)

استاذ کا ادب واحترام:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سر فرازی، کامرانی وسرخروئی دن کے سورج کی طرح ایسی عیاں ہے کہ اس کی نظیر امم سابقہ میں کسی نبی کے حواریوں میں نہیں ملتی نہ بعد میں کسی مطیع کے فرماں برداروں میں نظر آتی ہے۔ منجملہ اور وجوہات کے سب سے اہم اور بڑی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دلی محبت اور لگاؤ نہ صرف آپ کے حکم کو پورا، بل کہ آپ کی منشا کو پہچان کر خود بغیر فرمان کے عمل پیرا ہونا ہے متعدد واقعات اس کے شاہد ہیں کہ وہ اپنے معلم، مرشد، ہادی رہ نما پر کیسے جان ومال سے فدا تھے۔ علم دین کا استاذ بھی انبیاء کے وارثین میں سے ہے اس کا ادب بھی بہت ضروری ہے، استاذ کے بارے میں ہم مختلف آداب بیان کریں گے۔

استاذ کے ادب کی اہمیت:

طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کے ادب واحترام کو اپنے لیے حرز جان بنالے، چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص چاہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو تو وہ علماء میں سے جو غریب ہیں (خصوصاً) ان کی رعایت، ان کا احترام واکرام کرے، ان کو کھانا کھلائے اور ان کی خدمت میں ہدایا پیش کرے (تو اس کے نتیجے میں) اگر اس کا بیٹا عالم نہ بنا تو اس کا پوتا ضرور عالم ہوگا۔ (تعلیم المتعلم، ص۲۲)

ابو بکر محمد بن علی الاوحوتی انوی فرماتے ہیں کہ کسی نے کسی عالم سے کچھ سیکھا اور اس کو فائدہ ہوا تو وہ اس کا غلام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتَاهُ﴾ یہ یوشع جو موسیٰ کے تلمیذ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو غلام اسی وجہ سے کہا ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ، ص۹۹)

جس کو بھی کوئی مرتبہ ملا وہ ادب واحترام کی وجہ سے عطا ہوا ہے اور جو کوئی بھی

محروم ہوا وہ ادب واحترام کے ترک کی وجہ سے محروم ہوا ہے۔ **بعض علماء کی رائے ہے کہ** تعظیم، ادب واحترام اور فرماں برداری سے بہتر ہے کیوں کہ انسان معصیت سے کافر نہیں ہوتا لیکن معصیت کو کم جاننے اور اس کی تخفیف کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔

(تعلیم المتعلم :ص۲۱)

بے ادب متقی نہیں ہوسکتا:

چناں چہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: کہ استاذوں کا ادب بھی تقویٰ میں داخل ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا وہ متقی نہ ہوگا اور اس میں کوتاہی کا بڑا سبب یہی ہے کہ طلبہ کو تقویٰ کا اہتمام نہیں اور تقویٰ علم کی زیادتی کا سبب ہے متقی کے لیے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے اور وہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ مامورات کو بھی بجالایا جائے۔

(التبلیغ ج۱/ ۱۴۱ بحوالہ استاذ وشاگرد کے حقوق :ص۱۱)

استاذوں کے ادب سے علم میں خیر وبرکت:

جس قدر استاذ سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔ عادت اللہ یہ ہے کہ استاذ خوش اور راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔ (استاذ وشاگرد کے حقوق :ص۱۲)

کیا واجب کے بعد تطوع کا کوئی درجہ نہیں؟ خصوصاً جب کہ اس میں اپنا نفع ہو تجربہ سے معلوم ہوا کہ استاذ کا دل جس قدر خوش رکھا جائے گا اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔ پس جو حقوق واجب نہیں ہیں ان کی رعایت کرنے سے اپنا نفع ہے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اگر استاذ بھی اس قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلائے، ایک منٹ زیادہ نہ دے، تقریر ایک بار سے زیادہ ہرگز نہ کرے تو کیا اس طرح اس کو علم حاصل ہو سکتا ہے؟ استاذ بے چارہ اس کی تعلیم وتفہیم میں واقعی خون جگر کھاتا ہے تو اس کو کیا زیبا ہے کہ

اس کے حقوق میں ضابطہ سے ایک انگل نہ بڑھے یہ تو بے حسی اور قساوت قلبی ہے۔

لوگ پیر کی تعظیم وخدمت اور اطاعت میں حدودِ شرعیہ سے بھی تجاوز کر جاتے اور استاذ کے حقوق کے ادا کرنے میں حد شرعی کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔

اس لیے استاذ کا بھی ادب واحترام علم کے حصول کے لیے لازمی ہے۔ چناں چہ ابن وہبؒ فرماتے ہیں: میں نے امام مالک کے ادب سے جو کچھ سیکھا ہے وہ ان کے علم سے افضل ہے۔ حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں: ہم مسروقؒ کے پاس جاتے، ان کی سیرت اور رہ نمائی سے علم سیکھتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۵۳)

استاذ کی بے ادبی سے علم سے محرومی ہوتی ہے:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: مقبولانِ الٰہی یا اپنے محسن کی شان میں جو گستاخ ہوتا ہے اس کی عقل مسخ ہوجاتی ہے۔ مولوی اسحاق صاحبؒ کے ایک شاگرد طالب علم ان کی شان میں گستاخ تھے۔ ایک شخص نے کہا: تم شاگرد ہو وہ تمہارے محسن ہیں تمہیں ایسا نہ کرنا چاہیے۔ اس نے جواب دیا: محسن تو جب ہیں جب مجھے ان کا پڑھا ہوا یاد رہا ہو مجھے کچھ یاد نہیں۔ پھر حضرت والا نے فرمایا: اِدھر اس نے گستاخی کی اُدھر علم سلب ہونا شروع ہوگیا۔

اگر بے ادبی ہو تو علم سے محرومی ہوتی ہے۔ (تعلیم المتعلم: ص۲۴)

اسی طرح طالب علم کے لیے یہ بھی مناسب نہیں کہ استاذ کو ذلیل کرے اور کسی دوسرے کو استاذ پر ترجیح دے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کو استاذ پر ترجیح دی تو اس نے اسلام کی کڑیوں میں سے ایک کڑی کو توڑ دیا۔ (مفتاح السعادہ ومصباح السعادہ: ج۱/۲۵)

بل کہ کسی موقع پر کوئی بات ہو (یعنی اگر کوئی استاذ کے خلاف کچھ کہے) تو اس کی طرف سے دفاع کرے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو وہاں سے علیحدہ ہوجائے۔ (حقوق: ص۹۹)

تکرار و مذاکرہ کی اہمیت

کوئی اگر یہ چاہے کہ اس کو سبق یاد رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بار بار تکرار کرے اور سبق کو دہرائے کیوں کہ صرف ایک دفعہ میں یاد ہو جانا محال ہے، بل کہ بار بار تکرار سے وہ چیز ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ کے تکرار سے یاد ہو جانا یہ خیالِ خام ہے اور پھر یاد نہ ہونے پر بد دل ہونا اور اپنے حافظہ کو کمزور سمجھنا نری بے وقوفی ہے۔ چناں چہ ابن جماعہؒ فرماتے ہیں کہ صرف سبق درس میں سن لینے پر اکتفا نہ کرنا چاہیے کیوں کہ یہ کم ہمتی، ناکامی اور سمجھ داری سے دور رہنے کی علامت ہے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۱۴۲)

طالب علم کے لیے مناسب ہے کہ وہ استاد کی مجلس میں جو فوائد، قواعد وضوابط بیان ہوں ان کا مستقل مذاکرہ کرتا اور استاد کی بات کو آپس میں دہراتا رہے کیوں کہ مذاکرہ سے انتہائی نفع ہوتا ہے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم: ص ۱۴۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حدیث کا تکرار کرتے رہا کرو کیوں کہ تکرار سے علم زندہ رہتا ہے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں: علم کی آفت اس کو بھول جانا اور مذاکرہ میں کمی کرنا ہے (مقدمہ اوجز المسالک: ج ۱/ص ۸۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیث کا مذاکرہ کرنا قرآن پڑھنے سے بہتر ہے (مقدمہ اوجز المسالک: ج ۱/ص ۸۱)

ایک روایت میں ہے کہ مذاکرہ کرنا تسبیح ہے، بحث کرنا جہاد اور سکھانا صدقہ ہے۔ عدنان بن عبد اللہ فرماتے ہیں: ہم حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس

حاضر ہو کر ان کے سامنے حدیث بیان کی پھر ان سے کہا: ہم نے آپ کو تھکا دیا تو انہوں نے فرمایا: تم نے مجھ کو نہیں تھکایا، میں نے ہر چیز میں عبادت کو تلاش کیا ہے مجھے کوئی چیز مذاکرۂ علم سے زیادہ تسلی بخش نہ ملی (جامع بیان العلم: ج۱/ص۱۲۳)

علیؓ سے منقول ہے کہ مذاکرہ کرتے رہا کرو اگر تم مذاکرہ نہیں کرو گے تو تمہارا علم پرانا ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں: جب تم کوئی حدیث سنو تو اس کو بیان کرو۔ خواہ ایسے آدمی ہی کے سامنے بیان کرو جو سننے کی چاہت نہ رکھتا ہو کیوں کہ یہ (سنانا) تمہارے سینہ میں میں کتاب کی طرح (محفوظ) ہو جائے گا۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۳۲)

اسماعیل بن رجاءؒ بچوں کو جمع فرماتے اور ان کو حدیث سناتے تا کہ بھول نہ جائیں۔ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے تھے: حدیث کو زندہ کرنے والی چیز مذاکرہ کرنا ہے۔ عبد اللہ بن شدادؒ نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کتنی حدیثیں ہیں کہ تم نے میرے دل میں زندہ کر دیں (یعنی تم مجھ سے تکرار کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ حدیثیں مجھے یاد ہو گئیں)۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۳۴)

خطیب بغدادیؒ نے شاذ کوفی کا قول نقل کیا ہے کہ علم ہمیشہ مذاکرہ کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ: ص۱۲۷)

حضرت خلیلؒ فرماتے ہیں: جو مذاکرہ زیادہ کرتا ہے وہ معلوم باتوں کو بھولتا نہیں اور جو باتیں جانتا نہیں وہ جان لیتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج۱/۱۷۹)

ابراہیمؒ کہتے ہیں: ان کی ساری رات اس حال میں گزرتی کہ کبھی خود ہی مذاکرہ اور تکرار کرتے کبھی اپنے گھر والوں کے سامنے تکرار کرتے (تا کہ یاد ہو جائے)
(جامع بیان العلم ج۱/۱۲۳)

تقریر کی تیاری کیسے کریں؟

تقریر کی تیاری کے پانچ مراحل:

جب آپ کو کسی موضوع پر تقریر کرنے کو کہا جائے تو اس کی تیاری کے لیے بالترتیب ذیل کے پانچ مراحل پر عمل کیجیے۔ ان شاء اللہ تقریر تیار ہو جائے گی۔

مواد کی فراہمی:

سب سے پہلے اس موضوع کے متعلق آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات، بزرگان دین کی حکایت، منفرد اور اچھوتے نکات اور ذاتی مشاہدات و تأثرات ترتیب وار جمع کریں۔ پھر موضوع کی مناسبت سے ایک آدھ لطیفہ، چٹکلہ اور تین چار اشعار تلاش کر لیں تاکہ انہیں مناسب جگہ ٹانکا جا سکے۔ اس کام کے لیے آپ کو دو چیزیں کام آئیں گی، ذاتی یادداشتیں اور کتب بینی۔

ذاتی یادداشتیں:

خطابت کی بنیاد علم ہے اور یادداشتیں انسان کے لیے علم کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ کسی بھی موضوع سے متعلق تقریر تیار کرتے وقت مقرر کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی ذاتی یادداشتوں کو ٹٹولے، کھرچے اور کریدے۔ ذہن کے نہاں خانوں میں موضوع سے متعلق اُسے بہت سے مواد اور اشعار بکھرے پڑے ملیں گے۔ ان سب کو وہ احاطۂ تحریر میں لے آئے۔

کتب بینی:

دوسرے مرحلہ میں وہ اپنے وسعت مطالعہ پر نظر دوڑائے کہ متعلقہ موضوع پر اُس نے کن کن کتب اور کن کن رسائل میں کچھ پڑھا تھا؟ ممکن ہوتو دوبارہ ان کتب سے استفادہ کرے۔ ورنہ جو کچھ یاد ہے اسے ہی آئینۂ تحریر میں اتارے۔ مزید مطالعہ کے لیے وہ اپنے ادبی دوستوں اور اساتذہ واہلِ علم سے رہنمائی حاصل کرسکتا ہے، کہ اسے کون سی کتب پڑھنی چاہیے؟ اب آگے بڑھنے سے پہلے تین چیزیں مزید منتخب فرمالیں، تاکہ تقریر کے لیے درکار مواد مکمل ہوجائے۔

ایک تو مختصر ومنفرد الفاظ پر مشتمل خطبہ؛ دوسرے غیر روایتی اور خوب صورت الفاظ پر مشتمل آغاز؛ تیسرے تقریر کے خلاصہ اور واضح پیغام پر مشتمل بامعنی اور دل کش اختتام۔ یہ تین چیزیں بھی اگر متأثر کن اور معیاری ہیں، تو سمجھیے کہ آپ نے پچاس فیصد کام، کامیابی سے مکمل کرلیا ہے۔

اب ذرا یادداشت پر نظر دوڑائیے۔ آپ کے پاس بالترتیب یہ دس چیزیں جمع ہو چکی ہیں، جو کسی بھی اچھی تقریر کے لیے بنیادی عناصر ہوتی ہیں:

(۱) خطبہ (مختصر ومنفرد) (۲) افتتاحی الفاظ (غیر روایتی)

(۳) آیات قرآنیہ (۴) احادیث نبویہ

(۵) مستند واقعات (۶) کوئی منفرد خیال یا اچھوتا نکتہ

(۷) ذاتی مشاہدات وتأثرات (۸) لطائف اور چٹکلے

(۹) موضوع سے متعلق معیاری اشعار (۱۰) بامعنی اور خوب صورت اختتام

یادرکھیے! یہ سب چیزیں ہر تقریر میں لازمی نہیں لیکن اچھی اور معیاری تقریر

کا قوام بنیادی طور پر اِن ہی دس عناصر سے تیار ہوتا ہے۔

ایک چبھتا ہوا سوال:

ممکن ہے یہاں پہنچ کر طالب علم کے دل میں سوال پیدا ہو کہ کسی مقابلے میں شریک تمام ہی امیدوار یہی چیزیں تیار کر کے لائیں گے تو میری کامیابی کی کیا ضمانت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کامیابی کی ضمانت دو چیزوں میں ہے۔

انفرادیت اور مشق: یعنی آپ نے آغاز غیر روایتی انداز میں کیا، الفاظ کے انتخاب میں سلیقے کا مظاہرہ کیا۔ کوئی ایسا منفرد نکتہ یا اچھوتا خیال پیش کیا جس تک دوسروں کا ذہن نہیں پہنچ سکا۔ آپ کا لہجہ پر اعتماد او انداز واطوار اصولوں کے مطابق تھے تو یہ سب چیزیں مل کر آپ کو سبقت دلا سکتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی مشق کیسی تھی؟ جنون کی حد تک پہنچ گئی تھی یا نہیں؟ اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے آپ تقریر کو پکاتے اور رواں کرتے تھے یا نہیں؟ یہ چیزیں ایسی ہیں جو (اس مرتبہ نہیں تو اگلی مرتبہ) کامیابی کا تاج آپ کے سر پر سجا کر چھوڑے گی۔ آزمائش شرط ہے۔

(۲) خاکہ سازی:

اس مرحلہ میں طالب علم جو کچھ جمع کر چکا ہے اس کی شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ انتہائی ضروری ہے۔ حسن ترتیب کے بغیر مقرر کو پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ اُسے بات کہاں سے شروع کرنی اور کس موڑ پر جا کر ختم کرنی ہے؟ خاکہ مرتب کیے بغیر مائیک کے سامنے جانا اندھیرے کمرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات ہے۔ کچھ ہاتھ نہ آئے گا، خطیب خواہ کتنا بڑا عالم اور صاحب مطالعہ شخص ہی کیوں نہ ہو، کم از کم اپنے ذہن میں کوئی خاکہ

مرتب ضرور کر لیتا ہے تا کہ اس خاکہ کے مطابق بات آگے بڑھاتا چلا جائے۔

(۳) قلم بندی:

اب آپ کو اس خاکہ میں رنگ بھرنا ہے۔ تقریر کو تحریری صورت میں لانا ہے۔ کسی مقابلے میں حصہ لینے والے ایسا کرتے ہوئے تقریر کے ابتدائیہ، مرکزیہ اور اختتامیہ کے مطابق الفاظ اور مواد مرتب کریں۔ موضوع سے خارج یا کم مطابق مواد کو حذف کردیں۔ طالب علم مقررین کے لیے یہ بات اور بھی ضروری ہے کہ وہ موضوع کے عین مطابق باتوں کو باقی رکھیں اور غیر متعلق سب باتیں قلم زد کردیں۔ کیوں کہ مقابلے کی تقریر میں ان کے پاس سات آٹھ منٹ سے زیادہ وقت نہ ہوگا۔ تقریر ایک مرتبہ تحریر میں لانے کے بعد اس پر غور و فکر کریں۔ نامناسب الفاظ، کمزور ترکیبوں اور استعاروں کو نکال باہر کریں اور ان کو زیادہ موزوں الفاظ اور ترکیبات کے موتیوں سے سجائیں۔ یوں آپ کا تقریر نویسی کا مرحلہ طے ہوگیا۔

(۴) ذہن نشینی:

اس مرحلہ سے آپ اپنے کو سامعین کے سامنے لے جانے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ اگر آپ تھوڑے تجربہ کار ہیں تو تقریر کو ذہن نشین کر لینا ہی کافی سمجھیں اور اس کی مشق شروع کردیں، لیکن اگر آپ بالکل نئے ہیں، تو پھر آپ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ شروع کی چند تقاریر یا ان کا اکثر حصہ لفظ بہ لفظ یاد کر کے ہی سامعین کے سامنے جائیں۔ اس طرح آپ خود کو زیادہ پُر اعتماد محسوس کریں گے۔

مقررین کے لیے ضروری ہے کہ ایک آدھ تقریر کر لینے کے بعد جب سامعین کا سامنا کرنے کا خوف دور ہو جائے تو رٹے لگا کر تقریر کرنے کی عادت تو بالکل چھوڑ دیں

لیکن ضروری ہے کہ تقریر کا خلاصہ اور خاص خاص نکات کسی چھوٹے کاغذ پر لکھ کر تنہائی میں بیٹھ کر ذہن نشین کرنے اور مرتب انداز میں پیش کرنے کی کوشش اور مشق جاری رکھیں۔

(۵) مشق! مشق! مشق!

یہ تقریر کی تیاری کا آخری اور سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ پہلے خیال میں تقریر کو اتنا پکائیں کہ رواں ہو جائے، پھر آواز کے اتار چڑھاؤ، وقف و وصل اور اعضاء کی زبان (باڈی لینگویج) کا خیال رکھتے ہوئے عملی مشق شروع کر دیں۔ فن کوئی بھی ہو محنت چاہتا اور وقت کا نذرانہ مانگتا ہے۔ کسی بھی ہنر میں مہارت حاصل کرنے کے لیے دیوانہ وار محنت بہت ضروری ہے۔ جوئے شیر لانے کے لیے تیشہ بکف رہنا ہی پڑتا ہے۔

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا:

خواہ آپ کا کتنا ہی مطالعہ کیوں نہ ہو، مشق کے بغیر تو گویا ابر ہے بارش نہیں، چمن ہے پھول نہیں، درخت ہے ثمر نہیں، چراغ ہے تیل نہیں اور کھانا ہے مگر نمک نہیں، لیکن اگر آپ مطالعے کے ساتھ ساتھ مشق جاری رکھتے ہیں، تو ضرور آپ کے جوہر کھلنے لگیں گے۔

سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

فن خطابت شعر و شاعری سے مختلف ہے، شاعری کے برعکس یہ فن مشق سے سیکھا جا سکتا ہے اور مسلسل محنت سے بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ مقرر پیدائشی نہیں ہوتے، مستقل محنت اور مشق سے آگے بڑھتے ہیں۔ فن پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی جھولی میں نہیں گرے گا۔ پہلے آپ کو تخم ریزی کے بعد ایک خاص مدت تک اس کی حفاظت کرنی پڑے گی۔

کچھ ممتاز مقررین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ابتدائی دور میں درختوں کے سامنے تقریر کرتے یا بچوں کو اکٹھا کر لیتے اور ان کے سامنے تقریر کی مشق کرتے رہتے۔

آپ بھی کھلی فضا میں کہیں جا کر، یا کسی بند کمرے میں بیٹھ کر، اپنے سامنے سامعین کا تصور باندھ کر تقریر کی مشق نہایت عمدگی سے کر سکتے ہیں۔صحت تلفظ اور حسنِ ادا کا جائزہ لینے کے لیے، آپ اپنی تقریر ریکارڈ کر کے سن سکتے ہیں ۔ بہت سے مقررین مشق نہ کرنے کی وجہ سے سامعین کے سامنے آکر دو چار منٹ ہی تقریر کرتے ہیں تو ان کا حافظہ، ان کا گلا اور ان کی آواز انہیں بیچ منجدھار چھوڑ کر کنارے پر کھڑی تماشا دیکھتی رہتی ہے۔

(ایضا:ص۳۵ تا۳۹)

تقریر کا عظیم مقصد:

یعنی آپ یہ سوچیے کہ آپ اپنی دھاک بٹھانے نہیں، بل کہ اللہ کا حکم پورا کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی نیابت میں اپنا فرضِ منصبی ادا کرنے جا رہے ہیں، آپ خود کچھ بھی نہیں، لیکن جس عظیم ذات کا پیغام آپ اس کے بندوں تک پہنچا رہے ہیں وہ سب کچھ ہے، اور لامتناہی قوتوں کی مالک ہے۔

اس تصور کے ساتھ ہی تعلق مع اللہ کا ایک احساس آپ کے دل و دماغ کو تقویت دے گا، اور آپ وساوس واوہام کے ہجوم سے آزاد ہو کر سنتِ انبیاء کو ادا کرنے کے لیے بھر پور اعتماد اور قوت قلب کے ساتھ مائیک کے سامنے جا سکیں گے۔ (ایضا:ص۴۲)

ماہر خطیب کیسے بن سکتے ہیں؟

اس دنیا میں کسی بھی کمال تک پہنچنے کے لیے محنت، ایک لازمی شئ ہے اس کے بغیر نہ تو خطیب ماہر خطیب بن سکتا ہے، نہ عالم صاحبِ کمال ہوسکتا ہے۔لہٰذا سب سے پہلے اپنے آپ کو محنت کے لے تیار کرنا ہوگا، خطیب کے ماہر ہونے کے لیے ذیل میں دیے جا رہے امور پر محنت کرنا ضروری ہے۔

مطالعہ:

مطالعہ خطیب کے لیے پیٹرول کی مانند ہے، اگر پیٹرول نہ ہو تو گاڑی نہیں چل سکتی، بس اسی طرح مطالعہ کے بغیر خطیب کے خطاب میں جان اور اثر نہیں آسکتا، اور خطیب کو تو ہر چیز کا مطالعہ ضروری ہے، دنیوی معلومات بھی ہو اور سائنسی بھی، اہم اور بنیادی معلومات اس کے پاس ہو، معاشیات، سیاسیات، تاریخ، سیرت، قصص وواقعات، ان تمام موضوعات پر ہر وقت مطالعہ ہوتا رہے، تو جب جا کر ذہن میں مواد جمع ہوگا، جس سے سمجھانے میں سہولت ہوگی اور بات میں وزن پیدا ہوگا۔

خطیب خاص طور پر جرائد، مجلّات، رسائل، مشہور معاصرین ومتقدمین کے مطبوعہ خطبات وتقریریں جیسے: اردو میں اصلاحی خطبات، خطبات ذوالفقار، بیاناتِ طارق جمیل، خطباتِ قاسمی، ندائے منبر ومحراب، صدائے محراب، خطبات حکیم الامت، خطبات حکیم الاسلام، اصلاحی مواعظ، اصلاحی تقریریں، خطبات علی میاں، خطبات بھاولپور، خطباتِ منور، خطباتِ ادریس، تکبیرِ مسلسل ابوالکلام آزاد، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وغیرہ کی تقریریں وغیرہ کے مجموعے۔

اگر ابتدائی اردو، فارسی اور عربی اول وغیرہ کے طلبہ ہیں، تو ان کے لیے تقاریر کے عنوان پر شائع شدہ بہت سی کتابیں مثلاً: نظامت اور خطابت گوہر علم جو ہر سیرت، دلنشین تقاریر، دل پذیر تقاریر وغیرہ زیادہ مفید ہوں گی۔ کیوں کہ اس سے الفاظ کا ذخیرہ حافظہ میں اکٹھا ہو جائے گا، جو مقرر اور خطیب کے لیے ازحد ضروری ہے۔

نامور خطباء کا مشاہدہ اوران کی تقاریر کا سماع:

اِس میدان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مشہور ومعروف مقررین کو دیکھیں، تاکہ اندازِ بیان اور طریقہ معلوم ہوسکے، ان کو یا ان کی کیسٹوں کو سنیں، تاکہ اسلوب بیان کا علم ہوسکے، اور عمدہ لب ولہجہ کو اپنانے میں سہولت ہو، مثلاً قاری حنیف ملتانی، قاری ندیم، مولانا علی میاں ندویؒ، قاری طیب صاحب، مولانا سلمان ندویؒ، مولانا طارق جمیل، مولانا ذوالفقار نقشبندیؒ، ابوطالب رحمانیؒ وغیرہ۔

تقریر کے محاسن:

تقریر کے الفاظ میں فصاحت وبلاغت کی چاشنی ضروری ہے تاکہ زبان سے نکل کر سبھی کے قلب پر اثر انداز ہو، صاف ستھرے انداز، تسلسل الفاظ کے ساتھ، مجمع کی رعایت کرتے ہوئے اگر علمی جلسہ ہوتو علمی پہلو پر نظر ہو، اگر عوام ہے، اصطلاحی اور فکری پہلو مدِ نظر ہو، اگر تعلیم یافتہ ہوتو اسلام اور دیگر تعلیمات میں تقابل کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی برتری عقلی انداز میں ثابت کرے، مشکل اور پیچیدہ الفاظ تقریر کو غیر مفید بنادیتے ہیں۔

تقریر کرنے کا اسلوب بھی اچھوتا اور نرالا ہو، بات معقول اور لہجہ پرسوز ہو کہ قلب ودماغ کی کایا پلٹ دے، تقریر کے دوران اتار چڑھاؤ ہو، مناسب اشارے یہ بھی تقریر میں حسن پیدا کرنے والی چیزیں ہیں۔

تقریر میں عمدہ معنی خیز اور ولولہ انگیز اشعار وقفہ وقفہ سے پڑھنے سے تقریر کے حسن میں نکھار پیدا کرتے ہیں، البتہ ایک ہی شعر کو بار بار نہ دہرائیں، یا کسی زبان زدعام شعر کو بھی تقریر میں استعمال نہ کرے، ورنہ مزہ کرکرا ہوجاتا ہے۔

تقریر کے اصول:

عصرِ حاضر میں جہاں دوسرے علوم وفنون کا سائنسی مطالعہ کیا گیا ہے، وہاں فنِ تقریر کے سائنسی تجزیہ اور مطالعہ کی طرف بھی پوری توجہ دی گئی ہے۔ چناں چہ گفتگو اور تقریر کے فن پر مستقل تصنیفات کی گئی ہیں۔ اچھی تقریر کے متعلق ذیل کی باتوں پر تقریباً سبھی مصنفین متفق نظر آتے ہیں۔ اس لیے انہیں ''تقریر کے بنیادی اصول'' کہا جاسکتا ہے۔

(۱) بھرپور تیاری:

(۱) تقریر کرنے سے پہلے اس کی تیاری پر خوب محنت کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں پہلا مرحلہ غور وخوض کا ہے۔ جتنا اہم موضوع ہوگا اتنا ہی زیادہ اس پر غور وخوض ہونا چاہیے۔

(۲) متعلقہ مواد کا تفصیلی مطالعہ نہایت ضروری ہے اور اس تفصیلی مطالعہ میں ابتدائی کتابوں سے لے کر انسائیکلو پیڈیا تک سے کام لینا چاہیے۔

(۳) اس کے بعد بہترین خیالات کا انتخاب کرنا چاہیے، کیوں کہ جتنا کچھ پڑھا گیا وہ سب تو ایک تقریر کے اندر سما نہیں سکتا۔ خیالات کا عمدہ انتخاب تقریر کی عمدگی کا ضامن ہے۔

(۴) اچھی تقریر کے لیے تقریر کا خاکہ تیار کرنا ضروری ہے۔ جس طرح کوئی عقلمند معمار نقشے کے بغیر مکان تعمیر کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، اسی طرح کوئی اچھا مقرر تقریر کا خاکہ تیار کیے بغیر تقریر کا ارادہ نہیں کرتا۔

اندازِ خطاب:

(۱) تقریر کے انداز میں تصنّع نہ ہو۔ قدرتی اور بے تکلّفانہ انداز اختیار کیا جائے۔ تقریر میں گفتگو کا فطری انداز سامعین کی توجہّ کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور مقرر

وسامعین کے درمیان خوشگوار رابطے کا کام دیتا ہے۔

(۲) تقریر کے لیے موزوں تیاری ضروری ہے، لیکن تحریری نوٹ لے کران کی مدد سے تقریر کو آگے چلانے کی کوشش عام طور پر خوشگوار نتائج پیدا نہیں کرتی۔ اگران کو خوبی اور چابکدستی سے استعمال نہ کیا جائے تو یہ نوٹ مقرر اور سامعین کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور ان کا ذہنی رابطہ قائم نہیں رہتا۔

(۳) ہاتھ کے اشاروں، چہرے کے تأثرات، سر اور آنکھوں کی حرکات سے تقریر میں اثر بڑھتا ہے لیکن حرکات وسکنات قدرتی ہونی چاہییں۔ اگر ان میں اداکاری کا بناوٹی رنگ آجائے تو سامعین مقرر کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔

(۴) آواز نہ اتنی بلند ہو کہ مقرر چیختا چلاتا سنائی دے اور نہ اتنی دھیمی کہ تمام سامعین تک بخوبی پہنچ نہ سکے۔

(۵) مائیک سینس بھی بہت اہم چیز ہے۔ بیان کے دوران دائیں بائیں متوجہ ہوتے وقت سینہ تو موڑیں لیکن منہ کو مائیک کے سامنے سے نہ ہٹنے دیں تاکہ آواز کا تسلسل نہ ٹوٹے۔

تقریر کی صحیح تیاری کا طریقہ:

(۱) اساتذہ اور اہلِ ذوق حضرات کی مدد سے کتابوں کا انتخاب، انسائیکلوپیڈیا اور انٹرنیٹ وغیرہ سے معلومات کا حصول۔

(۲) متعلقہ مواد کا گہرا مطالعہ اور گہرا غور وخوض۔

(۳) بہترین خیالات کا انتخاب۔ ایک سو خیالات جمع کریں۔ ان میں سے نوّے خیالات ضائع کر دیں۔ مواد اور مقررہ وقت کے باہمی تناسب کا خیال رکھیں۔

(۴) تقریر کا خاکہ تیار کرنا اور پھر اس میں رنگ بھرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مراجعت کرتے رہنا۔

(۵) تقریر آپ کے ذہن کی تخلیق ہونی چاہیے۔ مختلف قسم کا مواد دماغ میں موجود ہو، لیکن خود پھلے پھولے اور لاشعوری طور پر پروان چڑھے۔

(۶) ایک دانشور کا قول ہے: الفاظ کے پیچھے مت بھاگو بل کہ خیالات کی تلاش کرو۔ جب خیالات کا ہجوم ہوگا تو الفاظ بخود چلے آئیں گے۔ (ایضاً: ص۸۳تا۸۷)

مقرر کن موضوعات کا انتخاب کرے:

مقرر کے لیے ماضی اور حال دونوں سے واقف ہونا از حد ضروری ہے، اس کو ماضی کی تاریخ اگر معلوم ہے تو اپنے گرد وپیش کے حالات کو دیکھ کر، سامعین کو واقعات سے نتائج اخذ کر کے انجام سے باخبر کرسکتا ہے، اور اس کے لیے خطیب کا حائظ ہونا یا کم از کم آیات قرآنیہ کے بڑے ذخیرے کا حفظ کرنا بے حد ضروری ہے، اسی طرح کتب احادیث کا زیر مطالعہ ہونا بھی لازم ہے، کیوں کہ ماضی کے واقعات کو پورے شرح وبسط کے ساتھ احادیث مین بیان کیا گیا اور ''دینی امور'' مکمل تفصیلات کے ساتھ بھی احادیث میں وارد ہیں، اردو میں معارف القرآن، معارف الحدیث، منتخب احادیث وغیرہ کا مطالعہ اس کے لیے معین ومددگار ثابت ہوگی۔ اسی طرح اعمال صالحہ کے فضائل اور اعمال سیئہ پر وعیدوں کا جاننا ضروری ہے تا کہ اسلامی خطابت کے طرۂ امتیاز ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے فریضہ کو صحیح معنی میں انجام دیا جاسکے۔

عصر حاضر میں عقلیت کا رجحان غالب ہے، لہٰذا اسلامی تعلیمات کو عقلی انداز میں اس کے اسرار ورموز کا بتانا بھی ناگزیر ہے، اس کے لیے حجۃ اللہ البالغۃ، احیاء علوم

الدین، ملفوظات حکیم الامت، ملفوظات فقیہ الامت وغیرہ کی ضرور ورق گردانی کرے۔

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ دور مغرب کے غلبہ کا دور ہے، جس نے ''علم، تحقیق، ریسرچ، آزادئ رائے اور مساوات'' جیسے خوشنما الفاظ کو فروغ دے کر پوری دنیا کو فریب میں مبتلا کیا ہے، لہٰذا خطباء اور مقررین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان اصطلاحات کے مغربی اور اسلامی تصور کو بیان کرے اور اسلام نے اس کی جو صحیح تعبیر و تحدید کی ہے، اسے بیان کرے تاکہ مسلمان اس کے دام فریب سے بچ جائے یا نکل جائے۔

اس کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی، انشاء پرداز ادیب و عالم حضرت مولانا ابن الحسن عباسی، جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا رابع صاحب، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ یوسف بنوری، شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ابوعمار زاہد الراشدی، شیخ الحدیث مولانا شامزی شہید، حضرت مولانا رفیع عثمانی، مولانا اسرار احمد، علامہ اقبال، اکبر الٰہ آبادی وغیرہ کی تصنیفات، تالیفات اور تحریرات کو خوب پڑھیں۔

''ذرائع ابلاغ، اور نصاب تعلیم'' وغیرہ کے ذریعہ مغربی افکار و نظریات، مثلاً'' نظریۂ ارتقاء، نظریۂ جنسیت، نظریۂ وجودیت، نظریۂ سیکولرزم، نظریۂ جمہوریت، نظریۂ سرمایہ داریت اور نظریۂ اشتراکیت'' وغیرہ کو پچھلے تقریباً دو تین صدیوں سے عام کیا جارہا ہے جو ایمان کے لیے خطرناک ہے، لہٰذا خطباء پر ضروری ہے کہ وہ دنیوی تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے، اسی کو اپنا موضوع بنائے، اور قرآن وحدیث اور جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اس کے بطلان کو ثابت کرے، اس کے لیے ہارون یحیٰ کی کتابیں، اور ویب سائٹ WWW.Harunyahya.Com مفتی ابولبابہ شاہ منصور، انور غازی،

یوسف غازی، یاسر محمد خان، قاری منصور احمد، ڈاکٹر محمد امین، پیر ذوالفقار نقشبندی، ڈاکٹر عدنان سہیل، پروفیسر محمد حسن عسکری، ڈاکٹر وسیم اکبر شیخ وغیرہ کی تحریرات اردو میں پڑھیں، اور عربی میں ''الاستاذ انور الجندی، عبدالرحمٰن حنبکہ المید انی، محمد حامد ناصر، قرہ داغی، توفیق الواعی اور محمود عقاد وغیرہ کی کتابوں سے استفادہ کرے۔

اخیر میں معذرت کے ساتھ یہ درخواست ہے کہ اللہ کے واسطے میدان خطابت کو سنبھالیے، بے شک اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے مضمون کو طوالت دے دی مگر طلباء کی تقاریر سے بے رغبتی اور بے توجہی نے مجھے مجبور کیا کہ میں اتنا طویل مضمون لکھنے کی جسارت کر بیٹھوں، امید ہے کہ یہ تحریر طلباء کے لیے علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق ہو گی اخیر میں علامہ اقبال کے اس شعر پر موضوع سمیٹتا ہوں ؎

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

عربی میں تقریر کیسے کریں؟:

جس طرح اردو تقریروں میں سب سے پہلے خطبہ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح عربی تقریروں میں بھی سب سے پہلے خطبہ پڑھا جاتا ہے، البتہ تقریر کے دوسرے متعلقات سے واقف کرانے کے لیے اگلی سطور لکھی جارہی ہیں، خطبہ کے بعد خطاب کا نمبر آتا ہے، موقع و محل کے لحاظ سے خطاب کے الفاظ بدلتے بھی ہیں، مگر کچھ ایسے ہیں جو ہر جگہ کام دیتے ہیں۔ مثلاً: (۱) **ایھا الاخوۃ** (۲) **ایھا الاخوۃ الاعزاء** (۳) **ایھا الاخوۃ الکرام** (۴) **ایھا الاخوۃ فی الدین** (۵) **ایھا الاخوۃ فی اللہ** (۶) **ایھا الاخوۃ فی العقیدۃ** (۷) **ایھا الاخوۃ المؤمنون** (۸) **ایھا الاخوۃ المسلمون** (۹) **اخوانی فی اللہ**

(۱۰)اخوانی الاعزاء (۱۱)اخوانی الاحباء (۱۲)ایها المسلمون (۱۳)الاخوة الحضور (۱۴) ایهاالسادة (۱۵) ایها السادة الکرام (۱۶)ایها السادة الافاضل (۱۷)اخوانی و سادتی (۱۸) عباد الله (۱۹)حضرة المستمعین الکرام (۲۰)ایها الجمع الکریم (۲۱) ایها الحفل الکریم (۲۲) ایها الاخوة الاکارم (۲۳)سادتی

مذکورہ کلماتِ خطاب کو ہر تقریر میں استعمال کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہو۔ اور خواہ صرف عوام کا مجمع ہو یا خواص کا، یا ملا جلا، اپنے سے بڑوں کا ہو یا چھوٹوں کا۔ یا دونوں کا مخلوط، اور خواہ تقریر اپنے وطن میں ہو رہی ہو یا غیر ملک میں۔

یہ خطاب کے عام کلمات تھے، لیکن مخصوص مقامات پر جلسہ میں شریک شخصیات وحاضرین کے پیش نظر مخصوص کلمات بھی استعمال کیے جاتے ہیں، مثلا: علماء، دانشور اور عوام کے مخلوط مجمع کو خطاب کرنے کا انداز یوں ہونا چاہیے:

(۱)أصحاب الفضیلة واخوانی الکرام

(۲) سماحة الرئیس و العلماء الاجلاء و الاخوة الکرام

(۳)فضیلة الشیخ و الاخوة الحضور

علماء، دعاۃ، وزراء وغیرہ کے مجمع کے لیے:

(۱)ایها الدعاة المخلصون.

(۲)اصحاب المعالی والسماحة و الفضیلة والاخوة الکرام.

(۳)اصحاب السماحة..... أصحاب المعالی......أصحاب الفضیلة.

ایسے جلسے کے لیے جس میں بادشاہ یا صدر مملکت بھی شریک ہوں

(۱)فخامة الرئيس وأصحاب المعالى والسماحة

(۲)صاحب الجلالة وأصحاب السماحة والفضيلة

جس جلسہ میں کسی بادشاہ یا صدر مملکت کا نمائندہ شریک ہو

(۱)ممثل فخامة الرئيس، اصحاب المعالى والسماحة

(۲)ممثل جلالة الملک......اصحاب المعالى والفضيلة

اساتذہ وطلبہ کے مشترکہ جلسہ کو خطات کرتے ہوئے

الاخوة الحضور والاساتذة والدارسون

صرف طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے: (۱)ابنائى (۲)أيها البراعم المؤمنة (۳)اطفالى الاعزاء (۴)أيها الطلبة (۵)احبائى الاطفال (۶)شباب المسلمين (۷)أيها الابناء (۸)احبائى البراعم (۹)ايها الدارسون

ہم وطنوں کو خطاب کرتے ہوئے: أيها الاخوة المواطنون

لیڈروں اور قائدین کو خطاب کرتے ہوئے: أيها الزعماء والقادة

صرف وزراء کے لیے: (۱) صاحب السمو (۲) صاحب المعالى

اور عربی زبان میں تقاریر کے لیے یہ کتابیں معاون ثابت ہوں گی:

"فصل الخطاب، علاؤ الدين ندویؒ، اساليب الخطابة، كيف تخطب، خطب سهلة، الخطب العربية، الخطب المتنوعة" وغیرہ۔

(بحوالہ تعارف العلوم: ص ۴۶۹ تا ۴۹۴......بقلم: مولانا محمد حذیفہ صاحب وستانوی)

حسنِ انشاء

سلطنتِ بخارا پر روسیوں نے حملے کا منصوبہ بنایا، آلات ضرب وحرب سے مسلح فوج بخارا کی جانب روانہ ہوئی۔ شہنشاہ بخارا کو علم ہوا تو اس نے قوم کے جوانوں کو جمع کر کے ختم خواجگان کے ورد پر لگا دیا، دوسری جانب دشمن سرحد پر آ پہنچا اور والیٔ بخارا فقط ختم خواجگان کی آس پر دشمن کی تباہی کے خواب دیکھتا رہا، لیکن قانون فطرت ازل سے ابد تک ایک ہی ہے۔

''مَنْ جدَّ وَجَدَ'' اور ''بِقَدْرِ الْکَدِّ تُکتسب المَعَالی'' کامیابی کے شادیانے وہیں بجتے ہیں جہاں جوانوں کی انتھک محنت، پرعزم جدوجہد، بزرگوں کی پرسوز آہیں رقت آمیز دعائیں، ماؤں کا جگر گوشوں کو دین وملت پر قربان کرنے کا اٹل جذبہ اور کم سن بچوں کا روایات اسلاف سے ایفاء اولین ترجیح ہو۔

چناں چہ عزم وہمت ایک جانب اور ختم سے خاتمہ دوسری طرف رہا وہی ہوا جو خوابوں کے شہزادے کا ہوتا ہے زندگی کی باقی گھڑیاں قید خانے میں ملک الموت کی راہ تکتے بیت گئی اور بخارا روس کہلانے لگا' دعائیں، درود واذ کار ضرور فائدہ دیتے ہیں لیکن بزدل وکم ہمت لوگوں کے لیے ترک عمل کا بہانہ بن جاتے ہیں۔

اس پس منظر میں اگر اپنی حالت کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ آج ہم بھی کسی ایسے معجزہ کے منتظر ہیں جو ہمیں پستی وخواری سے نکال کر رفعت وبلندی کی دہلیز تک پہنچا دے لیکن مسبب الاسباب کے دارالاسباب میں حصول اسباب کی کوشش نہیں کرتے۔

حسنِ انشاء اور قوت بیان کسی کو قائل کر کے مائل کرنے کے انتہائی مؤثر ذرائع ہیں، زمانہ جاہلیت اور بعد از بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شعراء کی جولانیٔ قلم اور خطباء کی سحر انگیز آواز بڑے بڑے فتنوں کی اساس تھی اور امن وسکون کا چمنستان بھی انہیں کے دوش پر کھلتا تھا، میدان جنگ میں شکست خوردہ قوموں کے اندر انہیں شعراء کا کلام، ادباء کا قلم تازگی کا روح پھونکتا تھا، عورتیں باقاعدہ گا گا کر مردوں کی ہمت بندھاتی تھیں، شعراء کے قلم سے نکلے ہوئے اشعار نوجوانوں میں شجاعت وسخاوت، غیرت وہمت کے بیج بوتے تھے۔

آج بھی اگر اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں تو واضح طور پر محسوس ہوگا کہ ہمارے عقائد ونظریات، تہذیب وثقافت جتنی میڈیا (پرنٹ والیکٹرانک) سے بگڑ رہے ہیں اتنے شاید ہی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر ہو رہے ہوں، کوئی بھی ایشو ہو، مذہبی، سیاسی اور سماجی وغیرہ اس میں ہمارے قلم کار وتجزیہ نگار انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

حدود آرڈیننس، توہینِ رسالت، قانون میں ترمیم اور انصاف تعلیم میں تبدیلی کر کے معاشرہ کو سیکولر بنانا ہو یا ہندوانہ رسموں کی ترویج اور یہودی ہوس کی تسکین (نیوایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے کی صورت میں) کر کے معاشرے کو روشن خیال بنانا، تمام مسائل میں حسب ضرورت تجزیہ نگار اور قلم کار عوام کی ذہن سازی سیکولر انداز میں کر کے اپنی بات منوا لیتے ہیں: نظریات اس انداز میں پیش کیے جاتے ہیں کہ وہ عین انسانی ضرورت محسوس ہوتے ہیں اور صحیح خیالات وافکار کی ایسی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مفکر کی جہالت ودقیانوسیت کی دلیل بن جاتے ہیں۔ ٹیبل ٹاک (تبصرے) کے نام پر ان مسائل پر لب کشائی ہوتی ہے جن کا حکم قطعی اور اس میں تردد ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہو۔ ناموسِ رسالت وناموسِ صحابہ اور حدود آرڈیننس کی واضح مثال ہیں۔

الغرض! جہاں یہ قلم وقرطاس، زبان وبیان ہدایت کے عام ہونے کا ذریعہ ہیں، وہیں فتنہ پرور خمیر بھی اسی ہتھیار سے حملہ آور ہے۔

لہٰذا جہاں ان کے مقابلے ہم تیر وترکش سے مزین ہو رہے ہیں، سائنس ٹیکنا لوجی کو استعمال کر رہے ہیں، وہیں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے اور اس میدان کارزار کا شہسوار بن کر کامیابی کے جوہر دکھانے چاہئیں کیوں کہ بندوق کا مقابلہ بندوق سے کرنا ہی عقل مندی ہے نہ کہ کشتہ فولاد سے۔

سوائے رہبران ملک وملت، عظمت وشوکت کے میناروں، امت کی ڈوبتی ناؤ، ٹمٹماتے چراغ اور اکھڑتی سانسوں میں آخری سہارا تم ہی ہو، موقع کی نزاکت شاید مزید وقت دینے کا متحمل نہ ہو، کاروان عمل کہیں زیادہ دور نہ نکل جائے، گلشن کی نوخیز کلیاں گل گلزار ہونے سے پہلے ہی مرجھا نہ جائیں۔

اس لیے ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے قلم کی لاج رکھ لو، اہمیت سمجھ لو، اس ہتھیا ر کے داؤ پیچ سیکھ لو، قوی امید ہے کہ مرجھائی ہوئی کلیوں میں مسکراہٹ لوٹ آئے گی، ایمان کا حسن دعوتِ نظارہ دینے لگے گا، ایمان کی دعوت صحیح عقائد ونظریات کی بادِ صبا کو کوئی روک نہ پائے گا، بات صرف عزمِ مصمم کے ساتھ لبیک کہنے کی ہے۔

(اویس ارشد)

انشاء پردازی کیسے سیکھیں؟

پہلا مرحلہ:

اولًا: نحوی قواعد کے مطابق اردو کے جملوں کو عربی میں منتقل کریں، معلم الانشاء حصہّ اول سے مدد لیجیے اور اردو تمرین کے تحت جتنے جملے دیئے گئے ہیں اتنے ہی جملوں کا آپ اپنی جانب سے اضافہ کر کے ترجمہ کیجیے۔

ثانیًا: درسی و غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے کوئی اچھا سا جملہ نظر آ جائے تو اسی طرز پہ بے شمار جملے لکھیے (ڈھالیے) مثلاً آپ نے ایک جملہ پڑھا:

عجباً للذين لا يجدون الفرصة لأداء الصلٰوة.

اسی طرز پر اس طرح کے جملے آپ اپنی طرف سے لکھ سکتے ہیں: **عجبًا للذين لا يسأمون لذائذ الحياة. عجبا للذين لا يمتعون عن إرتكاب المعاصى .عجبا للذين لا يبذلون أقصٰى جهودهم لبناء مستقبلهم الزاهر.**

ثالثًا: کتابچے اور رسائل و جرائد میں کوئی وقیع مضمون پڑھیں تو اس کی تلخیص کریں، تلخیص کا فن مضمون نگاری کی سمت پہلا قدم ہے، کسی بھی مضمون کی تلخیص دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ (۱) مصنف ہی کے الفاظ و تعبیرات میں تلخیص (۲) مصنف کے مفہوم و معنی کی اپنی زبان میں تلخیص۔

رابعًا: روزمرہ پیش آنے والے مشاہدات اور خود کے ساتھ پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے واقعات کو عربی میں لکھیں، بہتر ہوگا کہ روزنامچہ لکھنے کی عادت ڈالیں۔

خامسًا: کسی عربی لغت کا کتاب کی طرح سے لگن اور سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کریں، میری ناقص رائے میں ''المعجم الحی'' کا مطالعہ طلبا کے لیے مفید ہوگا، یہ ایک مختصر عربی لغت ہے جس میں لفظ کی مختصر تشریح کے ساتھ ساتھ ایک ایک مثال بھی دے دی گئی ہے۔

دوسرا مرحلہ:

اولا: معیاری جملوں کا ترجمہ کریں اور پہلے مرحلے میں ذکر کیے گیے نکات کی روشنی میں اپنے معیار کو ترقی دیں۔

ثانیًا: ابتدا میں ہلکے پھلکے موضوعات پہ مضمون نگاری کی مشق کریں، پھر تدریجاً علمی موضوعات کی سمت آئیں، یہاں معلم الانشاء حصہ ۱/۲ سے آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ثالثًا: جن کتابوں کا مطالعہ کریں ان کے مفہوم (لب لباب) کو نہایت اختصار کے ساتھ اپنی کاپی میں قلم بند کریں۔

رابعًا: مختلف مشہور دینی ادارے اور شخصیات پہ تعارفی مضامین لکھنے کی ابتدا کریں (اگرچہ بادی النظر میں یہ آسان ہے مگر حقیقت میں سیرت نگاری کا حق ادا کرنا سب سے دشوار امر ہے۔

خامسًا: اس مرحلے میں خطوط نویسی پر زور دیجیے اور روزنامچہ (مذاکرہ) یا آپ بیتی پابندی سے لکھتے رہیے۔

تیسرا مرحلہ:

اس مرحلہ میں آپ کو مضمون نویسی اور مقالہ نگاری کی مشق کے علاوہ معیاری مؤثر اور سلیس زبان میں کتابوں کے ترجمے اور ترجمانی کا کام کرنا ہے، مگر اِس سے پہلے چند

معرکۃ الآرا تصنیفات اور ان کے ترجمے کو سامنے رکھ کر دونوں کا ایک ساتھ دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کرنا ہے، راقم اپنی ناقص رائے میں ''**ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**'' ''**معالم فی الطریق**'' اور ''**مبادی الاسلام**'' اور ان کے ترجمے کے مطالعہ کا مشورہ دے گا، ان کے اردو اور انگریزی ترجمے بآسانی دستیاب ہیں، اگر آپ کو تینوں زبانوں سے شغف ہو تو تینوں کو ایک ساتھ رکھ کر پڑھیے۔

اب جب کہ آپ علمی موضوعات پہ قلم اٹھانے اور انشائیے تخلیق کرنے کی پوزیشن میں ہیں، لہٰذا سب سے پہلے اپنے مضمون کا انتخاب کرنے کے بعد اس پر قدیم وجدید مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے ان میں سے قابل ذکر کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں اور جب موضوع پر ایک حد تک حاوی ہو جائیں تو نوکِ قلم کو حرکت دیں اور اعتدال کے ساتھ فکر وخیال کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیں، ذیل میں چند مفید مشورے دیے جاتے ہیں۔

انشاء پردازی کے چند رہنما اصول:

(۱) اپنے موضوع کے انتخاب اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنے کے بعد اس کے ممکنہ اہم عناصر ترتیب دیں، پھر گہرے مطالعے، عمیق فکر اور اہل علم سے تبادلۂ خیال کے بعد ہر ہر جز پر اپنی کاوش کا اظہار کریں۔

(۲) خواہ مخواہ اپنی تحریر میں متروک الاستعمال اور نامانوس الفاظ کا انبار جمع نہ کریں کہ ان کے بوجھ تلے معانی دب کر رہ جائیں۔

(۳) از اول تا آخر پورے مضمون میں منطقیانہ ترتیب قائم رکھیں، اس طرح کہ ہر فقرہ دوسرے فقرے سے اور ہر ماسبق اپنے لاحق سے لڑی کے دانوں اور ایک جسم کے اعضاء کی طرح سے مربوط ہوں۔

(۴) غیر ضروری مترادفات کے استعمال سے اپنی تحریر کو پاک رکھیں، موضوع اور ہیئت دونوں ہی کو متوازن رکھیں، نیز غیر ضروری طوالت اور ناقص اختصار سے پرہیز کریں۔

(۵) انشاء پردازی کی خوبی یہ ہے کہ فطرت انسانی اور جذبات انسانی کو اپیل کر سکے، اس کے لیے ضروری ہے کہ عام فہم انداز میں اظہار مافی الضمیر کیا جائے، لیکن بازاری زبان اور گھٹیا اسلوب سے پرہیز بھی ہو۔

(۶) تحریر وقلم اور افہام وتفہیم پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں، لہٰذا جو کچھ لکھا جائے اپنے موضوع کی اہمیت کا خیال رکھ کر لکھا جائے۔

(۷) از ابتدا تا انتہا مضمون کے مرکزی نقطے سے ہٹنے نہ پائیں اور ہر آن اپنے موضوع کی اہمیت کا خیال رکھیں۔

(۸) علامت وقف وفواصل (قواعد املاء) کا دقت بینی سے اہتمام کریں۔

(۹) اپنے موضوع کو کسی نتیجے تک پہنچا کر ختم کریں اور تمہید اور خاتمے کے درمیان منطقی ربط اور نتیجہ خیزی پیدا کریں۔

(۱۰) اہل زبان کے محاورے، مؤثر وشگفتہ جملے، فصیح وبلیغ ترکیبیں، اساتذۂ فن کے موزوں اشعار، اہل فکر ونظر کے اقوال اور قرآن وحدیث کی واضح ہدایات سے اپنی بات کو مؤثر بنانے کی کوشش کریں۔

انشاء پردازی کے چند ضروری شرائط:

(۱) خارجی مطالعے کی عادت ڈالیں اور معیاری ومقصدی کتب ورسائل کا مطالعہ جی لگا کر کریں۔

(۲) اہل علم اور ارباب ذوق کی صحبت سے فیض حاصل کر کے اپنے علمی اور ادبی ذوق کو فروزاں اور اپنی تنقیدی صلاحیت کو پروان چڑھائیں۔

(۳) متعلقہ موضوع پر زیادہ سے زیادہ ٹھوس معلومات جمع کرنے کی سعی کریں۔

(۴) ہر مطالعہ، یا مشاہدہ، یا مکالمہ کے حسن وقبح پہ غور کرنے کی عادت ڈالیں۔

(۵) متعلقہ موضوع کے حوالے سے کوئی نئی چیز قاری کو دینے کی کوشش کریں اور تکرار کی کلفت سے دور رہیں، ہاں اگر تکرار کی غرض تذکیر ہو تو پھر جدت آفریں اسلوب اور مؤثر طرز نگارش اپنائیں۔

آخر میں یہ نہ بھولیے کہ آپ ایک زندہ قوم اور ایک بین الاقوامی اسلامی جماعت کے ممبر اور سپاہی ہیں، یعنی آپ اس کے پیغام کے امین وعلم بردار ہیں، لہٰذا آپ کی زبان وقلم اور ساری صلاحیت وتوانائیوں کو اسی پیغام کا خادم ہونا چاہیے۔

عربی زبان کیسے سیکھیں؟

(۱) ابتدائی مرحلہ میں طلباء عربی زبان کے الفاظ کا ایک خاطر خواہ ذخیرہ یاد کریں، الفاظ کے انتخاب میں ان الفاظ کو ترجیح ہونی چاہیے جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں، کم از کم پانچ ہزار الفاظ کا ضروری ذخیرہ آپ کی کاپی میں موجود ہونا چاہیے۔آپ عدد سے گھبرائیں نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مفردات اور اشیاء کے عربی نام وغیرہ آپ ذہن میں محفوظ کرلیں، کیوں کہ مفردات یاد ہوں گے تو آپ عربی لکھ اور بول سکیں گے۔

(۲) درسی وغیر درسی جو کتابیں بھی پڑھیں ان میں سے اچھے جملے اور عمدہ تعبیرات اخذ کرکے اپنی کاپی میں یکجا کریں۔

(۳) عربی زبان کے ادبی شہ پارے باقاعدہ سمجھ کر یاد کریں۔

جس کی تفصیل حسب ذیل ہوسکتی ہے:

(الف) قرآن کریم کے آخری تین پارے مع حلِ لغات اور فہم آیات کے ساتھ حفظ کریں (جو حافظ ہیں وہ حل لغات پر اکتفا کریں اور جو غیر حافظ ہیں وہ حفظ بھی یاد کرلیں)

(ب) کلام نبوت میں سے دس خطبے، جوامع الکلم اور بیس ایسی احادیث جو امثال نبوی پر مشتمل ہوں یاد کریں۔

(ج) نامور خطبائے عرب کی چند مشہور تقریریں آپ اپنی کاپی پر نقل کیجیے اور ان

کے بعض نمونے یاد کیجیے۔

(د) تقریباً دوسو مشہور ترین عمدہ اشعار جمع کیجیے اور بار بار اُن کو دہراتے رہیے۔

(۴) آپ اپنے معاشرے میں جہاں کہیں بھی ہوں اپنے ذہن کو سوالی بنایے، اور اپنے اردگرد کی پھیلی ہوئی دنیا میں جس شئ کو دیکھیے اس کی عربی جاننے کی کوشش کیجیے اور ذہن پر زور دینے کے باوجود معلوم نہ کر سکیں تو لغت یا اپنے اساتذہ کی طرف رجوع کیجیے۔

(۵) عربی بولنے کی مشق کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمت سے کام لیں اور اپنے طلباء ساتھیوں کے ساتھ مافی الضمیر کو ادا کرنے کی امکانی کوشش کریں، خواہ کتنی ہی غلطیاں کیوں نہ ہوں، اگر بہت جھجھک محسوس کریں تو خود کلامی کی عادت ڈالیں، یعنی خود ہی ذہن میں سوالات ابھاریں اور خود ہی جواب دینے کی کوشش کریں۔

(۶) زبان وادب کے نام سے درس میں جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں صرف انہیں پر تکیہ نہ کرلیں، بل کہ جو کتابیں اس مقصد کے لیے نہیں پڑھائی جاتی ہیں، ان سے بھی آپ عربی سیکھ سکتے ہیں، صرف توجہ کی ضرورت ہے۔

(۷) زبان وادب کی درسی کتابیں آپ پڑھتے ہیں، ان کا صرف ترجمہ جان لینا کافی نہیں ہے، بل کہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اردو زبان کی تعبیر کو عربی زبان میں کیسے اور کس طرح ادا کی گئی، ہر زبان کا اظہار جداگانہ اور اپنا مخصوص مزاج لیے ہوئے ہوتا ہے، اس مزاج سے واقفیت ضروری ہے۔

(۸) دوسری زبان وادب کی طرح عربی زبان میں بھی صلات سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی مسلم قاعدہ نہیں پایا جاتا، افعال کے صلات کا علم آپ کو کثرت مطالعہ اور خاصے مشق ومزاولت (کسی کام پر ہمیشگی کرنا) کے بعد ہی ہوگا، دوران درس ومطالعہ اور حل

لغات کے وقت اس جانب توجہ رہے تو خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔

(۹)　درسی کتابوں کے مالہ و ماعلیہ کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ عربی کتابوں کی عبارت خوانی بآواز بلند، مخارج کی صحت اور اعراب کی درستگی کے ساتھ بار بار کیا کریں۔

(۱۰)　اردو کی طرح عربی زبان عجلت کے ساتھ ادا کیے جانے کی متحمل نہیں ہو پاتی، یہاں ہر حرف کو مکمل ادا کرنا ہوتا ہے، جب کہ اردو کے بہت سے حروف بوقت ادائیگی لکھا دیے جاتے ہیں، دونوں زبانوں کے مزاج اور ادائیگی میں بہت فرق ہے، جسے بہر حال ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔

(۱۱)　عربی جلسوں میں ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کریں اور ہر بار نئے موضوع پہ تقریر کرنے کی کوشش کریں، بہتر ہوگا کہ، کی جانے والی تقریر کی عبارت خوانی کسی استاد کے پاس کر لیجیے اور تقریر رٹنے سے پہلے اس کے مفہوم و مدعا کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔

کیا پڑھیں؟

اس سوال کا جواب قاری کی ذہنی سطح اور علمی معیار و قابلیت کو سامنے رکھے بغیر دینا بے حد مشکل ہے، تاہم مرحلہ وار مطالعہ کے لیے چند کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے، آپ اپنی علمی بساط اور ذہنی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے خود اپنے لیے بہتر انتخاب کر سکتے ہیں۔

قصے، کہانیوں، آپ بیتیوں، روزناموں، ناولوں، ڈراموں، لطیفوں اور چٹکلوں کے مطالعے سے گفتگو والی زبان بہت زیادہ سیکھی جاتی ہے۔

قصہ گوئی کے فن میں کامل کیلانی نے بڑا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، ان کی تصنیفات ہزاروں میں ہیں۔ آپ ۴۰-۵۰ کتابچے ضرور پڑھیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب (قصص النبیین) اگر آپ نے

درس میں پڑھی ہو تب بھی زبان شناسی کے نقطۂ نظر سے دوبارہ مطالعہ کیجیے، ان کی دوسری شاہ کار تصنیف (الطریق الی المدینۃ المنورۃ) اپنے اسلوب نگارش میں یگانہ، دل آویز اور سرور انگیز ہے، اسے پڑھیے اور بار بار پڑھیے۔

احمد امین کو پڑھیے اور سہل شگفتہ اور رواں اسلوب کو اپنانے کی کوشش کیجیے۔

لطفی منفلوطی کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے اور اس کے شاہ کار نمونوں کو اپنی کاپی میں نقل کیجیے۔

نجیب کیلانی نے اسلامی تاریخ اور اسلامی فکر ونظر کے حوالے سے متعدد، کامیاب، مقصدی اور ولولہ انگیز کتابیں لکھی ہیں جو فی الواقع ادب اسلامی کی زبردست خدمت ہے، ان کی کتابیں دستیاب ہوں تو ضرور مطالعہ کیجیے۔

پہلا مرحلہ

اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین
سلسلۃ القصص	کامل کیلانی	دروس اللغۃ العربیۃ	ف-عبدالرحیم
سلسلۃ القصص	جودۃ السحار	صور من حیاۃ الصحابۃ	عبدالرحمٰن رافت باشا
سلسلۃ القصص	محمد عطیہ الابرشی	صور من حیاۃ التابعین	عبدالرحمٰن رافت باشا
قصص النبیین	ابوالحسن علی الندوی	قاتل حمزۃ	نجیب کیلانی
ماجدولین	مصطفیٰ لطفی منفلوطی	لیل الخطایا	نجیب کیلانی
الشاعر	مصطفیٰ لطفی منفلوطی	الطریق الطّویل	نجیب کیلانی
القراءۃ الراشدۃ	ابوالحسن علی الندوی	ارض الانبیاء	نجیب کیلانی
القراءۃ الراشدۃ	وزارۃ المعارف مصر	النداء الخالد	نجیب کیلانی
القراءۃ الواضحہ	وحیدالزماں کیرانوی	عذراء القریۃ	نجیب کیلانی
الطریق الی المدینۃ	نجیب کیلانی	روعۃ البیان فی الحوار القصصی	محمد علاؤالدین الندوی

دوسرا مرحلہ

اس مرحلہ میں مندرجہ ذیل اُدباء اور نامور اہل قلم کی کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا

اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین
النظرات (۳ جلدیں)	مصطفیٰ لطفی منفلوطی	لاسلامیۃ والمذہب الادبیۃ	نجیب کیلانی
العبرات (۳ جلدیں)	مصطفیٰ لطفی منفلوطی	الایمان	
صور وخواطر	شیخ علی طنطاوی	السائح فی الشرق	
قصص من التاریخ	شیخ علی طنطاوی	الاسلام علیٰ مفترق الطرق	محمد اسد
رجال من التاریخ	شیخ علی طنطاوی	شہداء الاسلام	احمد متعال
نور اللہ	نجیب کیلانی	شہداء الاسلام	علی سامع النشار
عبقریات	عباس محمود عقار	الشاعر الثائر	نجیب کیلانی

تیسرا مرحلہ

اس مرحلہ میں مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ سے آپ کا علمی اور ادبی ذوق ایک معیار مطلوب تک پہنچ جائے گا۔

اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین
وحی القلم ۳ رجلدیں	مصطفیٰ صادق الرافعی	وحی الرسالۃ	احمد حسن زیات
التصویر الفنی فی القرآن	سید قطب	منہج الفن الاسلامی	محمد قطب
روائع اقبال	ابوالحسن علی الندوی		

کیف تحفظ؟ کیف تقرأ؟ کیف تفہم؟

(آپ کیسے یاد کریں؟ کس طرح پڑھیں اور سمجھیں؟)

وہ مشترکہ امور جو طالب علم کے لیے حصول علم میں ازحد ضروری ہیں

(۱) دعا:

طالب علم ہمیشہ ہر حال میں دعا کرے، اس لیے کہ دعا "**یفتح ما کان مستغلقا، و یقرب ما کان بعیدا، ویجمع ما کان مفرقا، ویسھل ما کان عسیرا**" مغلق کو کھول دیتی ہے بعید کو قریب کرتی، متفرق کو جمع کرتی اور مشکل کو آسان بنا دیتی ہے۔

طالب علم دیگر لوگوں کے مقابلہ میں دعا کا زیادہ محتاج ہے اور جب بھی بندہ اللہ کے حضور عاجزی وانکساری کے ساتھ گڑگڑاتا ہے تو بہت جلد وہ اللہ کی توفیق و مدد اور دعا کے ایسے ثمرات کو دیکھ لیتا ہے جن کا اُس کو وہم گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

(۲) الاخلاص فی المقصد:

آپ مدح کرنے والوں کی مدح کا انتظار نہ کیجیے اور نہ تعریف کے پل باندھنے والوں کی تعریف کا، اس لیے کہ یہ ہر طریقہ کی عبادت میں ہلاکت و معصیت کا سبب ہے اور بالخصوص طلب علم میں، اس لیے کہ یہ ایسی عبادت ہے جو متعدی ہے۔

آپ کا ہدف و منشاء، قصد و ارادہ خالص مولیٰ کی رضا کے لیے ہو، لیکن اس معاملہ میں شیطان بڑا دخل انداز ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب بعض طلبہ بار بار اپنی نیت کو درست

کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو شیطان ملعون غالب آجاتا ہے اور طلب علم اور تحصیل کی سعی وکوشش کرنے سے روکتا ہے، اہل علم نے بیان کیا ہے ''ان هٰذا من اعظم تلبيس الشيطان علٰى طالب العلم '' کہ طالب علم پر شیطان کا یہ سب سے بڑا مکر وفریب ہے، طالب علم پر ضروری ہے کہ اپنی نیت کو خالص اللہ کے لیے کرے اس میں خوب محنت کرے اور جب بھی شیطان اپنا مکر وفریب چلائے تو اپنی نیت کو درست کرنے میں جما رہے۔ اس لیے کہ یہ عبادت اور مجاہدہ کی ایک نوع ہے۔

(۳) اجتناب المعاصی:

معصیت یہ سببِ ہلاکت ہے، ہر خیر کے حصول میں آڑ بنتی ہے، طالب علم پر ضروری ہے کہ ترک معاصی میں لوگوں سے زیادہ حریص ہو یعنی طالب علم معصیت کے قریب بھی نہ جائے، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں ''انی لاَحسب الرجل ينسى العلم بالخطيئة يعملها '' کہ میں آدمی کے اس کے علم بھول جانے کا سبب اس کوتاہی کو سمجھتا ہوں جس کو وہ کرتا ہے۔

علی بن خشرم فرماتے ہیں: کہ میں نے وکیع ابن جراح کو دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہیں اور اتنا یاد کر لیتے ہیں جتنا ہم نہیں یاد کر پاتے، مجھے تعجب ہوا میں نے ان سے پوچھا ''یا وکیع: لاتحمل کتابًا و لا تكتب سوادا فی بیاض و تحفظ اكثر مما نحفظ '' کہ اے وکیع! آپ نہ کتاب اٹھاتے ہیں اور نہ ہی اپنی بیاض میں کچھ لکھتے ہیں پھر آپ ہم سے زیادہ کیسے یاد کر لیتے ہیں؟ وکیع بن جراح نے علی بن خشرم کے کان میں چپکے سے کہا ''یا علی ان دللتک علٰى دواء النسيان اتعمل بهٗ'' کہ میں نسیان کا علاج بتلا دوں تو اس پر عمل کرو گے۔ علی فرماتے ہیں: میں نے کہا: جی ضرور، وکیع

نے فرمایا ترک معاصی ''فو اللہ ما رأیت انفع للحفظ من ترک المعاصی خدائے پاک کی قسم، حافظہ کے لیے ترک معاصی سے زیادہ نفع بخش کوئی اور چیز میری نظر میں نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی — فارشدنی الیٰ ترک المعاصی

و قال اعلم بان العلم نور — و نور اللہ لا یعطیٰ لعاصی

میں نے اپنے استاذ وکیع کو سوء حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے میری ترک معاصی کی طرف رہنمائی فرمائی اور فرمایا کہ جان لے کہ علم نور ہے اور اللہ کا نور کسی عاصی اور گنہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

(۴) قراءۃ سیر العلماء:

(علماء کی سوانح عمری کا مطالعہ) طالبِ علم کے لیے علماء کی زندگیاں اور ان کی سوانحِ حیات کا مطالعہ بہت ہی نفع بخش ہے آپ حفّاظِ حدیث اور علمائے حدیث کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تعجب ہوگا، اگر ان واقعات میں مستند، اور متواتر خبریں نہ ہوتی تو بعض واقعات کو جھٹلا دیا جاتا۔ اس لیے کہ انسان جب ان کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کی قوت عزیمت، فہم و فراست، اور تالیفات سے واقف ہو کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔

کتب تراجم بکثرت ہیں، ان میں انفع ترین امام ذہبی کی (تذکرۃ الحفّاظ) اور (سیر اعلام النّبلاء) ہے، اسی طرح اردو میں (تحفۃ الطلباء والعلماء) اور (تعلیم المتعلم) طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس طرح کی کتابوں کو پڑھنے کا اپنے آپ کو مکلّف بنائے، تاکہ ہمّت و عزیمت بلند و بالا ہوں۔

(۵) قراءۃ بعض کتب ادب الطلب:

یہ وہ کتابیں ہیں جو طلبہ کے لیے تصنیف کی گئی ہیں تا کہ طالبِ علم حصول علم کے آداب سے واقف ہو، مجلسِ درس کے آداب، مشائخ عظام کے پاس حاضری کس طرح ہو، اپنے ہم عمر کے ساتھ کس طرح پیش آئے، جاہلوں کے ساتھ کیا رویّہ ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرے، اس طرح کے آداب سے جب آپ واقف ہوں گے تو خیر کثیر کے دروازے آپ کے لیے کھل جائیں گے۔

ان کتابوں میں سے علیٰ سبیلِ الامثال خطیب بغدادی کی کتاب (الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع) اور اسی طرح ابن جماعہ الکسانی کی (تذکرۃ السامع و المتکلم) اور حضرت باندوی کی (آداب المتعلمین ہے)۔

(٦) مجالسۃ المميز فی حفظہ وفی فہمہ وقراءتہ:

آپ کی صحبت اس شخص سے ہو جو طلب علم کا حریص ہو، اس لیے کہ آپ کے تمام رفقاء برابر نہیں ہیں، بل کہ ان کی توجہات علم میں مختلف ہوں گی حفظ وقراءۃ اور فہم وذکاوت کے اعتبار سے اور اوقات کی حفاظت میں، وہ عبادت اور طور طریق میں آپ سے مختلف ہوں گے تو آپ اپنے ساتھیوں میں سے اس کی صحبت کو لازم پکڑ لیجیے جس کے اخلاق اور علم سے آپ مستفید ہو رہے ہوں اور اس کی صحبت سے آپ کی ہمت بلند ہو۔

(۷) مجاہدۃ النفس وعدم یاس:

بعض مبتدی طلبہ اول وہلہ میں ناکام ونامراد ہو جاتے ہیں وہ حفظ متن سے مایوس و ناامید ہو جاتے ہیں، یا کتابوں کو پورے طور پر پڑھنے سے کمزور ہو جاتے ہیں یا فہم

درس سے عاجز آجاتے اور بھول جاتے ہیں۔ تو طالب علم پر لازم ہے کہ وہ مجاہدہ نفس اور خوب محنت کرے، اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو (اپنے قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے دکھائیں گے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''أفضل الجهاد ان يجاهد الرجل نفسه وهواه'' افضل ترین جہاد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس وہوا سے مقابلہ کرے۔

نیز آپؐ نے فرمایا ''انما العلم بالتعلم و انما الحلم بالتحلم ومن يتحير الخير يعطه ومن يتق الشر يوقه'' کہ علم سیکھنے سے آتا ہے، اور حلم تحمل سے اور جو خیر کو تلاش کرے گا تو اسے خیر دی جائے گی اور جو شر سے بچے گا اس کو بچایا جائے گا۔

ابو ہلال عسکری فرماتے ہیں: ابتداء میں میرے لیے حفظ کرنا بہت دشوار تھا لیکن میں نے اپنے نفس کو اس کا عادی بنادیا تو میں نے ''قصیدہ روبہ'' ایک رات میں یاد کرلیا جو دوسو اشعار پر مشتمل ہے۔

مجھے لوگوں نے بتلایا کہ حرم مکہ میں ایک شخص ہجرت کرکے آیا اس کی زبان عجمی تھی جب وہ قرآن پڑھتا تو ہمیں اس کے لب ولہجہ سے تکلیف ہوتی، لیکن ایک زمانہ کے بعد (اس نے مجاہدہ نفس کیا تو) ہم اس کی قراءۃ سننے کے مشتاق ہوگیے، معلوم ہوا کہ انسان جب مجاہدۂ نفس کرتا ہے، مایوس و ناامید ہوکر بیٹھ نہیں جاتا تو وہ اللہ رب العزت کی فتح و نصرت کو پالیتا ہے۔

(۸) اپنے ہم عصر اور ہم عمر ساتھیوں کی طرف نظر کرنا:

آپ دیکھیں گے کہ وہ شخص جو عمر میں آپ سے چھوٹا ہے پھر بھی اس نے آپ

سے زیادہ علم حاصل کیا اور یہ بھی آپ کے سامنے آئے گا کہ جس کے پاس مال و دولت نہیں حالاں کہ آپ کے پاس ہے پھر بھی اس نے آپ سے زیادہ علم حاصل کیا، یہ مقارنت ومفارقت آپ کو اس کے مانند یا اس سے اچھا بنا دے، اے طالب علم! تیری نظر اس شخص کی طرف ہو جو مال کے اعتبار سے تجھ سے کم ہو، وسعت رزق، سہولت واسباب میں تیرے مقابلہ میں کم ہو، پس جب تو اُن لوگوں کو دیکھے گا جو علم میں تجھ پر فوقیت رکھتے ہیں تو لازماً تیری ہمت بڑھے گی، تو ان پر رشک کرے گا اور ان کی طرح بننے کی کوشش کرے گا۔

(۹) ترتیب اوقات:

اوقات کی ترتیب اور لمحہ لمحہ کی حفاظت کی کوشش کرنا یہ حصول علم کے عظیم اسباب میں سے ہے، طالب علم پر ضروری ہے کہ وہ وقت کے متعلق لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ بخیل ہو کہ کہیں لغو اور بیکار کاموں میں اس کا وقت ضائع نہ ہو جائے، علم کی نشر واشاعت اور لوگوں کی نفع رسانی میں سب سے زیادہ سخی اور بیش بہا ہو۔ آپ اپنے وقت کے بارے میں سوچیے کہ آپ کا کتنا وقت ضائع ہو گیا اور آپ نے کچھ حاصل نہ کیا۔ بعض سلف صالحین سے منقول ہے: کہ اگر کوئی دن ایسا گزر جاتا جس میں علم میں اضافہ نہ ہوتا تو اس دن میں ہمارے لیے برکت نہ ہوتی۔

عامر بن قیس کے متعلق منقول ہے کہ کسی نے ان سے گفتگو کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے فرمایا ’’ امسک الشمس ‘‘ تو سورج کو روک دے پھر میں تجھ سے بات کروں گا کہ سورج تو رواں دواں ہے، پھر میں کیوں تیرے لیے وقت ضائع کروں، حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی اس حالت کو بیان کرتے ہیں جب ان سے کوئی ملاقات کرنے آتا (اولاً تو بات ہی نہ کرتے لیکن اگر وہ اصرار کرتا تو پھر آپ بات کرتے لیکن آپ کو وقت کی

اتنی فکر تھی) میں نے کچھ ایسے کام تجویز کر رکھے ہیں جو لوگوں سے ملاقات کے وقت بات چیت سے مانع بھی نہ ہو کہ وقت خالی نہ گذرے تو میں لوگوں سے بات چیت بھی کرتا، قلم تراشتا اور لکھے ہوئے کاغذوں کو جمع کرتا رہتا کیوں کہ یہ کام بھی ضروری ہے اور اس کے لیے فکر اور حضور قلب کی ضرورت بھی نہیں، جب بھی مجھ سے بات چیت کرنے یا ملاقات کے لیے کوئی آتا تو میں اپنا یہ کام کر لیتا تا کہ میرا وقت ضائع نہ ہو۔

الحمدللہ: ہمارے پاس وقت بہت ہے، لیکن اسے ترتیب دینے کی ضرورت ہے، اس کے باوجود بعض لوگ وقت میں عدم برکت کا عذر پیش کرتے ہیں اور اسی طرح کی کچھ باتیں کرتے ہیں، حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ برکت ہوتی ہے لیکن بے ترتیبی، اور معصیت یہ عدم برکت کا سبب بنتی ہیں۔

اگر ہمارے مشائخ کی طرف نظر کریں (ان کے کثرت مشاغل کے باوجود) ان کے اوقات میں حسن ترتیب پائیں گے اس لیے کہ اولاً تو وہ صاحب حق کو اس کا حق دیتے دوسرے یہ کہ اپنے وقت کی خوب حفاظت کرتے۔

(۱۰) تکرار و مذاکرہ:

آپ نے جو کچھ علم حاصل کیا ہے خواہ وہ علم حافظہ سے متعلق ہو یا فہم، یا پڑھنے سے، اس کا تکرار و مذاکرہ کرتے رہیں، اس لیے کہ تکرار و مذاکرہ رسوخ فی الذہن کا سبب ہے۔ ماہرین علوم قرآن فرماتے ہیں: کہ جو جلد یاد کر لیتا ہے وہ جلد بھول جاتا ہے اور جو پانچ دن میں ختم کرے وہ نہیں بھولتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کیا خوب فرمایا ہے: **"اذا قام صاحب القرآن فقراه بالليل والنهار ذكره وان لم يقم به نسيه"**

(۱۱)نشر العلم:علم کی نشرواشاعت:

آپ نے جو کچھ سنا یا پڑھا اور سمجھا ہے تو اسے تقرب الی اللہ کی نیت سے نشر کرتے رہیے،تثبیت علم اور نفع عام کے خاطر کے واسطے،اسی لیے جب بھی آپ کوئی علمی بات سنیں تو اسے زید عمرو یا اپنے گھر والوں کو بتلادیجیے،اس لیے کہ اس میں بہت فائدے ہیں۔(۱)علم کی نشرواشاعت (۲) نفع کا دائرہ عام ہوگا (۳) آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا۔بل کہ جو بھی شخص اس سے استفادہ کرے یا جس کے پاس یہ علمی بات پہنچے گی آپ کی حیات میں یا بعد ممات تو آپ کو بھی اس کے برابر اجر ملے گا اور اس کے اجر میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

(۱۲) کثرت شکر وحمد:

ابوقلابہ فرماتے ہیں:''اذا احدث اللہ لک علماً فاحدث لہ عبادۃ، و لایکن ھمک ان تحدث بہ الناس ''جب اللہ نے تجھے علم سے نوازا ہے تو،تو اس کی عبادت کر اور تیرا قصد وارادہ یہ نہ ہو کہ تو اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے۔اس میں اعتراف لازم ہے۔

اور جب بھی اللہ تیرے علم وفضل میں اضافہ کرے تو،تو اس کے شکر اور حمد میں زیادتی کر۔اس لیے کہ یہ اسباب زیادتی میں سے ہیں،اللہ فرماتے ہیں ﴿ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيۡدَنَّكُمۡ ﴾(سورہ ابراہیم:۷)

(۱۳)صدارت وامارت کی امید سے بچنا:

اس لیے کہ اس طرح کی امنگیں طالب علم کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں،لہٰذا

آپ عہدہ وصدارت کا انتظار نہ کیجیے، بل کہ آپ علم طلب کرتے رہیے اور یہ علم کا طلب کرنا (فضل خداوندی کے بعد) خیر کثیر کی طرف تیری راہ نمائی فرمائے گا اور تجھ کو شر سے بچائے گا۔

بہر حال وہ شخص جس کا مقصد طلبِ علم ہو وہ یہ نہ سوچے کہ وہ رئیس کب بنے گا، صدارت کے عہدہ پر کب فائز ہوگا اور کب شیخ بنے گا لہٰذا اس سے پورے طور پر بچنے کی ضرورت ہے۔

(۱۴) فضل کو اس کے اہل کی طرف لوٹا دینا:

فضل تو سب کا سب اللہ ہی کا ہے ''ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ''، لیکن جس نے آپ کو علم سکھایا اور فائدہ پہنچایا اور ایسے امر کی طرف رہ نمائی فرمائی جس سے آپ ناواقف تھے تو اس کے فضل کو اس کی طرف لوٹا دو، اہل علم فرماتے ہیں: ''من أسباب برکة العلم ان ترد الفضل إلی اھله '' کہ برکت علم کا سبب یہ بھی ہے آپ فضل کو اس کے اہل کی طرف لوٹا دے۔

اذا افادک انسانٌ بفائدة من العلوم فأدمن شکرہ ابدا

وقل فلانٌ جزاہ اللہ صالحةً أفادنیھا واتق الکبر والحسدا

جب کوئی انسان تجھ کو کوئی علمی فائدہ دے تو، تو اس کا ہمیشہ احسان مند رہے اور یہ کہتا رہ، اللہ فلاں کو بہتر بدلہ عطا فرما کیوں کہ اس نے مجھ کو فلاں علمی بات بتلائی ہے اور کبر وحسد کی بیماری سے بچا رہے۔

(۱۵) الاستفادة من مشائخ العلم:

اور یہ بہت ہی اہم امر ہے، بل کہ تحصیل علم کے اصول میں سے ہے مشائخ سے

صرف علم پر اکتفا کافی نہیں ہے بل کہ آپ کی نظر ان کے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ طور وطریقہ پر بھی ہو کہ وہ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔

(١٦) كثرة تلاوة القرآن الكريم:

یہ ایسا امر ہے کہ اس میں اکثر طلبہ غفلت برتتے ہیں، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ کثرت تلاوت ایسی عبادت ہے جو انسان میں اللہ کی محبت میں بڑھوتری اور خشیت میں اضافہ کرتی ہے، اور ان چیزوں میں سے ہیں جو طلب علم میں زیادتی کرتی ہیں، میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو امام ابراہیم نے اپنے تلمیذ خاص عباس ابن عبد الدائم کو کی تھی کہ آپ کثرت سے تلاوت قرآن کریم کیجیے اس لیے کہ جس قدر آپ تلاوت قرآن کریں گے اس قدر آپ طلب علم میں سہولت پائیں گے، عباس ابن عبد الدائم فرماتے ہیں: میں نے اس کا تجربہ کیا، کہ جب میں کثرت سے تلاوت قرآن کریم کرتا تو میرے لیے سماع حدیث میں آسانی ہوتی اور اگر تلاوت نہ کرتا تو میرے لیے دشواری پیش آتی۔

اے علم کے شیدائی: تجھے یہ بات زیبا دیتی ہے کہ اسی امر کو اپنا مرکز توجہ بنا اور جتنا ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہا کر، اس سے تیرے حصول علم میں رغبت اور قوت عزیمت پیدا ہوگی اور بہت جلد تلاوت قرآن سے تجھے محبت ہوگی اور اجر کے حاصل کرنے کا اشتیاق ہوگا، کثرت سے تلاوت اور اس کو قیمتی سمجھنا علم کے شیدائی کی بلند ہمتی کی طرف مشیر ہے۔

کیف تحفظ؟

اب آپ کے سامنے حافظہ کے متعلق خاص چند ایسے اسباب بیان کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ مدد وتقویت حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ اپنے تجربہ کا خلاصہ ہے، ورنہ

حقیقت یہ ہے کہ متکلم سامعین سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

(۱) اختیار الوقت المناسب: مناسب وقت اختیار کرنا:

کبھی کبھی ذہن حسی و معنوی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے، انسان یاد کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس کو ضائع کرنے کی ایک قسم سے پالا پڑ جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے مناسب وقت اختیار نہیں کیا، اسی وجہ سے بتایا گیا کہ تیسیر حفظ کے اسباب میں سے یہ ہے کہ مناسب وقت اختیار کرے تا کہ آپ حسی و معنوی طور پر خالی الذہن ہوں، اسی لیے کہا گیا کہ بھوک پیاس یا نیند کی حالت میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا جو شخص یاد کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ مناسب وقت اختیار کر لے تا کہ اس کا ذہن و دماغ مستعد و مشغول نہ ہو اور نہ غیض و غضب میں مبتلا ہو، خیالات سے پاک ہو اور یہ مجرب عمل ہے، اسی لیے آپ بعض لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ بہت قلیل وقت میں بہت ساری چیزیں یاد کر لیتے ہیں، جب کہ دوسرے بعض لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ وقت کثیر میں بھی کچھ یاد نہیں کر پاتے، اس کا سبب مناسب وقت کا اختیار کرنا ہے۔

(۲) اختیار المکان المناسب:

طلبہ اس میں مختلف مزاج رکھتے ہیں، کوئی کہتا ہے: مجھے گھر سے زیادہ مسجد میں یاد ہوتا ہے تو کوئی کہتا ہے میں مسجد سے زیادہ گھر میں یاد کر پاتا ہوں، اصل ضابطہ اس میں یہ ہے کہ وقت اور مکان دونوں مناسب ہو، خواہ مسجد میں یاد کریں یا گھر یا مکتبہ عامہ میں یا کسی اور جگہ، تجربہ اور مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہے جو طالب علم پر موقوف ہے وہ اپنے لیے جو بہتر اور مناسب سمجھے یا جس میں فائدہ محسوس کرے اسے اختیار کر لے۔

(۳) جو متن یا عبارت یاد کرنا ہے وہ مناسب مقدار میں ہونا چاہئے:

بعض طلبہ ابتداً طویل متن یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں پھر کمزور پڑ جاتے ہیں پھر انھیں فتور سے پالا پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ مایوس ہو جاتے ہیں اور ترک تعلیم تک کی نوبت آ جاتی ہے، یقیناً یہ مغالطہ اور دھوکہ ہے۔ علم تو وہ ہے جسے ہمارے اسلاف نے کہا ''**العلم لا یوتیک بعضہ حتیٰ تؤتیہ کلک**'' کہ علم اپنا بعض حصہ بھی نہیں دیتا جب تک کہ تو اپنے آپ کو پورا نہ کھپا دے۔

اور علم تو وہ ہے جس کو امام زہری نے کہا ''**أودیة، فمن تخبط فیھا ھلک، و لکن اذا اخذھا شعبا شعبا علم و عمل و تعلم**''

مشاہدہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آپ مناسب مقدار میں متن و عبارات اختیار کریں اگر چہ تھوڑی ہی ہو، اسی لیے آپ دیکھتے ہوں گے کہ طلبہ بلند ہمتی لے کے آتے ہیں پھر طویل متن اور شروحات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

پھر جب یاد کر لیتے ہیں تو بکثرت غلطیاں کرتے ہیں اسقاط جملہ یا تبدیل جملہ وغیرہ کی، یا نحوی ولغوی غلطی کرتے ہیں اور اسی طرح مطول شروحات کا مطالعہ کرتے ہیں اور اکثر باتیں نہیں سمجھ پاتے۔

لہٰذا اپنے مطالعہ کا آغاز مختصر اور ابتدائی کتابوں سے کریں۔

(۴) اختیار الھیئۃ المناسبۃ: مناسب ہیئت اختیار کرنا:

بعض لوگ گاڑیوں میں سوار ہوتے ہیں اور وہ یاد کرنا چاہتے ہیں، وہ اس طرح یاد کر بھی لیتے ہیں لیکن اس کے یاد کرنے میں تاخیر ہو جائے تو یہ بھی اس سے غفلت برتتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چل پھر کر یاد کرنا بیٹھ کر یاد کرنے سے بہتر ہے اور میں ایسے

طلباء کو جانتا ہوں جو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے چل پھر کر یاد کرنا ہی ممکن ہے۔

تو کوئی کہتا ہے اگر میں چل پھر کر یاد کروں تو الجھ جاتا ہوں۔ دوسرے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہم قرآن کریم کو حفظ وضبط میں لا نہیں سکتے مگر یہ کہ درمیانہ شب میں کھڑے ہو کر یاد کرنا شروع کر دیں۔

تو اے علم کے شیدائیو! تو اس معاملہ میں زید، عمرو کی تقلید نہ کر، اس لیے کہ زید کے لیے تو بیٹھ کر یاد کرنا مناسب ہے یا چل کر اور تو یہ چاہے کہ تو بھی اس طرح کرے تو یہ تیرے لیے آسان نہ ہوگا۔ ہر حال میں تیری نظر اس طرف جانی چاہیے کہ تیرا فائدہ کس میں ہے؟ اور اس معاملہ میں تو ہی اس کا فیصل ہے۔

(۵) بلند آواز سے پڑھنا یا آہستہ:

پس جب تجھے علم ہو جائے کہ یہ طریقہ تیرے لیے بہتر ہے تو اسی طریقہ کو اختیار کرلے، ہاں بعض ائمہ شوافع کا یہ خیال ہے کہ: ''**القراء ة العالية للحفظ، و القراء ة الخفية للفهم**'' بلند آواز سے پڑھنا یہ حفظ کے لیے بہتر ہے، جب کہ فہم کے لیے دھیمی آواز میں پڑھنا مناسب ہے اور یہ تجربہ شدہ عمل ہے کہ انسان جب یاد کرنا چاہتا ہے اور بار بار دہراتا ہے تو یہ اس کے لیے بہت ہی معاون مددگار ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اگر آپ اس طریقہ میں اپنا فائدہ محسوس نہ کریں یا آپ کو یاد کرنے میں تاخیر ہو رہی ہے تو آپ اس راہ پر چلئے جو آپ کے لیے زیادہ مناسب ہو، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا۔

(٦) تجزئة المحفوظ:

جب متن طویل ہو تو آپ اس کو تقسیم کر لیجیے، بل کہ اگر چھوٹی عبارت ہو تب

بھی، یہاں تک کہ وہ راسخ وثابت ہو جائے، مثلاً آپ فقہ کی کوئی متن یاد کرنا چاہتے ہیں، پھر آپ نے دیکھا کہ مؤلف طہارت کے متعلق چار سطریں لے کر آئے ہیں اور صلوٰۃ کے متعلق دس سطریں تو آپ اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیجیے، طہارت کی چار سطریں تو آپ کے لیے آسان ہوں گی، لیکن مؤلف نماز کے متعلق جو دس سطریں لائے ہیں اور آپ یاد کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ پر بھاری اور شاق گذرے گا، اس لیے آپ اس کو تقسیم کر کے یاد کر لیجیے، آپ ایسا نہ کہیے کہ میں بہت جلد یاد کرلوں گا، اس لیے کہ یہ آپ کے لیے آسان نہ ہوگا جیسا پہلے آپ کے لیے آسان تھا۔

جب بھی آپ تھوڑا تھوڑا کر کے یاد کریں گے تو یہ راسخ وثابت ہوگا اور آپ یہ نہ کہیے کہ اس میں تاخیر ہو رہی ہے، اس لیے کہ تاخیر سے رسوخ کے ساتھ یاد کرنا یہ بہتر ہے بغیر رسوخ کے جلدی یاد کرنے سے۔

(۷) وحدۃ النسخۃ التی تحفظ منہا:

آپ کتاب کے جس نسخہ سے یاد کر رہے ہیں وہ ایک ہی نسخہ ہو اس لیے کہ تحریری نقش، رسم حروف، صفحہ کی ابتدا وانتہا، بار بار پڑھنے سے یہ چیزیں ذہن میں محفوظ ہوتی رہتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کہ ذہن میں ایسا راسخ ہو جاتا ہے کہ گویا آپ پڑھتے وقت اس میں دیکھ کر پڑھ رہے ہیں۔ لیکن اگر نسخوں میں تبدیلی ہو جائے خاص طور پر جب کہ ترتیب سطر اور ترتیب کلمات میں اختلاف ہو جائے تو یہ آپ کے لیے یاد کرنے میں تاخیر کر دے گی اور یہ بالکل مجرب عمل ہے، مثال کے طور پر مصاحف مرجحہ (وہ قرآن جس کا ہر صفحہ آیت پر ختم ہوتا ہے) میں کوئی یاد کرنا شروع کرے اور پھر اثنائے حفظ کے کوئی دوسرا مصحف شامل کر لے تو انسان شش وپنج میں پڑ جاتا ہے خلاصۂ کلام یہ کہ اگر آپ ایک ہی نسخہ

سے یاد کریں تو آپ کا حافظہ راسخ وثابت ہوگا۔

(۸) شکل المتن الذی تحفظہ تشکیلاً لغویًا:

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں: ''**اعجام المکتوب یمنع من استعجامہ، وشکلہ یمنع من اشکالہ**'' یعنی یاد کرنے سے پہلے متن وعبارت کو باعراب پڑھے، اگر متن باعراب ہو تو فبہا، ورنہ آپ کسی ماہر لغت کو عبارت پڑھ کر سنا دیجیے، تا کہ آپ کو صحیح صحیح یاد ہو جائے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اعراب شدہ عبارات کا جتنا عادی بناتا ہے تو اس سے اس کے اندر ملکہ پیدا ہوتا ہے، برخلاف اگر کوئی مہمل عبارات یاد کرلے تو پھر وہ منصوب کو مرفوع اور مرفوع کو منصوب پڑھتا ہے اور اسی طرح بڑی بڑی غلطیاں کر ڈالتا ہے۔ اور جب معاملہ یہ ہے تو اے علم کے شیدائی: تو متن پر اعراب دینے کا حریص ہو جا اور اسی طرح تلاوت قرآن کریم کا معاملہ ہے کہ جب کوئی انسان کوئی سورت یاد کرنا چاہے اور کسی قاریٔ قرآن سے نہ سنے تو وہ بھی ایسے ہی غلط یاد کرلیتا ہے۔ لیکن اگر آپ اعراب شدہ متن یاد کرلیں تو یہ یاد کرنا سلاست زبان اور ملکۂ لغت پر ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

(۹) جب عبارات مشکل ہوں تو ضابطہ یا اصطلاحی حروف یاد کرلیں:

متن میں کچھ کلمات اور جملے ایسے ہوتے ہیں جن کے یاد کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے یا اوّلِ وقت میں آپ کا یاد کرنا بھاری پڑتا ہے، پڑھتے وقت برابر غلطی ہوتی رہتی ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ اس سے اکثر کو پالا پڑتا ہے، اس کے لیے آپ اپنے ذہن میں ایک خاص ضابطہ بنالیں۔

میں آپ کو چند مثالیں دیتا ہوں اگر آپ اپنے کسی ساتھی سے پوچھیں کہ

حروف ابجد سناؤ، اگر اس کے ذہن میں اِن جملوں کی ترتیب نہ ہوگی تو حروف کو مکرر پیش کرے گا یا کم کردے گا، لیکن اگر اس کے ذہن میں ان حروف کی ترتیب ہوگی تو سنا دے گا۔ ابجد، ہوز وغیرہ۔

اسی طرح اگر کسی سے پوچھا جائے: حروف ادغام کتنے ہیں؟ پس اگر حروف ذکر کرنے لگے تو وہ کمی زیادتی کردے گا یا مکرر بیان کرے گا، لیکن اگر وہ مجموعہ بیان کردے (یرملون) تو یہ اس کے لیے آسان ہوگا۔

اسی طرح قیامت کے دن کے متعلق کہ وہاں حوض ہوگا، میزان اور پل صراط ہوگا تو اب ان کو ترتیب وار یاد رکھنا دشوار ہے تو تینوں سے ایک ایک حرف لے لیجیے وہ بنے گا ''حمص'' تو اب آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔ اس لیے طالب علم پر لازم ہے کہ وہ مصطلحات ورموز یاد کرلیں۔

(۱۰) تعوید النفس علی الحفظ وعدم الانقطاع عنہ:

نفس کو جب بھی آپ کسی چیز کا عادی بنائیں گے تو اس کا عادی بن جائے گا، جیسے کہ شاعر کہتا ہے ۔

وَ النفسُ کالطِفل ان تُھمِلہُ شبَّ علٰی
حبِّ الرضاع و ان تفطمہ ینفطم

نفس بچے کی طرح ہے، اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ دودھ کی محبت میں جوان ہوگا اور اگر چھوڑوا دیا جائے تو چھوڑ دے گا۔ اور شاعر کے قول سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیا ہی بہتر ہے! ''انما العلم بالتعلم و انما الحلم بالتحلم و من یتحیر الخیر یعطہ و من یتق الشر یوقہ'' کہ علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم تحمل سے اور جو خیر کو

تلاش کرے گا تو اسے خیر دی جائے گی اور جو شر سے بچے گا اس کو بچایا جائے گا۔ تو جب بھی آپ اپنے کو کسی امر کا عادی بنائیں گے تو اس کے عادی ہو جائیں گے۔

اہل عمل میں سے کسی نے کہا: **"کنت احفظ بالیوم ولو سطراً واحداً حتیٰ لا انقطع عن الحفظ "** کہ ہر دن میں یاد کرتا ہوں اگرچہ ایک ہی سطر کیوں نہ ہو، لیکن میں اس کو چھوڑتا نہیں اور یہ اس وجہ سے کہ نفس میں کچھ ایسی صلاحیت ہے کہ اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو **بئر معطلہ** کی طرح ہو جاتا ہے، اسی طرح حفظ وفہم اور قرأت کا معاملہ ہے کہ جب بھی آپ نفس کو اس کا عادی بنائیں گے تو وہ اس کا عادی ہو گا اور یہ معاملہ آپ پر آسان ہو گا۔

(۱۱) تکرار و مذاکرہ:

کبھی کبھی انسان علم میں سے کچھ یاد کر لیتا ہے لیکن اس کو اپنے آپ یاد نہیں رکھ سکتا (تو اللہ کی مدد و توفیق کے بعد) اپنے کسی ساتھی سے مدد حاصل کرنا چاہیے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مجاہد تابعی کے ساتھ نکلتے تو کہتے **"یامجاھد! اقرأ علیَّ واقرأ علیک "** اے مجاہد! تو مجھے سنا میں تجھے سناتا ہوں اور یہ سننے اور سنانے والے کے ذہن میں رسوخ کا سبب ہوتا ہے۔

جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ کون ساتھی اس معاملہ میں آپ کی مدد کر سکتا ہے اور اس سے آپ کی صفات اس سے میل کھاتی ہو۔ تو استعانت خداوندی کے بعد آپ اس سے مدد حاصل کیجیے، آپ اس کو سنایے وہ آپ کو سنائے، آپ اس کو تکرار و مذاکرہ کرایے وہ آپ کو تکرار و مذاکرہ کرائے اور جب اس کا نتیجہ آپ کے سامنے آئے گا تو فرحاں و شاداں ہوں گے۔

میں ایسے طلبہ کو جانتا ہوں کہ جب وہ کوئی چیز یاد کرتے ہیں تو دسیوں مرتبہ بآواز بلند پڑھتے ہیں یہاں تک کہ ان کے ذہن میں وہ راسخ ہو جاتا ہے پھر وہ مرور ایام کے باوجود نہیں بھولتے۔

جو بھی طریقہ آپ کو پسند آئے اسے اختیار کر لیجیے اور اس سے نہ ہٹئے یہاں تک کہ آپ کو اور کوئی بہتر طریقہ سمجھ میں آ جائے۔

(۱۲) العمل بالمحفوظ: یاد کی ہوئی چیزوں پر عمل کرنا:

ابوعبدالرحمٰن السلمی فرماتے ہیں: ''حدثنا الذین کانوا یقرؤننا القرآن کعثمان بن عفان و عبداللہ بن مسعود وغیرھما انھم کانوا اذا تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر آیات لم یتجاوزوھا حتٰی یتعلموا مافیھا من العلم والعمل قالوا: فتعلمنا القرآن والعلم والعمل جمیعًا''۔

یعنی ہمیں انہوں نے بتایا جو ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے یعنی عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہما نے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات سیکھ لیتے تو آگے نہ بڑھتے یہاں تک کہ جو کچھ سیکھا اس پر عمل کر لیں، وہ فرماتے ہیں ہم نے قرآن، علم وعمل سب کچھ سیکھا، کیا آپ ہم میں سے بعضے لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا تو یاد ہوتی ہے اسی طرح مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا یاد ہوتی ہے لیکن اگر ان سے کوئی کپڑا پہننے کی دعا یا گھر میں داخل ہونے کی دعا پوچھے تو انہیں یاد نہ ہوگی اور اگر یاد بھی ہوگی تو ناقص، بعض جملے چھوڑ دیں گے یا مکرر لائیں گے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا، لیکن اگر آپ عمل بالمحفوظ کے عادی ہو گیے تو یہ رسوخ فی الذہن کو بڑھائے گا۔

میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ آپ خطیب بغدادی کی کتاب (**اقتضاء العلم العمل**) کا مطالعہ کریں اس کتاب میں انہوں نے سنہرے آثار و واقعات کو جمع کیا ہے اور علماء کا اپنے علم پر عمل کی حرص کرنا کس طرح تھا، اس کو بیان کیا ہے۔

(۱۳) ماکولات ومشروبات میں احتیاط:

اہل علم نے بیان کیا ہے: کہ یہ آزمودہ عمل ہے کہ انسان جب سنت کے مطابق کھانا کھائے یعنی تہائی حصہ کھانا کھائے، تہائی پانی کے لیے وقف کردے اور تہائی نَفَس یعنی سانس کے لیے چھوڑ دے، اور ان ماکولات کو لازم پکڑے جو عقل وبدن کے لیے مفید ہو (وہ مطعومات جو حافظہ میں معاون ہوتی ہے اور قوت ذاکرہ کو بڑھاتی ہیں وہ شہد، ماء زمزم، کلونجی اور کھجور ہے)۔ اور مسواک کرنا یہ عقل وبدن کے لیے بہت نفع بخش ہے۔ اس لیے کہ شریعت ان ہی چیزوں کو مشروع کرتی ہے جو عقل وبدن کے لیے مفید ہوں۔

(۱۴) سیر حفاظ کا مطالعہ:

کتب تراجم بہت ہیں، لیکن کچھ کتابیں وہ ہیں جس میں مؤلفین ومصنفین نے اہل علم کے قوت حافظہ کے عجیب وغریب واقعات کو بیان کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر ان کا مطالعہ کرے تو اُن کے قوت حافظہ سے حیران وششدر رہ جائے، انہوں نے توفیق خداوندی کے بعد اسباب اختیار کیے، اگر انسان دعا کے ساتھ اسباب اختیار کرے تو اللہ اس کو بھی وہ قوت حافظہ عطا فرمائیں گے جو اُن لوگوں کو عطا فرمایا تھا۔

میرے سامنے شیخ عبدالقیوم السحتیانی کی کتاب "**من طلاب العلم**" ہے جس میں انہوں نے عجیب وغریب سرعت حفظ کے پُر لطف واقعات بیان کیے ہیں جو قاری کے قلب کو اثر انداز کردیتے ہیں۔ اگر اس کو پڑھا جائے تو استفادہ اور افادہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن ابو عاصم فرماتے ہیں: ایک حادثہ میں میری کتابیں ختم ہوگئیں، کوئی کتاب باقی نہ رہی تو میں نے اپنے حافظہ کی مدد سے پچاس ہزار احادیث دہرایا، میں ایک سبزی فروش کی دکان کے پاس سے گذرتا اور اس کے چراغ کی روشنی سے لکھ لیتا، ایک دن میں نے سوچا، میں نے اس سے اجازت تو نہیں لیا تھا، میں سمندر کی طرف گیا اور اس کو دھو ڈالا اور پھر اس کو دوبارہ دہرایا۔ یہ قوت حافظہ ایسے ہی حاصل نہ ہوگا، بل کہ اس کے لیے قوت عزیمت اور بلند ہمتی کی ضرورت ہے۔

کیف تقرأ:

پڑھنا ایک نعمت اور اس کو اختیار کرنا بھی ایک نعمت ہے، لیکن کچھ لوگوں کے لیے بجائے نعمت کے زحمت ہے، بعض لوگ دسیوں نہیں، بل کہ سیکڑوں کتابیں پڑھ لیتے ہیں، لیکن اچھے برے میں تمیز بھی نہیں کر پاتے اسی لیے چند چیزوں پر توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

(۱) اختیار الوقت:

آپ اپنے پڑھنے کا وقت منتخب کر لیجیے اور اس وقت کسی اور چیز میں مشغول نہ ہوں، اس لیے کہ طالب علم کا اصل وقت پڑھنے کا ہی ہے۔

(۲) اختیار المکان:

آپ پڑھنے کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب کیجیے، ایسی جگہ ہو کہ آپ کا ذہن منتشر نہ ہو، اس لیے کہ بعض لوگ کئی کئی صفحات پڑھ لیتے ہیں، لیکن کچھ استفادہ نہیں کر پاتے، وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں عدم انتخاب مکان کی بنیاد پر۔

(۳) الاستشار فی قراءۃ الکتاب:

آپ جو بھی کتاب کسی معین فن میں پڑھیں اور کوئی کتاب اس سے مختصر یا اسلوب میں اس سے زیادہ آسان اور فائدہ کے اعتبار سے اس سے زیادہ جامع کتاب پالیں تو آپ وقت کثیر صرف کر دیں گے اور کچھ حاصل نہ کر سکیں گے اس شخص سے مشورہ نہ کرنے کی وجہ سے جس کے پاس آپ سے زیادہ علم ہے۔

(۴) علیک بالبدء بالکتب القصیرۃ:

ابتداءً آپ چھوٹی چھوٹی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کریں، بعض طلبہ اول وہلہ میں بڑے جوش میں آکر مطولات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور پھر کمزور پڑ جاتے ہیں اور مائل بہ تنزل ہو جاتے ہیں، اس لیے چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھیں، بڑی کتابیں جلد شروع نہ کریں، اس لیے کہ جو شخص کسی چیز کے لیے جلدی کرتا ہے تو وہ جلدی چھوڑ بھی دیتا ہے، مثل مشہور ہے ”من ارادہ عجلاً ترکہ عجلاً“

(۵) توثیق تاریخ البدء والختم:

جب آپ کسی کتاب کو پڑھنا شروع کریں تو تاریخ رقم کر دیں مثلاً: اس طرح ”بدأت بقراءۃ الکتاب فی یوم کذا“ اور جب کتاب ختم کریں تو بھی تاریخ رقم کریں مثلاً: اس طرح ”انہیت القراءۃ فی یوم کذا“ یہ علو ہمت اور قوت عزیمت کو بڑھائے گی اس لیے کہ جب کبھی آپ کی نظر اس پر پڑے گی تو آپ کو اس کا اندازہ ہوگا کہ وقت کی صحیح حفاظت ہوئی یا نہیں، اگر وقت کی صحیح حفاظت ہوئی ہے تو یہ ہمت ونشاط میں اضافہ کرے گی اور اگر عدم ترتیب کی وجہ سے وقت رائیگاں اور ضائع ہو گیا تو آپ کو حفاظت وقت کی فکر لاحق ہوگی۔

(٦) احذر من التعجل فی القراءة بقصد الختم:

کتاب ختم کرنے کی غرض سے جلدی جلدی نہ پڑھیے کہ کوئی ایک دو صفحہ چھوٹ جائے کیوں کہ بسا اوقات دو تین صفحہ میں وہ مواد اور فوائد کثیر ہوتے ہیں جو پوری کتاب میں نہیں ہوتے۔اسی طرح کسی لفظ کا معنی سمجھ میں نہ آئے تو اس کو تلاش کیجیے ورنہ اس پر خط کھینچ دیجئے تا کہ خالی وقت میں اس کو حل کیا جا سکے۔

(٧) تلخیص وتقیید:

جب آپ کوئی کتاب پڑھیں تو قلم آپ کے پاس ہو، تا کہ آپ فوائد کی تلخیص کر لیں کتاب میں یا اپنی ڈائری وغیرہ میں محفوظ کریں اور جب بہت سارے فوائد جمع ہو جائیں تو اسے چند ابواب میں تقسیم کر دیں تا کہ وقت پر آپ کو آسانی سے مل سکے۔

(٨) جب آپ کوئی کتاب پڑھیں تو اس کتاب کو اصل بنا لیجیے:

مثلاً: آپ نے ایک کتاب پڑھی جو احلام وخواب سے متعلق ہے پھر آپ کسی فائدہ پر مطلع ہوئے ہیں تو اس کو لکھ لیجیے یا غلاف کتاب پر اس کا اشارہ کر دیجیے یا ان اوراق میں اسے قلمبند کر لیجیے جو اس میں داخل کیا ہے جب آپ اس طرح کریں گے تو آپ کے پاس بہت سے فوائد جمع ہو جائیں گے۔

(٩) موسم اور موقع محل کے اعتبار سے کتابیں پڑھنی چاہیے:

اس لیے کہ طالب علم کے لیے یہ امر بہت ہی نفع بخش ہے مثلاً: آپ حج کے موسم سے پہلے کتب حج پڑھیے اولاً مختصر کتابیں پڑھیے پھر متوسط پھر مطولات۔

جب آپ اس طرح کریں گے تو آپ انشاء اللہ العزیز خیر کثیر حاصل کر لیں گے

اور یہ مجرب وآزمودہ امر ہے کہ جب موسمی عبادات کے متعلق پڑھیں گے اور اس وقت میں اللہ کی عبادت کریں گے تو آپ لذت عبادت محسوس کرنے لگیں گے اس لیے کہ آپ علم وبصیرت کے مطابق عمل کرر ہے ہیں۔

(۱۰) قرأۃ کتب فتاویٰ:

اس بحث میں میں آپ کوایسے طریقہ کی راہ نمائی کرتا ہوں جس کو میں نے احسن طریقہ پایا، بعض لوگوں کے ساتھ میں نے اس طریقہ کار کو اپنایا تو اللہ نے قائل کو اور ساتھیوں کو بہت فائدہ پہونچایا، میں آپ سے کہتا ہوں کہ کسی نے اپنے ساتھیوں کے سامنے کوئی مسئلہ اٹھایا، تاکہ آزمائے کہ ان کے پاس اس کا علم ہے تو آپ فتاویٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب لے لیجئے۔ اور کوئی باب نکال کر اس پر بحث کیجئے اس طور پر کہ تمہارے اور اس کے درمیان مدارسہ (بحث ومباحثہ) ہو، پھر کوئی کتاب میں سے سوال قائم کردے پھر حاضرین جواب دینے لگے اس اعتبار سے جو اُن کے لیے ظاہر ہے اور جب ان کے جواب میں سے دوسرا اختلاف کرے تو ان میں سے ہر ایک اپنے جواب کی تعلیل پیش کرے اور اپنے ساتھی کے جواب کو رد کرے اور تمہارے اس بحث ومباحثہ سے فارغ ہونے کے بعد جب کوئی جواب سنائے تو اس وقت تمام حاضرین جواب سننے کے مشتاق ہوں گے اور اپنی خطاؤں کو جاننے کا شوق وذوق ہوگا اور یہ شوق وذوق رسوخ فی الذہن میں اضافہ کرے گا، پھر قاری دوسر سوال قائم کرے اور اسی طرح کرتا رہے، اسی طرح جب آپ کوئی جدید کتاب خریدیں یا آپ کو ہدیہ میں آئے تو مکتبہ میں رکھنے سے قبل آپ فہرست ومقدمہ پر ایک نظر کر لیجیے کیوں کہ یہ بھی ایک طرح کا پڑھنا ہے تاکہ آپ اجمالاً کتاب سے متعارف ہوجائیں۔

(۱۱) ایاک والنقل من کتاب الیٰ آخر:

اسی طرح ایک کتاب پڑھتے پڑھتے دوسری کتاب کی طرف منتقل ہونے سے بچیں اس لیے کہ کثرت سے ایسا (بلا اصول وضوابط) کرنے سے ذہن ماند پڑ جاتا اور کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، ہاں اگر مطول اور بڑی بڑی کتابیں ہوں جن کے لیے مہینہ اور سال درکار ہے تو اس کے لیے متعین وقت ہو، لیکن اگر آپ نے کوئی وقت کسی خاص کتاب کے لیے مقرر کرلیا ہے تو پھر دوسری کتاب اس وقت میں نہ پڑھیں، اپنے وقت کی ترتیب بنالیجیے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ اسی وقت میں کتابیں پڑھی جائے، یہ اس لیے کہ جب آپ اپنے وقت کو نظم ونسق کے اعتبار سے استعمال کریں گے تو آپ کے شوق میں اضافہ ہوگا۔

(۱۲) استعن باخوانک اِذا اعلمت من نفسک انھا تضعف عن القراءۃ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنہا پڑھنے کی استطاعت نہیں ہوتی تو کوئی حرج کی بات نہیں کہ آپ اپنے کسی ساتھی سے مدد حاصل کرلیں، اس لیے کہ بحث ومباحثہ اور تکرار و مذاکرہ کے ساتھ پڑھنا ہو۔ ایک صفحہ آپ کا ساتھی پڑھے اور ایک صفحہ آپ پڑھیں۔ یا کوئی فصل آپ پڑھیں تو کوئی باب آپ کا ساتھی پڑھے تو اس سے آپ کے پڑھنے میں رغبت ہوگی۔ بل کہ کچھ ہی مدت میں طالب علم میں تنہا پڑھنے کا نشاط آجائے گا حالاں کہ اس سے پہلے اس میں یہ استعداد نہیں تھی کہ وہ تنہا کتابوں کو حل کر سکے۔

(۱۳) قراءۃ العرض:

اگر آپ کتاب پورے طور پر ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مطول ہے تو آپ کچھ ساتھی مل کر کچھ صفحات یا اوراق تقسیم کرلیں اور ایک ایک کرکے سنادیں، اس طرح سے

آپ کو آسانی ہوگی اور اس اجتماعی پڑھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ استمرار نصیب ہوگا اور آپ بہت ساری کتابوں کو بآسانی پڑھ لیں گے۔

کلفت دور کرنے اور قلب کو آرام وسکون بخشنے کے لیے بعض کتبِ ادب کو پڑھیے جس میں مختلف علمی فوائد، نادر ونایاب آداب واشعار اور انوکھے قصص وواقعات ہوں۔ اس کے پڑھنے سے آزردگی اور اکتاہٹ ختم ہوگی اور پڑھنے میں لطف آئے گا۔

بعض لوگوں کے پاس صلاحیت ہوتی ہے لیکن اس کو غیر موضع میں استعمال کرتے ہیں، میں بعض جوانوں کو جانتا ہوں ان کو حافظہ کی قدرت ہوتی ہے لیکن وہ اس قدرت کا فائدہ نہیں اٹھاتے، بل کہ اسے غیر مفید چیزوں میں استعمال کرتے ہیں آپ ان کو دیکھیں گے کہ انہیں سیکڑوں اشعار، نوادرات اور کہانیاں وغیرہ تو یاد ہوں گی لیکن قصار مفصل سورتوں میں ان کی بکثرت غلطیاں ہوں گی طوال مفصل اور اوساط مفصل کا کہنا ہی کیا۔

اسی طرح اذکار صباح ومساء بھی انہیں کچھ یاد نہ ہوں گے یہ ان کی طرف سے تفریط ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مقصود کو چھوڑ کر غیر مقصود کے طلب میں پڑے ہوئے ہیں۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب (شرف اصحاب الحدیث) میں حشام بن علی تک سند کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: کہ فرماتے ہیں، میں نے اعمش کو کہتے ہوئے سنا، کہ جب تم کسی شیخ کو دیکھو کہ نہ قرآن پڑھتا ہے نہ حدیث لکھتا ہے تو اس سے منہ پھیر لو اس لیے کہ وہ شیوخ قمر میں سے ہے، ابوصالح فرماتے ہیں: میں نے کہا "ما شیوخ القمر" شیوخ قمر کیا ہیں؟ فرمایا وہ دہریہ قسم کے شیخ جو چاندنی راتوں میں جمع ہو کر لوگوں کے احوال کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ وضو کر کے نماز پڑھیں۔

یہی وجہ تھی جس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا: کہ جولوگ کثرت سے اصلاح قلب کی غرض سے قصائد کو سننے کے عادی ہوجاتے ہیں تو سماع قرآن میں ان کی رغبت کم ہوجاتی ہے حتیٰ کہ اس کو ناپسند کرنے لگتے ہیں اور یہ مشاہدہ ہے، کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو جرائد ورسائل کو ایک دو مرتبہ پڑھ لیتے ہیں اور مجلّات کو پڑھتے ہوئے بھی انہیں اکتاہٹ نہیں آتی لیکن اگر قرآن کریم کو لے لیں اور اس میں حقائق ودقائق کی طرف نظر کریں تو اکتا جاتے ہیں۔

یہ ایک مصیبت ہے لہٰذا آپ اپنے کو اُن چیزوں کے پڑھنے کا عادی بنائیں جس سے آپ کو دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی ملیں گی۔

کیف تفہم: آپ کیسے سمجھیں:

دعاء، اخلاص وللّٰہیت، اجتناب معاصی اور اختیار وقت مناسب ومکان مناسب کے ساتھ ساتھ چند امور وہ ہیں جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۱) کثرت استغفار:

علماء فرماتے ہیں کہ کثرت سے استغفار کرنا یہ خفی المراد کو واضح کرنے میں اور دقیق وناقابل فہم کو منکشف کرنے میں معین ومددگار ہوتا ہے۔اور اللہ رب العزت کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہیں:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰهُ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًا وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ النساء: ۱/۵)

بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقعہ کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتلایا ہے اور آپ ان

خائنوں کی طرفداری نہ کیجیے اور آپ استغفار فرمائیے۔

(۲) استعانت باللہ:

اللہ سے مدد حاصل کریں، شیخ الاسلام علامہ تیمیہ فرماتے ہیں: میں نے دعا کو بہت ہی نافع پایا، اس لیے کہ یہ مرضیٔ خدا کے مطابق اس سے مدد طلب کرنا اور اس سے استعانت کا سوال ہے، اور میں نے سورہ فاتحہ میں دیکھا ہے ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

(۳) اجتماع الذہن:

جب آپ کوئی کتاب پڑھیں تو ذہن و دماغ کو مستحضر رکھ کر پڑھیں، تب آپ فہم مسئلہ کی استطاعت رکھ سکتے ہیں اور مسئلہ کا سمجھنا یہ بھی ایک نعمت ہے۔

(۴) التدرج فی القراءۃ:

آپ درجہ بدرجہ کتابیں پڑھیں، ابتداء مختصر سے شروع کریں پھر مطولات کی طرف رجوع کریں ابتداً مطولات سے نہ کریں، کہیں آپ کو مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(۵) تلخیص رؤوس المسائل التی فہمتہا:

جب آپ کتاب یا کسی بحث کے پڑھنے سے فارغ ہو جائیں تو آپ فوائد و مسائل کی تلخیص کر لیجیے، جیسا کہ ماقبل میں بتلایا گیا۔ حاشیہ کتاب پر یا غلاف کتاب پر یا اپنی ڈائری وغیرہ میں اسے محفوظ کر لیں۔

جامع وصیتیں:

اس کے بعد میں آپ کو مشائخ عظام اور کبار علمائے کرام کی مجالست کی وصیت

کرتا ہوں، اس سے فہم وفراست میں ترقی ہوگی آپ کو اس کا علم ہو جائے گا کہ نصوص کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جاتا ہے، ان کے طریقۂ درس سے آپ آشنا ہوں گے، علماء کا فہم کلام کا کیا طریقہ ہوتا ہے اس سے آپ کو واقفیت ہوگی اور بکثرت مشائخ کی صحبت اختیار کرنے سے قراءت کتب میں آپ لذت محسوس کریں گے اور اس میں آپ کو علوم عالیہ کے ساتھ ساتھ علوم آلیہ، مثلاً: نحو، لغت، اصول فقہ وغیرہ کے حصول کی وصیت کرتا ہوں۔

اس سے فہم کلام، متکلم کی مراد کو جاننے میں مدد حاصل ہوگی اور علم طلب کیا جائے تو اس میں رغبت ہوتی ہے جیسے صاحب مال کو مال سے اکتاہٹ نہیں ہوتی ایسے ہی صاحب علم کو علم سے اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے ''**منهومان لا يشبعان**'' طالب علم وطالب دنیا۔ کہ دو حریص شخص ایسے ہیں جو شکم سیر نہیں ہوتے ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا۔

''**اللهم انفعنا بما علمتنا، واجعل علمنا خالصا لوجهك الكريم انك ربنا سميع مجيب الدعاء. آمين يارب العٰلمين**''

امتحان کی تیاری

امتحان میں کامیابی یا ناکامی کو مقدر کی بات یا نوشتہ کہہ کر اُس سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی۔ سب جانتے ہیں اور عقلاً مانتے ہیں کہ تعلیمی امتحان میں کامیابی یا ناکامی کا محنت اور بہترین منصوبہ بندی پر ہوتا ہے اور محنت بھی وہی کار آمد ہوتی ہے جس میں کم ازکم بہترین منصوبہ بندی شامل ہو۔ امتحانی ایام میں ایک لائحہ عمل یا نظم الاوقات بنائے بغیر پڑھتے چلے جانا اور اپنے کھانے پینے اور سونے کی پرواہ کیے بغیر خود کو تج دینا ہرگز عقل مندی نہیں ہے۔ امتحانات کی تیاری میں سب سے اہم چیز ہے ایک نظام الاوقات تشکیل دینا۔ جس میں کھانے پینے، سونے آرام کرنے اور پڑھنے کے اوقات اپنی صحت کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیے گئے ہوں۔

علاوہ ازیں پڑھائی کے لیے وہ اوقات رکھے جائیں جن کے بارے میں بزرگوں، تجربہ کاروں اور جہاں دیدہ افراد کا اتفاق ہے کہ ان اوقات میں کم پڑھنا بھی دیگر اوقات میں زیادہ پڑھنے سے فائدہ مند ہے۔ رات کو دیر تک پڑھنے کے بجائے عشاء کے بعد صرف اُس وقت تک پڑھا جائے جب تک کہ طبیعت اور ذہن ساتھ دے۔ خمار اور غنودگی کی حالت میں پڑھا یا دیکھا جانے والا کتاب کا حصہ کبھی بھی دل و دماغ میں جگہ نہیں پاتا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میں پڑھ چکا ہوں جب کہ وہ صرف دیکھا ہوا حصہ ہوتا ہے۔

اس لیے جیسے ہی دماغ بوجھل ہو اور نیند آنے لگے تو سو جائے اور الارم لگانا مت بھولے۔ صبح ساڑھے تین بجے اٹھ جائے۔ جس قدر ہو سکے تہجد ادا کرے اور پڑھنے میں

جٹ جائے۔ یہ دنیا کا سب سے بہترین وقت ہے۔اذان کے بعد بھی پڑھتے رہیں۔نماز سے صرف اتنی دیر پہلے پڑھنا موقوف کریں کہ آپ مسجد پہنچ کر دو رکعت سنت ادا کرسکیں۔ نماز کے بعد اپنے معمولات نمٹالیجیے اور آکر پڑھنا شروع کردیجیے۔نماز کے بعد سورۂ یٰسین پڑھنا نہ بھولیں جب بھی پڑھنے بیٹھیں پیارے نبی پر درود پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ آپ کا حافظہ کیا کمال کرتا ہے اور وقت میں کیسے برکت ہوتی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد کسی بند جگہ پر بیٹھ کر پڑھنے کے بجائے لان یا گارڈن میں یا پھر گھر کی چھت پر کھلی فضاء میں پڑھیں، کیوں کہ باقی سارادن اور رات کو بھی آپ تنہائی کی تلاش میں کمرے میں بند ہوکر حبس زدہ ماحول میں پڑھتے ہیں اور موسم بہت گرم ہے تو آپ کے بیمار ہونے کا اندیشہ ہے۔اس لیے کم ازکم فجر کے بعد کھلی فضاء اور تازہ ہوا میں بیٹھ کر گزشتہ ۲۴ گھنٹے کی حبس زدہ گرم ہوا پھیپھڑوں سے نکالیے اور تازہ ہوا کے گھونٹ بھریئے جب تک طبیعت چاہے پڑھتے رہیے،اور کوشش یہ کیجیے کہ جس قدر زیادہ سے زیادہ ہوسکے پڑھتے رہیں اور ناشتہ تاخیر سے اور ہلکا کیجیے۔ ناشتے کے بعد بھی دوپہر تک پڑھیے۔ پڑھنے کے دوران پانی پیتے رہیے گرمی کا موسم ہے۔

مگر بہت سیر ہوکر نہ پئیں،اور کوئی ایسی چیز بہت زیادہ نہ پئیں۔ہلکا پھلکا کھاتے پیتے رہنے سے توانائی بحال رہتی ہے، گرمیوں میں پسینہ زیادہ آتا ہے،جس سے انسان نڈھال ہوجاتا ہے اس لیے کچھ پیتے رہنا اور خاص طور پر گلوکوز پینا توانائی بحال رکھنے کے لیے بے حد مفید ہے؛اس سے پڑھنے کا وقت بڑھے گا۔

ظہر کی نماز سے قبل اگر نہالیں تو بہت مناسب ہے ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں امتحانات کے دنوں میں تو وہ طلبہ بھی جو کہ پورے سال نماز میں سستی کرتے ہیں نماز کی

پابندی کرنے لگتے ہیں بل کہ بعض تو باقاعدہ وظائف بھی شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی طالب علم پڑھائی کے بوجھ اور طبیعت کی تھکاوٹ وگراوٹ کی بناء پر نماز میں سستی کرے تو یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ جن دنوں میں رجوع الی اللہ میں شدت آنی چاہیے یہ اُنہیں دنوں میں سست وکمزور پڑ رہا ہے۔ ظہر کے بعد جان دار کھانا کھایے اور لمبی چادر تان کر سو جایے۔ بہت زیادہ چائے کا استعمال خشکی پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے نیند نہیں آتی، اس لیے اگر نیند نہ آئے تو سر پر تیل کی مالش کر لیں۔ امتحانات کے دنوں میں ویسے بھی سر کو تیل سے تر ہی رکھیں تو اچھا ہے۔ دماغ تروتازہ رہے گا تو پڑھائی میں دل ودماغ خوب چلے گا۔

اساتذہ خود آ کر اٹھا دیں گے۔ البتہ گھر پر اپنا انتظام خود فرمائیں۔ عصر سے مغرب تک ہرگز نہ پڑھیں۔ چہل بل کہ چار سو قدمی کو نکل جائیں یا کوئی کھیل کھیلیں، مغرب کی نماز ادا کر کے اب آپ اپنے دن کا دوسرا حصہ شروع کریں۔ آپ چوں کہ دوپہر کو تقریباً تین گھنٹے کی جاندار اور دھواں دھار نیند لے چکے ہیں۔ اس لیے عشاء کے وقفے کے ساتھ رات گیارہ بجے تک ڈٹ کر اور جما کر پڑھیں۔ رات چھوٹی ہے اس لیے گیارہ سے زیادہ آگے نہ جائیں۔ بل کہ رات کو جلدی سو کر صبح جلدی اٹھنا زیادہ کارآمد، سودمند اور فائدہ مند ہے۔ تہجد اور فجر کی جماعت کا مل جانا کامیابی وخوش بختی کی علامت ہے۔ اسی طرح ان ایام میں اگر آپ اشراق اور چاشت کی بھی پابندی کر لیں تو سبحان اللہ۔

لیکن اِن سب باتوں کے ساتھ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ آپ سب کو دخل اور خلل اندازی سے منع کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے موبائل کو نہیں۔ یہ شیطانی مشین آپ کو دل جمعی سے پڑھنے نہیں دے گی۔ اس لیے موبائل کو بہرصورت آف (بند) رکھیں۔ دوستوں یا والدین اور گھر والوں کو بتا دیں کہ یہ روزانہ عصر سے مغرب تک کھلا

رہے گا اور اس کی علاوہ بند رہے گا۔

مطالعہ اور مراجعت کے درمیان موبائل کا استعمال اور مسلسل میسجنگ (پیغام ارسال کرنا) توجہ کے لیے زہر قاتل ہے۔ جب دل و دماغ ہی حاضر نہ ہوں گے تو پڑھائی کیا خاک ہوگی اور پڑھا ہوا ذہن میں کیا خاک بیٹھے گا؟

اپنے اور پوری امت کے حال پر رحم فرمائیں اور موبائل کو امتحانات کی تیاری کے ایام میں طلاق مغلظہ دے دیں۔

نماز باجماعت کی پابندی اور نماز سے کافی پہلے مسجد میں حاضر ہونا مسواک اور خوشبو کا اہتمام۔ یہ سب چیزیں طبیعت کو بہت ہلکا پھلکا رکھیں گی۔ جتنی طبیعت ہلکی پھلکی ہوں گی اتنا ہی پڑھنے میں مزا آئے گا۔

مطالعے کے دوران پنسل اور ہائی رائٹر کا استعمال کریں۔ جن حضرات کو لکھ کر یاد ہوتا ہے۔ وہ پنسل سے اگر کتاب ذاتی ہو تو اس پر حاشیہ چڑھاتے جائیں۔ تدریس کے دنوں میں یہ سب آپ کے بہت کام آئے گا۔

(عبدالرحمٰن مدنی)

پرچہ کیسے حل کریں؟

پرچہ حل کرنے کے اصول وضوابط کے متعلق معلومات حاصل کرنا اور پرچہ حل کرنے کا صحیح طریقہ جاننا امتحان کی تیاری کے سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ امتحان کے موقع پر طلبہ کو مطلوبہ نصاب بھی یاد ہوتا ہے اور تمام سوالات بھی حل کر کے آتے ہیں، لیکن پھر بھی بہت کم نمبر حاصل کر پاتے ہیں۔

اِس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی کہ پرچہ حل کرتے وقت اصول وضوابط کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اگر اصول وضوابط کی روشنی میں آپ پرچہ حل کریں گے تو یقیناً آپ کو اپنی توقع سے زیادہ نمبرات حاصل ہوں گے ذیل میں پرچہ حل کرنے کے متعلق کچھ اصول وقواعد درج کئے جاتے ہیں۔

امتحان ہال میں داخل ہونے سے پہلے:

(۱) امتحان ہال میں داخل ہونے سے کچھ لمحات پہلے کتاب کے وہ خاص خاص مقامات، جن کے متعلق استاذ نے Guess دیا ہے یا آپ کے اپنے اندازے کے مطابق ان کے سوالیہ پرچہ میں آنے کا غالب گمان ہے، خصوصیت کے ساتھ دیکھ لیں۔

(۲) وضو کرلیں کیوں کہ اس سے بدن کو تازگی اور دل کو نور حاصل ہوتا ہے لہٰذا دل پر علم ومعرفت کا اِنعکاس زیادہ ہوگا۔ نیز یہ کہ سوالیہ پرچہ پر قرآنی آیات اور احادیث لکھی ہوتی ہیں جنہیں بلا وضو چھونے سے بے ادبی ہوگی۔

(۳) اپنا قلم، سیاہی پیمانہ اور دیگر سامان پورا کر کے جائیں ورنہ جب آپ بار بار کسی دوسرے سے کوئی چیز مانگیں گے تو اُسے بلاوجہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا نیز یہ کہ آپ نگراں کی نظروں میں بھی مشکوک ہو جائیں گے۔

امتحان ہال میں داخل ہونے کے بعد اور سوالیہ پرچہ لینے سے پہلے:

(۱) امتحان ہال میں داخل ہونے کے بعد بغیر کسی شور شرابے کے بڑے اطمینان اور سکون سے بیٹھ جائیں۔

(۲) مندرجہ ذیل دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھ لیں۔

(الف) اللّٰھم انی ضعیف فقو نی فی رضاک ضعفی و خذ الی الخیر بنا صیتی.

تین مرتبہ اول وآخر درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں۔

(ب) ﴿رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا﴾

یہ بھی تین مرتبہ اول وآخر درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں۔

(ج) اگر لکھتے لکھتے کہیں ذہول ہو جائے تو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلِ﴾ پڑھیں۔ان شاء اللہ اس چیز کے متعلق شرحِ صدر ہو جائے گا۔

(۳) سوالیہ پرچہ ملنے سے پہلے پہلے اپنی جوابی کاپی پر نام، ولدیت، پتہ اور رقم الجلوس وغیرہ ابتدائی مراحل طے کر لیں۔

(محمد ابوبکر شیخوپوری)

کامیابی کے راز

(۱) ایک امریکن خاتون جس کو ''میریا ٹالچیف'' کے نام سے پکارا جاتا ہے، ایک اصول ذکر کیا ہے جس کا عنوان اس نے یوں لکھا ہے..... ''زیادہ دیکھو اور زیادہ بن جاؤ''۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتی ہے کہ! آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ کچھ ''اور'' کچھ جاننے کی کوشش کرے۔ زیادہ دیکھے، زیادہ سنے اور سوالات پیدا کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرے، جتنی زیادہ معلومات ہوں گی اتنی ہی ترقی اس کے حصے میں آئے گی۔

آگے وہ لکھتی ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو نہ جاننے والا سمجھے تا کہ اس کے جاننے کی خواہش کبھی ختم نہ ہونے پائے۔

(۲) اس دنیا کا اصول یہ ہے کہ بڑی چیز کو حاصل کرنے کے لیے بڑی قیمت دی جاتی ہے اور اس دنیا میں سب سے بڑی قیمت وہ ہے جو نفسیات کی سطح پر دی جاتی ہے۔ نفسیاتی قیمت سے مراد! ناگواریوں کو برداشت کرنا، اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہونا، لوگوں کے ناروا سلوک کے باوجود اپنی طرف سے اچھا سلوک کرنا، مایوسی کے حالات میں بھی حوصلہ رکھنا، نقصان پیش آنے کے باوجود اپنی امید قائم رکھنا اور تاریک حالات میں بھی روشنی کی کرن دیکھنا ہے۔

(۳) یہ اصول ''عمل نہ کر رد عمل'' کے نام سے مشہور ہے: اشتعال انگیزی پر مشتعل

ہو جانے کا نام ردِعمل، اور اشتعال انگیزی کو نظر انداز کر کے اپنے تعمیر واستحکام کے منصوبے میں لگنے کا نام عمل ہے۔اس دنیا کا اصول یہ ہے کہ عمل کا ثبوت دینے والے ترقی کریں اور ردِعمل میں مصروف ہونے والے ناکام رہ جائیں۔

(۴) جب بھی کوئی انسان ناکام ہوتا ہے وہ خود اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے اپنی داخلی کمزوریوں کو جاننا اور ان کو دور کرتے ہوئے زیادہ بہتر تیاری کے ساتھ میدانِ عمل میں داخل ہونا یہی اس دنیا میں کامیابی کا واحد راز ہے۔

(۵) ایک مشہور سائنس دان ''مارٹن لوتھر کنگ'' کا قول ہے: کوئی شخص تمہاری پیٹھ پر سواری نہیں کر سکتا جب تک وہ جھکی ہوئی نہ ہو، یہی معاملہ ہے زندگی کا اس دنیا میں مغلوبیت اور ناکامی دراصل اپنی ہی کمزوریوں کی قیمت ہے۔

(۶) آج کا صحیح مصرف آج کو قربان کرنا نہیں! بل کہ آج کو استعمال کرنا ہے جو لوگ اس حکمتِ عملی کو جانیں وہی لوگ اس دنیا میں بڑی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۷) ایک چیز کو پانے کے لیے دوسری چیز کو چھوڑنا پڑتا ہے، اگر آپ چھوڑنے والی چیز کو نہ چھوڑیں گے تو اس دنیا میں پانے والی چیز کو بھی آپ نہ پائیں گے۔

(۸) سب اصولوں کا خلاصہ یہ اصول ہے کہ! زندگی کم تر پر راضی ہونے کا نام ہے، اس دنیا میں جو کم پر راضی ہو جائے وہ زیادہ پاتا ہے اور جو کم پر راضی نہ ہو، وہ کم سے بھی محروم ہو جاتا ہے، اور زیادہ سے بھی۔ (کتاب زندگی)

فائدہ: ان تمام اصولوں سے اگر ایک کو بھی اپنا کر اس پر عمل شروع کر دیں تو ہماری ترقی اور کامیابی کے لیے کافی ہے۔

(محمد نعیم دار العلوم کراچی)

طلبِ علم میں غفلت کے اسباب

علامات اور علاج

اسلام: رب ذوالجلال کی جانب سے نازل شدہ آخری کامل و مکمل دین ہے، خود رب ذوالجلال نے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ کہہ کر اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کہہ کر اس کے کامل و مکمل ہونے کا اعلان کیا۔ لہٰذا نہ اس کے کامل ہونے میں کوئی شک وشبہ اور نہ اس کے قیامت تک محفوظ رہنے میں کوئی تردد، مگر اسلاف نے اپنے تجربات کی روشنی میں جو قیمتی بات بیان کی ہے وہ قابلِ لحاظ ہے کہ ''کسی بھی دین کے محفوظ رہنے کے لیے رجال اللہ اور کتاب اللہ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔''

اور الحمدللہ! اسلام کی تاریخ دیگر تمام ادیان کے مقابلہ میں رجال اللہ سے مالا مال اور روشن و تابناک ہے، جتنی کثرت کے ساتھ رجال اللہ اسلامی تاریخ میں پیدا ہوئے، آپ کو تاریخ عالم میں کہیں اتنی بڑی تعداد نہیں ملے گی اور وہ بھی ایک جیسے نہیں، بل کہ ہر زمانہ میں اس زمانہ کے لحاظ سے رجال اللہ پیدا ہوتے رہے۔

آپ عمر ابن عبدالعزیزؒ سے لے کر حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور اس وقت حضرت شیخ الاسلام، فقیہ العصر، نباضِ دوراں، مفکرِ اسلام، محدثِ عظیم، مفسر و ترجمان القرآن، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تک کی تاریخ پر ایک اچکتی ہوئی نظر

ڈالیں، بل کہ بسا اوقات تو ایک ہی زمانہ میں ایک نہیں دسیوں ایسے علماء ملیں گے جو واقعۃً ''رجال اللہ'' کہے جانے کے مصداق ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رجال اللہ کہاں تیار ہوتے ہیں؟ کیا شکم مادر سے تیار ہو کر آئے تھے؟ نہیں! وہ بھی بوریہ نشیں تھے، بل کہ آخری دو صدیوں کے مجدد تو ہمارے انہیں مدارس اسلامیہ کے فارغ شدہ ہیں؛ جیسے حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم۔

آج تو مدارس میں الحمد للہ پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ سہولتیں مہیا ہیں، پہلے نہ لائٹ تھی نہ پنکھا، نہ ڈھنگ کے کتب خانے نہ کھانے کا صحیح انتظام، نہ جیب خرچ کے لیے امداد۔ آج یہ سب کچھ ہے، بل کہ اس کے علاوہ بہت سی سہولتیں موجود ہیں؛ مگر افسوس کہ نہ علم ہے، نہ محنت، نہ عمل کی کوشش۔

آہ!!! پچاس، سو سال قبل نہ اتنے طلبہ مدارس میں ہوتے تھے، نہ مدارس اتنی بڑی مقدار میں تھے، نہ اتنی بڑی تعداد میں فضلاء اور حفاظ ہر سال مدارس سے دستار فراغت و فضیلت حاصل کرتے تھے؛ مگر اس کے باوجود جو تھوڑے تھے وہ کام کے ہوتے تھے۔ کیسی کسمپرسی کے عالم میں ہمارے اسلاف نے علم حاصل کیا۔ آپ ذرا ''صبر واستقامت کے پیکر، آداب المتعلمین اور تحفۃ الطلباء'' وغیرہ کتابوں کی ورق گردانی کر کے دیکھیں اور پھر اپنی موجودہ زندگی پر ایک نظر دوڑائیں، آپ کو بون بعید (آسمان وزمین کا فرق) محسوس ہوگا کہ وہ کیا تھے اور ہم ان کے نام لیوا کیا ہیں؟؟؟

اسی محاسبہ کی غرض سے ناکارہ انحطاط کے چند اہم اسباب اور ان کا علاج تحریر کرنے جا رہا ہے۔ مجھے ہے حکم اذاں –لا الہ الا اللہ

غفلت کے اسباب اور حل:

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: کہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر کسی انسان میں سرایت کر جائے تو وہ آدمی دنیا اور آخرت کی تمام تر بھلائیوں سے محروم اور نامراد ہو جاتا اور ذلت و مسکنت اس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) غفلت: خاص طور سے علم اور عمل سے۔ (۲) سستی: یہ دو ایسی رذیل خصلتیں ہیں کہ جس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ انسان کے دنیوی اور اخروی تمام تر مصائب کی بنیاد یہی دو چیزیں ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا اور علم سے دوری کا سب سے بڑا اور اہم سبب یہی ''غفلت'' ہے۔

غفلت پر قرآن کی تنبیہات:

قرآن کریم جیسی پاکیزہ اور مقدس کتاب میں، جو انسان کے لیے دستور حیات کی حیثیت رکھتی ہے اور جس میں بہت ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر اس کے باوجود الدکتور ادریس علی الطیب کی تحقیق کے مطابق ''الغفلة'' کا ذکر قرآن کریم کی ۲۱/سورتوں کے ۳۵/آیتوں میں ہوا ہے۔ (الغفلة فی القرآن الکریم)

اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ غفلت کیسی ہلاکت خیز شئ ہے تو آیئے غفلت کی حقیقت، اسباب اور علاج پر روشنی ڈالتے ہیں اور اس کے ہلاکت خیز اثرات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ ہمیں غفلت سے نجات دے اور ذاکرین وشاغلین میں شامل فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

غفلت کی لغوی تحقیق:

غفلت کے لغوی معنی ہیں: الذُّهُوْلُ وَ النِّسْيَانُ وَ عَدَمُ التَّذَكُّرِ وَ عَدَمُ التَّفَطُّنِ وَ التَّيَقُّظِ (الغفلۃ فی القرآن)

یعنی بھول جانا، یاد نہ رکھنا، ذہانت وفطانت سے محروم ہونا۔

غفلت کی اصطلاحی تعریف:

سهو يعترى الانسان مِنْ قِلَّةِ التحفظ و التيقظ (المفردات:۳۶۴)

امام راغبؒ فرماتے ہیں: کہ اصطلاحاً غفلت کہا جاتا ہے "انسان پر طاری ہونے والی اس کیفیت کو جو لاپرواہی اور عدم تیقظ کی وجہ سے پیش آتی ہے"۔

امام جرجانیؒ فرماتے ہیں: کہ "اَلْغَفْلَة هی متابعة النفس علی ما تشتهیه" غفلت کہا جاتا ہے نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کو۔ (کتاب التعریفات:۱۶۱)

امام عبدالرحمٰن الجوزیؒ فرماتے ہیں: علم دین کے حصول میں کوتاہی کرنا غفلت ہے اور دین سے مکمل اجتناب کرنا جہالت ہے۔ عقل مند کبھی بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ غفلت کا انجام بڑا ہلاکت خیز ہوتا ہے۔

خاص طور پر طلب علم میں سستی کرنا اور حصول علم کے دوران راحت سے کام لینا، انسان کے لیے دائمی حسرتوں کا باعث ہوتا ہے اور وہ حسرتیں بھی ایسی کہ اس کی تلافی بھی ناممکن ہوجاتی ہے؟ (الآداب الشرعیۃ: ج۲/ص۲۲۹)

بعض حضرات نے کہا کہ غفلت کہا جاتا ہے:

"غیر مفید امور میں وقت کو ضائع کرنا"

غفلت کی شرعی تعریف:

اصطلاح شرع میں غفلت کہتے ہیں: ''الاشتغال بالدنیا عن الآخرة'' آخرت فراموشی کے ساتھ دنیاوی امور میں منہمک ہونا۔

اسبابِ غفلت

(۱) جہالت اور نادانی:

آدمی غفلت میں اس لیے مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے پیش نظر کوئی ہدف نہیں ہوتا ہے کہ وہ صرف دنیوی لذت کوشی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے اور یہ اس لیے کہ اسے اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اسے خیر وشر میں تمیز نہیں ہو پاتی، وہ نفع نقصان کو نہیں سمجھتا اور اپنے آپ کو حساب وکتاب سے بے نیاز تصور کرتا ہے۔

قرآن اسی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ مِنَ الآخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾ اللہ رب العزت نے اسی غفلت اور جہالت کو دور کرنے کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا۔ قرآن کا اعلان ہے: ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاءُ هُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ﴾ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا اور غفلت میں پڑے رہے۔

معلوم ہوا کہ نزولِ قرآن کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب اور نزول وحی کے اسباب میں سے ایک سبب غفلت کو دور کرنا بھی ہے۔

سید قطبؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''غفلت روحانی بیماریوں میں سب سے مہلک بیماری ہے، جب آدمی غفلت کا شکار ہوتا ہے تو بالکل معطل

اور بے حس ہو کر رہ جاتا ہے، نہ کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے اور نہ کوئی اچھی بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ہدایت کی نشانیاں اور اسباب اس کے سامنے ہوتے ہیں مگر ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

(۲) لہو ولعب میں دل چسپی:

یہ بھی غفلت کا سبب ہوتا ہے۔ آج دشمن اسلام نے ہم پر اسی ہتھکنڈے کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، طرح طرح کے کھیلوں کو ایجاد کر کے ہمارے درمیان اس کو رائج کر دیا ہے اور ہم اپنے مقصد سے غافل ہو کر اس میں بغیر سوچے سمجھے منہمک ہو گیے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ مَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ﴾

لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت آ پہنچا ہے، اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں! جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئ بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنا بنا کر اس حالت میں سنتے ہیں۔ کہ ان کے دل فضولیات میں منہمک ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں غفلت کا ایک سبب ''لہو ولعب'' میں مبتلا ہونا بتلایا گیا ہے۔ کہ آدمی بے کار، بے سود اور لایعنی میں مشغول ہوتا ہے اور اس کو لہو ولعب کا چسکا اور مزہ لگ جاتا ہے تو اس کی طبیعت میں غفلت اور اللہ اس کے رسول اور اس کی کتاب، اس کے ذکر، اس کی عبادت، اس کی محبت اور اس کی فرماں برداری سے اعراض اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔ نہ اس کا قلب خیر کی طرف مائل ہوتا ہے، اگر چہ کتنی ہی اچھی بات کیوں نہ بتلائی جائے اور کتنی ہی توجہ سے کیوں نہ سن لے مگر عمل پر آمادگی سے اس کو گویا نفرت ہو جاتی ہے۔

(۳) بروں کی صحبت:

برے لوگوں اور ساتھیوں سے تعلق بھی آدمی کو اللہ سے غافل کرتا ہے۔ کل قیامت کے دن بہت سے لوگ بری صحبت کی وجہ سے جہنم رسید کیے جائیں گے ﴿وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا • يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا • لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِيْ﴾ اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا اور کہے گا، کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کر لی ہوتی! ہائے میری بربادی! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! میرے پاس نصیحت آچکی تھی، مگر اس (دوست) نے مجھے بھٹکا دیا۔

گویا غافلین اور بروں کی صحبت بھی انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہے، جس پر افسوس قیامت کے دن کرے گا، مگر وہ افسوس کسی کام کا نہ ہوگا، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

شاعر کہتا ہے:

صحبة الاخيار للقلب دوى　　تزيد فی القلب نشاطًا و قوی
و صحبة الجهال داءُ عمی　　تزيد فی القلب السليم سقمًا

ترجمہ: اچھوں کی صحبت بھی گویا دوا کے مانند ہے، جس سے طبیعت میں نشاط اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور نادانوں کی صحبت بیماری اور اندھا پن ہے، جس سے روحانی بیماریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

قرآن نے تو باقاعدہ صیغۂ نہی کا استعمال کر کے گویا اُسے حرام قرار دیا ہے۔ ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ اور تو ایسے لوگوں کی اطاعت اور صحبت نہ اختیار کر کہ جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔

(۴) گناہ اور معاصی:

آدمی اگر گناہوں کا عادی ہوجاتا ہے تو اس پر بھی توفیق الٰہی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں ﴿كَلَّا بَلْ رَأنَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْن﴾ ہرگزنہیں! بل کہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں، اُس نے اِن کے دِلوں پر زنگ چڑھادیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ جب آدمی نیکی کرتا ہے تو چہرے پر نورانیت، قلب میں نور، رزق میں برکت، بدن میں قوت اور صالحین کے دلوں میں محبت اللہ کی طرف سے ڈال دی جاتی ہے۔ اور جب برائی کرتا ہے تو چہرے پر تاریکی، قلب میں ظلمت، بدن میں کمزوری اور رزق میں تنگی اور صالحین کے دلوں میں اس کے بارے میں نفرت ڈال دی جاتی ہے۔ (الجواب الکافی،ص ۱۰۶)

لہٰذا معصیت سے اجتناب بہت ضروری ہے ورنہ غفلت سے دو چار ہونا لازم ہے۔ **اللھم انا نعوذبک من المأثم و المغرم.**

(۵) جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا:

انسان میں صفتِ غفلت کے پیدا ہونے کے من جملہ اسباب میں سے نماز جماعت سے ادا نہ کرنا بھی ہے حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ وابن عمرؓ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **لینتھین اقوام عن ودعھم الجماعات أو لیختمن اللّٰہ علٰی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین.** (ابن ماجہ و مسلم)

جو لوگ نماز باجماعت میں کوتاہی کرتے ہیں انہیں اپنی اِس حرکت سے باز آجانا چاہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر ثبت کردے اور وہ غافلین میں سے ہوجائیں۔

حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک جماعت کا دنیوی وبال بیان کیا کہ نماز باجماعت نہ پڑھنے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں اور جب اللہ ناراض ہوتے ہیں تو، توفیق کے دروازے بند کردیتے ہیں اور جب توفیق نہیں ملتی تو غفلت کی زندگی گزارنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ اللہ ہمیں نماز باجماعت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائے۔

(۶) کثرت سے ہنسنا:

بکثرت ہنسنے سے آدمی پر غفلت طاری ہوجاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَن یأخذ عني هؤلاء الکلمات فیعمل بهن أو یعلم من یعلم بهن فقال ابوهریرة انا یارسول الله! فأخذ بیدی و قال: اتق المحارم تکن اعبد الله وارض بما قسم الله لک تکن اغنی الناس واحسن الیٰ جارک تکن مؤمن واحب الناس ما تحب لنفسک تکن مسلما ولا تکثر الضحک فان کثرة الضحک تمیت القلب. کمال قال (ترمذی شریف)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے؟ جو مجھ سے پانچ باتیں سیکھ لے اور اس پر عمل کرتے چلے یا ایسے آدمی کو سکھائے جو اس پر عمل پیرا ہوجائے۔ تو حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ! تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ارشاد فرمایا:

رشتہ داروں سے قطع تعلق سے اجتناب کر، تو سب سے بڑا عبادت گزار بن جائے گا، اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہ، لوگوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوجائے گا، اپنے

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کر، حقیقی مومن ہو جاؤ گے، لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو سچے پکے مسلمان بن جاؤ گے اور کثرت سے مت ہنسو! اس لیے کہ کثرت سے ہنسنا دل کو مردہ اور غافل کر دیتا ہے۔

(۷) فضول گوئی:

ذکر اللہ، تلاوت قرآن، مطالعہ کتب دینیہ کے علاوہ بغیر کسی غرض کے باتیں کرنا یہ بھی انسان کے اندر غفلت پیدا کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے:

''لَا تـكـثـرُوْا الكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَإن كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَسْوَةٌ لِلْقَلَبِ وَ اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلْقَلْبُ الْقَاصِى'' (ترمذی)

اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ گفتگو مت کیا کرو کیوں کہ ذکر اللہ کو ترک کر کے فضول گوئی سے قلب میں قساوت اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے اور بندوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور وہ ہوتا ہے جس کا دل قساوت زدہ ہو۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے!

(۸) لمبی لمبی آرزو باندھنا:

لمبی لمبی آرزو کرنا اور بڑے بڑے خیالی پلاؤ بنانا بھی غفلت کا ذریعہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے ﴿ذَرْهُـمْ يَـأْكُـلُـوْا وَ يَتَـمَتَّـعُوْا وَ يُـلْهِهِـمُ الْاَمَـلُ فَسَـوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ انہیں چھوڑ رکھیں کہ وہ کھاتے رہیں اور امیدوں میں بھولتے رہیں انہیں آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

معلوم ہوا صرف تمنا اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا، اصل یہ ہے کہ آدمی کچھ کر کے بتلائے، جو آدمی صرف آرزو کرتا ہے اور کچھ کرتا نہیں وہ بھی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن جب اپنے اعمال نامہ کو خالی دیکھے گا تو اسے ہوش آجائے گا مگر اس ہوش

سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ ہماری لمبی لمبی آرزوؤں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

(۹) حساب فراموشی:

غفلت کا ایک سبب آخرت اور حساب کو بھول جانا بھی ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴾ اور جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا یقین نہیں اور دنیوی زندگی پر اطمینان کر بیٹھتے ہیں اور جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

معلوم ہوا جب آخرت اور حساب پر یقین نہیں ہوتا تو آدمی اللہ اور اس کے رسول سے غافل ہو جاتا ہے۔ نہ برائی چھوڑنے پر آمادہ ہوتا ہے، نہ عذاب کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہے، دنیا میں ایسی بدمستی سے اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

(۱۰) اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو لاپرواہی سے سننا:

اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو لاپرواہی سے سننے سے بھی آدمی غفلت کی سزا پاتا ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰۱ر میں قرآن وحدیث کو سمجھایا جا رہا ہو اور آدمی لاپرواہی سے اسے سنے، اس سے بھی غفلت کا شکار ہوتا ہے۔ لہٰذا جب قرآن وحدیث کے حوالہ سے بات بیان کی جائے تو توجہ سے سننا چاہیے، لاپرواہی سے نہیں۔

غفلت کی ہولناکیاں:

غفلت کے اسباب کو جاننے کے بعد اس کے انجام کو بھی جانتے ہیں تاکہ غفلت سے بچنے کی کوشش کریں۔

(۱) ہلاکت یقینی:

اللہ رب العزت نے امم سابقہ پر جو بدترین عذاب نازل کیے ان کے اسباب بھی بیان کیے؛ مثلاً قوم فرعون پر نزول عذاب اور ان کے برے انجام کو بیان کرتے ہوئے کہا ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلٰى اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ، فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غَافِلِيْنَ﴾ پھر جب ہم اُن پر سے عذاب کو، اتنی مدت تک ہٹا لیتے جس تک اُنہیں پہنچنا ہی تھا (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں اُن کے لیے ایک وقت تو ایسا آنا ہی تھا جب وہ عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوں گے، لیکن اس سے پہلے جو چھوٹے چھوٹے عذاب آرہے تھے ان کو ایک مدت تک کے لیے ہٹا لیا جاتا تھا) تو وہ ایک دم اپنے وعدے سے پھر جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے بدلہ لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیوں کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُن سے بالکل بے پرواہو گیے تھے۔

قوم فرعون کی ہلاکت کے دو سبب بیان کیے: تکذیب اور غفلت۔ معلوم ہوا کہ غفلت کا انجام دنیا ہی میں اللہ کے عذاب کا باعث ہوتا ہے۔ اللهم احفظنا منه!

(۲) توفیق سلب ہو جاتی ہے:

غفلت کا دوسرا بدترین انجام، غفلت کے شکار لوگوں سے اللہ تعالیٰ توفیق چھین لیتے ہیں۔ ارشاد ایزدی ہے ﴿وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾ اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے۔ (یعنی ان کی تقدیر میں یہ لکھا

ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کریں گے جو انہیں جہنم تک لے جائیں گے۔ لیکن یاد رہے کہ تقدیر میں لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جہنم کے کام کرنے پر مجبور ہو گیے ہیں، بل کہ بلاتشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک استاد نے اپنے کسی شاگرد کے حالات کے پیش نظر یہ لکھ کر رکھ دیا کہ یہ فیل ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ استاد نے اسے فیل ہونے پر مجبور کر دیا، بل کہ اس نے جو کچھ لکھا تھا اس کا مطلب یہی تھا کہ یہ شاگرد محنت کرنے کے بجائے وقت ضائع کرے گا اور اس کے نتیجہ میں فیل ہوگا)

اُن کے پاس دِل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بل کہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (سورۃ الاعراف: آیت: ۱۷۹)

معلوم ہوا کہ غافل سے اللہ ناراض ہو کر قوت ادراک وشعور چھین لیتا ہے۔ سنتا ہے، مگر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ دیکھتا ہے، مگر عبرت حاصل نہیں کرتا اور یہ سب غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ **اللھم لا تجعلنا من الغافلين !**

(۳) غفلت انسان کو اللہ کی نشانیوں کی تکذیب پر آمادہ کرتی ہے:

حق سے غفلت کا انجام بڑا بھیانک ہوتا ہے ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ...... وَ كَانُوْا عَنْهَا غَافِلِيْنَ ﴾

آپ اندازہ لگائیں کہ غفلت کا انجام اتنا بدترین ہے کہ آدمی اللہ کی نشانیاں دیکھ کر بھی اس کی تکذیب پر تُل جاتا ہے، آج ایسی بے شمار نشانیاں آپ انسانوں میں پائیں گے۔ کیا جاہل؟ کیا پڑھے لکھے؟ ہر طرف آپ کو ایسے افراد ملیں گے جو اللہ کی

نشانیوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ اللھم احفظنا من الغفلة!

(۴) غفلت جہنم میں جانے کا سبب ہے:

جہاں غفلت کی وجہ سے انسان دنیا میں بڑی بڑی سزاؤں سے دو چار ہوتا ہے وہیں عذاب جہنم کا بھی مستحق ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ، اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے ان کے کرتوتوں کے سبب۔ معلوم ہوا دنیا و آخرت میں اللہ کی پھٹکار کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب غفلت بھی ہے۔ ''اَلنَّاسُ فِیْ غَفَلَاتِهِمْ وَ رُحٰی الْمَنِيَّةُ تَطْحَنُ'' لوگ غفلت کی چادر تان کر سو رہے ہیں جب کہ موت کی چکی برابر اپنے کام میں مشغول ہے۔ یعنی انسان کو موت برابر واقع ہوتی جا رہی ہے مگر پھر بھی غفلت میں پڑے ہیں، لوگوں کو کوئی پرواہ نہیں، وہ اپنی غفلت سے باز نہیں آ رہے ہیں۔

(۵) غفلت کو دور کرنے کے لیے انبیاء کی بعثت عمل میں آئی:

قرآن نے بعثت انبیاء کے جہاں بہت سے اسباب بیان کیے، اس میں سے ایک یہ بھی بیان کیا کہ جب جب لوگوں کو غفلت میں مبتلا پایا، انبیاء کو مبعوث کیا۔ ارشاد ہے ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباء واجداد کو نہیں ڈرایا گیا اور غفلت میں پڑے رہے۔ (سورۂ یٰسین: آیت ٦)

قیامت کے دن غفلت سے عار دلائی جائے گی۔

﴿وَ جَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ، لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاۗءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (سورۂ ق: آیت ٢١)

یعنی جب انسان کے لیے برا فیصلہ ہو جائے گا تو اسے عار دلائی جائے گی کہ، تو اس دن سے غافل تھا اور تو نے نیکی نہ کی، یہ اس کا انجام ہے۔ **اللّٰھم وفقنا بالقول و العمل لما یحب و یرضٰی!**

علاماتِ غفلت:

اسباب وانجامِ غفلت کے بعد علاماتِ غفلت کو بیان کیا جاتا ہے تا کہ ہم اپنا محاسبہ کریں کہ ہم میں غفلت ہے یا نہیں۔

(۱) عبادت میں سستی:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾ یہ منافقین اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے (اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو دھوکا دے دیا، تو درحقیقت یہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکے میں پڑا رہنے دیتا ہے جو انہوں نے خود اپنے آپ کو اختیار سے دے رکھا ہے۔ اور اس جملے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اللہ اُن کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے'' اس ترجمے کی بنیاد پر اس کا ایک مطلب بعض مفسرین (مثلاً حضرت حسن بصریؒ) نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اس دھوکے کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح دے گا کہ شروع میں ان کو بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ دُور تک لے جایا جائے گا اور مسلمانوں کو جو نور عطا ہوگا، اسی کی روشنی میں کچھ دور تک یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے اور یہ سمجھنے لگیں گے کہ ان کا انجام بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوگا، مگر آگے جا کر ان سے روشنی چھین لی جائے گی اور یہ بھٹکتے رہ جائیں گے اور

بالآخر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، جیسا کہ سورۂ حدید (۵۷:۱۲تا۱۴) میں اس کا بیان ہے۔) اور جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔(سورۃ النساء: آیت ۱۴۲)

منافقین اللہ کو دھوکہ دیے جا رہے ہیں (بزعمہم)۔

معلوم ہوا کہ عبادت میں جی نہ لگنا یہ نفاق اور غفلت کی علامت ہے۔ آج ہم میں سے ہر ایک اپنے گریبان میں جھانکے وہ کتنی سستی کرتے ہیں، نہ نماز نہ روزہ، نہ زکوٰۃ نہ حج، نہ تلاوت، نہ ذکر بل کہ ہر عبادت کے کرنے میں ہمیں سستی آتی ہے؛ یہ غفلت کی علامت ہے۔ ہمیں پوری تندہی اور چستی کے ساتھ عبادت کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۲) محرمات کو معمولی تصور کرنا:

غفلت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی حرام کام کے کرنے میں جھجھک محسوس نہ کرے اور آسانی سے اسے کر گزرے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یُخَافُ اَنْ یَّقْطَعَ عَلَیْهِ وَ اِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَذُبَابٍ عَلٰی اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰکَذَا. فَقَالَ اَبُوْشِهَاب بِیَدِهٖ فَوْقَ اَنْفِهٖ'' (بخاری: ج۸/ص۶۳۰)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ کسی بڑے پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہو اور وہ پہاڑ اس پر گرنے کے قریب۔ اور فاجر جب گناہ کرتا ہے اس وقت اس پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جیسے مکھی اس کے ناک کے پاس سے گزر رہی ہو اور وہ اس کو دفع کر رہا ہو۔ ابوشہابؒ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے ہاتھ سے مکھی کو دفع کرنے کا اشارہ کر کے بتلایا۔

مطلب یہ ہے کہ مومن سے اگرچہ گناہ ہو مگر گناہ کرتے وقت بھی اس کو تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور غافل پر گناہ کرتے وقت بھی کوئی احساس باقی نہیں رہتا، گویا گناہ پر گناہ کا احساس نہ ہونا، یہ بھی غفلت کی علامت ہے۔

(۳) غافل کو گناہ کرنے میں مزہ آتا ہے:

غفلت کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی جب گناہ کرے تو اس کو مزہ آنے اور گناہ چھوڑنے کے لیے اس کی طبیعت آمادہ نہ ہو۔ حضرت حذیفہ ابن یمانؓ کی ایک روایت ہے کہ ''جب گناہ کرتے کرتے قلب پر سیاہی چھا جاتی ہے تو اب اس کا دل اُلٹے کیے ہوئے پیالے کی طرح ہو جاتا ہے نہ اس کو نیکی سمجھ میں آتی ہے اور نہ برائی کا احساس ہوتا ہے، اس کو اپنی خواہش پر عمل کرنے کی پڑی رہتی ہے۔'' (مسلم: ۱۴۴)

(۴) غیر مفید امور میں وقت ضائع کرنا:

غفلت کی ایک علامت یہ ہے کہ غفلت زدہ آدمی بے کار اور بے سود امور میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرتا ہے، جس کا کل قیامت کے دن حساب دینا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے ﴿ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾ اور قیامت جب قائم ہوگی تو مجرمین (غافلین) قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے وہ تو بہت کم مدت (دنیا میں) رہ کر آئے ہیں اور وہ اس لیے کہ اپنی زندگی کے ضائع کردہ اوقات پر حسرت کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: '' اِغْتَنِمْ حَيَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ '' اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔

اب ہم اپنے معاشرہ اور دنیا کے حالات پر نظر ڈالیں کہ آج ضیاع وقت میں کیسا ابتلائے عام ہے، کیا خاص، کیا عام، کیا طلبہ، کیا اساتذہ، کیا عوام، کیا سائنس داں، کیا تعلیم

یافتہ؟؟؟؟ سب ہی اس بیماری میں شریک ہیں۔کوئی غیبت میں،کوئی کھیل کود میں،کوئی گپ شپ میں، کوئی موبائل پر، کوئی ٹی وی پر، کوئی انٹرنیٹ پر، کوئی چوراہوں پر، کوئی دکانوں پر، کوئی بازاروں میں، کوئی تفریح گاہوں میں، کوئی سڑکوں پر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کوضائع کررہاہے، مگراس کااحساس بھی نہیں'اسی کوغفلت کہتے ہیں۔

آج دنیامیں ۹۰ ر سے زائد فیصد لوگ ضیاع وقت کے مہلک مرض میں مبتلا ہیں گویاغفلت کا شکار ہیں؛ اسی لیے تو طرح طرح کے عذاب کے کوڑے، کبھی آندھی کی صورت میں، کبھی زلزلے کی صورت میں، کبھی سنامی کی صورت میں، کبھی بڑے بڑے حادثات کی صورت میں مسلسل ہمارے اوپر برس رہے ہیں، مگر ہمیں اس کا احساس تک نہیں۔اللہ ہی ہماری حفاظت فرمائے!

خلاصہ یہ کہ غفلت ایک مہلک مرض ہے جوانسان میں جہالت، نادانی، معصیت اور خواہشات کی پیروی، غافلین کی صحبت کا اختیار کرنے، نماز کو باجماعت نہ پڑھنے، لمبی لمبی آرزؤوں کے خیالی پلاؤپکانے، کثرت سے ہنسنے، فضول گوئی کرنے، آخرت فراموش کرنے، تکبر کرنے سے پیدا ہوتا ہے اوراس کا انجام عبادات میں کاہلی اور سستی، عذاب دنیوی، توفیق سے محرومی، تکذیب آیات، آخرت میں استحقاق عذاب کی صورت میں پیش آئے گا۔

غفلت کی علامت ضیاع وقت، اللہ کی اطاعت سے اعراض، گناہ سے دل چسپی، محرمات شرعیہ کے ساتھ تعاون ہے۔اللہ ہماری حفاظت فرمائے!

غفلت کا علاج:

قرآن وحدیث اوراسلامی تعلیمات میں جہاں غفلت کے اسباب، خطرات اور علامات کوصراحۃً واشارۃً ذکرکیا گیاہے وہیں غفلت کے علاج کا بھی تذکرہ ہے۔تو آیئے

ہم دل تھام کر بیٹھتے اور پورے عزم وارادہ کے ساتھ طے کرتے ہیں کہ ہم ضرور بالضرور غفلت کے اس مرض کے لیے تجویز کردہ علاج کو اختیار کریں گے اور اللہ سے مدد بھی طلب کریں گے۔عربی کا ایک شاعر کہتا ہے

یَا متعب الجسم کم تسعی لراحة ۔۔۔ أتعبت جسمک فیما فیه خسران

اقبل علی الروح واستکمل خصائلها ۔۔۔ فانت بالروح لا بالجسم انسان

اے جسم کی راحت کے لیے اپنے آپ کو تھکانے والے، کب تک تو اس جسم کو راحت دے گا جس کے لیے راحت کی صورت میں خسارہ لازمی ہو۔اپنی روح اور نفس کی طرف متوجہ ہو اور اس کو عمدہ خصال سے آراستہ کر دے اس سے کہ انسان اصل میں روح میں سے ہے (نہ کہ جسم سے)۔

(۱) غفلت دور کرنے کا سب سے پہلا علاج دینی تعلیم:

صحیح معنی میں اسلامی تعلیمات سے واقف ہو کر اس پر عمل کرنا یہ غفلت کو دور کرنے کا سب سے اہم سبب ہے، کیوں کہ علم دین سے مردہ زندگی کو حیات نصیب ہوتی ہے ارشاد ایزدی ہے ﴿أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَ جَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَالِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۂ انعام: آیت ۱۲۲)

ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اُسے زندگی دی ہو، اور اس کو ایک روشنی مہیا کر دی ہو جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو (یہاں روشنی سے مراد اسلام کی روشنی ہے۔اور ''لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو'' فرما کر اِس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان مذہبی عبادات کو لے کر دنیا سے ایک طرف ہو

کر بیٹھ جائے، اور لوگوں سے میل جول چھوڑ دے، بل کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کے درمیان رہے، اُن سے ضروری معاملات اور حقوق ادا کرے، لیکن جہاں بھی جائے، اسلام کی روشنی ساتھ لے کر جائے، یعنی یہ سارے معاملات اسلامی احکام کے تحت انجام دے) کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوش نما کام ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور علم سے گویا مردہ زندگی کو حیات میسر ہوتی ہے۔

(۲) غفلت دور ہوتی ہے ذکر اللہ سے:

غفلت کو دور کرنے کا اہم سبب اپنے آپ کو ذکر میں ہمیشہ مشغول رکھنا ہے ارشاد باری ہے ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِينَ﴾ (سورۂ اعراف: آیت ۲۰۵)

اور اپنے رب کا صبح وشام ذکر کیا کرو، اپنے دل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کیے بغیر! اور ان لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ غفلت کو دور کرنے کے لیے آدمی ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہے کہ اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ زبان پر جاری رہے۔ **لا یزال لسانک رطبا عن ذکر اللہ۔**

(۳) مجالس ذکر میں بیٹھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْكَعُوْا قَالُوْا وَ مَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ حِلَقُ

الذِّکرِ"۔ جب تم ریاض الجنہ پر سے گذرو تو اس سے مستفید ہوتے رہو۔ ہم نے دریافت کیا کہ ریاض الجنہ کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ (ترمذی)

ذکر کی مجلسیں اور حلقے انتہائی مفید اور کارآمد ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ذکر کے حلقوں کے فوائد کے ثمرات پر اپنے خطوط میں بڑے تجربات پیش کیے ہیں کہ ذکر کی مجلسوں سے غفلت دور ہوتی ہے، باہمی اختلاف وانتشار پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اگر کہیں ذکر میں کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو کوئی آدمی خاموشی کے ساتھ بھی اس میں شرکت کرے تب بھی فوائد اور ثواب سے محروم نہیں رہتا ہے۔ ھم القوم لا یشقی جلیسھم۔ (متفق علیہ)

(۴) تلاوت قرآن:

جہاں غفلت کے علاج کے لیے بہت سے امور ہیں، وہیں تلاوت قرآن بھی غفلت کو دور کرنے کا اہم ذریعہ ہے ارشاد الٰہی ہے ﴿ اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ ﴾ (سورہ زمر: آیت ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جس کی باتیں بار بار دُہرائی گئی ہیں۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں اپنے پروردگار کا رُعب ہے وہ اس سے کانپ اُٹھتے ہیں، پھر اُن کے جسم اور اُن کے دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت سے قساوت قلبی دور ہوتی ہے، ذکر اللہ میں دل لگتا ہے اور غفلت دور ہوتی ہے آج ہم نے تلاوت کو بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے اللہ

ہمیں تلاوت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

ابن القیمؒ فرماتے ہیں: قرآن قلوب کے لیے حیات نو کے مانند ہے،قلب کے لیے تلاوت قرآن، تدبر فی القرآن سے زیادہ کوئی چیز نفع بخش نہیں ہوسکتی، تلاوت قرآن سے اللہ کی محبت اور اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، مغفرت کی امید قائم ہوتی اور گناہ پر خوف کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی طرف بندہ متوجہ ہوتا ہے، اللہ کی ذات پر توکل قائم ہوتا اور اس کے فیصلہ پر بندہ راضی رہتا ہے، اس کی نعمت پر شکر بجالاتا ہے، مصیبت پر صبر کرتا اور ہر طرح کی غیر شرعی حرکت سے باز رہتا ہے، اگر لوگوں کو تلاوت قرآن کے فوائد کا ادراک ہوجائے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی میں لگے رہیں۔ (مفتاح دار السعادۃ: ۱/ ۴۳۵)

(۵) توبہ واستغفار:

کثرت سے توبہ واستغفار بھی بندے سے غفلت کو دور کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں سوسو بار استغفار کرتے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں استغفار کرتے تھے: ''رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ تُبْ عَلَيَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم''۔
(ترمذی: ۳۴۳۴)

(٦) رورو کر دعا کرنا:

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من لم يسأل الله يغضب عليه ''۔ جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر ناراض ہوتے ہیں۔
(ترمذی: ۳۳۷۳)

(۷) نماز باجماعت ادا کرنا:

پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے بھی غفلت دور ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ”**من حافظ علیٰ ھٰؤلاء الصلوات المکتوبة لم یکتب من الغافلین**“۔ جوشخص پانچوں وقت نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرے گا اس کا شمار (عنداللہ) غافلین میں نہیں ہوگا۔ (صحیح ابن خزیمہ:۲/۲۸۰)

معلوم ہوا کہ غفلت کو دور کرنے کے لیے نماز کا اہتمام از حد ضروری ہے، مگر افسوس امت اگر سب سے زیادہ اس وقت کسی امر میں کوتاہ ثابت ہوئی ہے تو وہ ہے نماز۔ اور یہی نماز کی کوتاہی دیگر تمام فرائض وواجبات اور سنتوں میں کوتاہی کا سبب ہے۔ کاش امت ہوش کے ناخن لے اور اپنے اوپر سے غفلت کے پردے کو اٹھانے کی کوشش کرے۔ **اللّٰھم وفقنا بالصلوٰۃ والذکر والدعاء والعمل الصالح۔**

(۸) تہجد گزاری:

غفلت تہجد کو ادا کرنے سے بھی دور ہوتی ہے، حدیث پاک میں حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا ”**یا محمد شرف المؤمن قیام اللیل**“ مؤمن کے لیے سب سے بڑا شرف قیام لیل یعنی رات کو جاگنا ہے۔ (مستدرک ۴/۳۲۵)

(۹) صدقہ خیرات کرنا:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**صانع المعروف تقی مصارع السوء و صدقة السر تطفئ غضب الرب وصلة الرحم تزید فی العمر**“۔ نیکی کرنے والا برائی سے محفوظ رہتا ہے اور

خفیہ طریقہ سے صدقہ کرنے سے (بندے سے) اللہ کا غضب ختم ہوتا اور صلہ رحمی کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔ (طبرانی، معجم الکبیر ۸/۲۶۱)

معلوم ہوا بھلائی کرنے اور صدقہ کرنے سے آدمی کے لیے دنیا اور آخرت میں بھلائی اور خیر مقدر ہوتی ہے اور غفلت سے بچنا بھی ایک خیر اور بھلائی ہے لہٰذا غفلت بھی دور ہوتی ہے۔

(۱۰) نفل روزے رکھنا:

نفل روزے رکھنے سے بھی غفلت جاتی رہتی ہے ارشاد نبوی ہے: صوم شهر الصبر و ثلاثة أيام من كل شهر يذهبن وحر الصدر۔

(مستدرک احمد ۳۸/ ۱۶۸، مسند البز ار ۱۰۵۷، الترغیب والترہیب: ۵۹۹)

رمضان کے روزے اور ہر ماہ کے تین روزے دل کے وحر (برے خیالات) کو ختم کرتے ہیں ''وحر الصدر'' کہتے ہیں دل میں آنے والے برے خیالات، وساوس، حسد، کینہ کی آگ، دشمنی اور انتقام کے جذبے وغیرہ کو، ''وحر'' کا لفظ امام ابن الاثیر کی تحقیق کے مطابق بڑا جامع ہے مذکورہ معانی کو موصوف نے النہایہ فی غریب الحدیث: ۱۶۰/۵ میں نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ روزے کے اہتمام سے اور خاص طور پر ایام بیض کے روزے رکھنے سے جب کہ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ہو، آدمی دل کی تمام مہلک بیماریوں سے جس کو بدترین روحانی امراض کہا جاتا ہے محفوظ ہو جاتا ہے عصر حاضر میں اس کی سخت ضرورت ہے اور غفلت روحانی بیماری ہے لہٰذا اس کا علاج نفل روزے رکھنا ہے اللہ ہمیں خلوص کے ساتھ روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(۱۱) زہد فی الدنیا:

دنیا سے بے رغبتی بھی غفلت کو دور کرتی ہے ارشادِ خداوندی ہے ﴿تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِـــرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِیْ الأَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ آخرت کا (عمدہ) ٹھکانا ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کریں گے جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں کرتے تھے اور اچھا انجام تو متقیوں ہی کا ہوتا ہے۔ (سورۂ قصص:۸۳)

آیت میں بتایا گیا کہ جو تکبر اور فساد چاہتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ہے اور یہ دونوں برے وصف انسان میں تمام طور پر مال ہونے کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور آخرت سے غفلت بھی اس کا سبب ہے۔ لہٰذا جو آخرت کا فکر مند ہو وہ دنیا سے ضرورت کے بقدر استفادہ کرتا ہے، باقی آخرت کے لیے کرتا ہے۔

(۱۲) موت کی یاد:

حدیث پاک میں حضرت عبد اللہ ابن........ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ایک انصاری صحابی تشریف لائے اور دریافت کیا: ’’أي المؤمنین اَفْضَل‘‘؟ مؤمنوں میں سب سے افضل کون سا مؤمن ہے؟ تو ارشاد فرمایا: ’’احسنھم خلقاً‘‘ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ پھر دریافت کیا: ’’أي المؤمنین اکیس مؤمنون‘‘؟ سب سے زیادہ ذی شعور، ہوشیار اور عقل مند مؤمن کون سا ہے؟ تو عرض کیا: ’’اکثرھم للموت ذکرا واحسنھم لما بعدہ استعدادًا اولئک الأکیاس۔

(ابن ماجہ:۴۲۵۹)

معلوم ہوا کہ جو آدمی جتنا موت کو یاد کرے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی تیاری کرے وہی عقل مند انسان ہے گو غفلت موت کی یاد سے دور ہوتی ہے کیوں کہ جب

کثرت سے موت کو یاد کرے گا تو خود بخود غفلت دور کر کے موت کے بعد کی زندگی کی تیاری میں لگ جائے گا۔

یہ ہوئے غفلت دور کرنے کے اسباب اور علاج گویا دینی تعلیم کا حصول ہمیشہ ذکر اللہ میں مشغول رہنا، ذکر کے حلقوں میں بیٹھنا، قرآن کی تلاوت کرنا، توبہ استغفار کثرت سے کرنا رو رو کر دعائیں کرنا، نماز باجماعت کا اہتمام، تہجد پڑھنے کی عادت ڈالنا، صدقہ خیرات کرنا، نفل روزے رکھنا، دنیا سے بے رغبت ہونا، موت اور قبر کو کثرت سے یاد کرنا انسان سے غفلت کو دور کرتا ہے۔

اللہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق بخشے اور غفلت کی زندگی سے نکال کر آخرت کی تیاری کرنے کی فکر دل میں ڈال دے۔ آمین یارب العالمین!

گزارش: امت کے جوان، بوڑھے، بچے، عورتیں ہر ایک دشمن کے نرغے میں آکر غفلت والی زندگی گزار رہے ہیں، غفلت کے اسباب کو آپ پڑھیں پھر علامتوں کو اپنی یومیہ زندگی اور اپنے حالات پر ایک نظر دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہم غفلت کے اس بدترین دلدل میں کیسے بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو علاج بتلایا گیا ہے اس کو دل سے بار بار پڑھیں اور اس پر عمل کرنے اور اس کو اختیار کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ فرائض کا اہتمام کریں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قربانی وغیرہ اور سنتوں کو زندہ کریں، انشاء اللہ دنیا و آخرت میں عزت و رفعت ہمارا مقدر بن جائے گی، مگر اخلاص کو ضرور پیش نظر رکھیں، ریاکاری سے مکمل اجتناب کریں اس لیے کہ عدم اخلاص کی صورت میں علاج مؤثر نہیں ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے لوگ نماز، روزہ وغیرہ کی پابندی کے باوجود غفلت میں مبتلا ہیں تو وہ عدم اخلاص اور ریاکاری کی وجہ سے، ورنہ قرآن وحدیث جو علاج

بیان کرے وہ اثر نہ کرے ایسا ممکن ہی نہیں۔

تنبیہ: جب آپ علاج شروع کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ شروع شروع میں دکھاوے کا خیالات پیدا ہو، مگر آپ مایوس نہ ہوجائیں یہ شیطان کا حربہ ہے وہ آپ کے دل میں خیال ڈالے گا کہ جب اخلاص نہیں ہے تو کیوں یہ سب کرتا ہے، مگر آپ اس کو خاطر میں نہ لائیں اور اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اپنے عمل کو حتی الامکان لوگوں سے چھپا کر کریں جو چھپانے جیسے ہوں تو انشاء اللہ، اللہ ضرور ایک نہ ایک دن اخلاص کی دولت سے نواز دیں گے ورنہ آپ کی کوشش پر بھی اجر دے دیں گے۔

اللہ ہمیں اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے، ریاکاری، بغض، حسد، کینہ، جھوٹ، زنا، چوری اور خیانت وغیرہ تمام مہلک گناہوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین!

(مولانا حذیفہ صاحب وستانوی)

طلبہ کی سستی اور اس کا علاج

طالب علم کو چاہیے کہ سستی نہ کرے کیوں کہ سستی آدمی کو تنزل کی طرف دھکیلتی ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سستی سے پناہ مانگی "اللّٰھم انی اعوذبک من الکسل" بہر حال طالب علم کو چاہیے کہ اعمال کی پابندی میں مستقل لگا رہے اور کسی قسم کی بھی سستی سے کام نہ لے۔

سستی کرنے سے اطاعت پر اثر پڑتا ہے، تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ جو شخص آداب میں کوتاہی سے کام لے گا وہ سنت پر عمل کرنے سے محروم ہو جائے گا اور جو شخص سنتوں میں سستی کرے گا اس کے فرائض چھوٹ جائیں گے اور جو شخص فرائض میں سستی کرے گا وہ حسن آخرت سے محروم رہے گا۔ (تعلیم المتعلم، ص ٦٨)

نفس ایک ایسا گھوڑا ہے جو ذرا سی ڈھیل ملتی ہے تو فوراً نکل بھاگتا ہے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ شیطان کا ایک دھوکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ابھی تو ہم طالب علم ہیں جب عالم بن جائیں گے اس وقت عمل کریں گے۔ (مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ: ج ١/ص ١٩)

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ جن عادات پر آدمی دوام اختیار کرتا ہے تو دو چیزیں اپنے دوام کے ساتھ پختہ ہوتی چلی جاتی ہیں نہ کہ خام ہوتی ہیں۔ اگر گناہوں کی عادت ابھی سے پڑ گئی تو بعد میں اتنی پختہ ہو جائے گی کہ چھوڑنے سے بھی نہ چھوٹے گی پھر بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے کہ عادت پختہ ہو چکی ہے کہ اب اس کا چھوڑنا انتہائی مشکل ہے۔

فارسی کا مقولہ ہے ''جبل گردد جبلت نہ گردد'' کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے لیکن عادت نہیں بدل سکتی۔

جو عادت پڑ گئی، سو پڑ گئی مشکل سے جاتی ہے
کہ رسی جل بھی جائے تو کہاں یہ بل سے جاتی ہے

اس لیے ضروری امر یہ ہے کہ شروع ہی سے اپنی عادت کو سنوارا جائے اور نیکیوں کی عادت ڈالی جائے تا کہ نفس کے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا ہو کر علم کی بڑھوتری کا سبب ہو۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے ساتھی کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو علم کی روشنی عطا فرمائی ہے تم اس کو گناہوں کے اندھیروں سے نہ بجھاؤ نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم اندھیرے میں رہ جاؤ گے جس دن اہل علم اپنے نور کی روشنی میں جنت کی طرف جارہے ہوں گے۔ (جامع بیان العلم:ص ۲۷۳)

دوسری بات یہ کہ کسی کو کیا معلوم کہ زندگی باقی رہے گی بھی یا نہیں اس انتظام میں عمل چھوڑتا رہے گا کہ بڑے ہو کر عمل کرے گا اور موت اسی گناہوں کے حال میں آجائے پھر اللہ کے سامنے کیا منہ دکھائے گا ہر صورت میں نفس کو ڈھیل نہ دے، بل کہ سمجھائے اور عمل کو اختیار کرے۔

ایسے ہی ایک دن کا کام دوسرے دن پر نہ چھوڑے کیوں کہ ہر دن اپنی مشغولیت لیے ہوئے آتا ہے۔

(مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ: ج ۱/ص ۳۵، ماخوذ: حصول علم کے آداب: ص ۲۲۰-۲۲۱)

باب ششم

فقط حصولِ علم نہیں، عمل بھی

علم نافع کی علامت

ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ علم نافع کی علامت کیا ہوتی ہے؟ جی ہاں، نفع دینے والا علم بھی ہوتا ہے نبی علیہ السلام نے ہمیں دعاء سکھائی ہے: ''**اَللّٰهم اني أعوذبك من علم لا ينفع**'' اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دیتا ہو چناں چہ علم نافع کی دو علامتیں ہیں۔

پہلی علامت: بندے کو اس علم پر عمل کرنے کو توفیق مل جاتی ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ایک مرتبہ طلباء سے پوچھا بتاؤ علم کا مفہوم کیا ہے؟ وہ بتاتے رہے، جاننا پہچاننا وغیرہ۔ حضرت خاموش رہے بالآخر ایک طالب علم نے کہا حضرت آپ ہی بتائیے۔

آپ نے فرمایا: علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا اگر دل کی یہ حالت ہوتی ہے تو علم نافع ہے۔ عمل کے بغیر بندے کو چین نہیں آتا، گناہ کر بیٹھے تو اللہ سے رو رو کر معافی مانگے بغیر اس کو سکون نہیں ملتا ہے، اندر ایک آگ لگی ہوتی ہے۔

دوسری علامت: انسان کے دل کے اندر وحشت بڑھ جاتی ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر ۲۸)

دیکھا قرآن عظیم الشان نے نشانی بتا دی ہے بے شک اللہ کے بندوں میں سے علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، انسان کے دل میں خشوع، ڈر اور خوف بڑھ جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: بڑا عالم وہ ہے جس پر گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائے، گناہوں کے نقصانات جتنے واضح ہوں گے، وہ اتنا ہی پیچھے ہٹے گا۔

علم میں اضافہ کیسے ہوتا ہے؟:

دو ذرائع سے علم میں اضافہ ہوتا ہے، یہ ایک نکتے کی بات ہے، امید ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے اور اسے اپنے دلوں میں محفوظ فرمائیں گے۔

(۱) عمل کے ذریعہ:

حدیث پاک ہے "**من عمل لما علمه ا لله ما لم يعلم** "جو بندہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اللہ اسے وہ علم بھی عطا کر دیتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا ہے۔ تو علم پر عمل کیسا ہوا؟ کہ وہ علم بھی ملا جو پہلے نہ تھا۔

(۲) تقوی کے ذریعہ:

گناہوں سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا بھی علم میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ (البقرہ ۲۸۲) اور تم تقویٰ اختیار کرو اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔

علم حاصل کرنے کے دو راستے:

(۱) ذہانت کے راستے سے علم حاصل کرنا:

کہ وہ بڑا ذہین فطین ہے اور اس نے قواعد نحو و صرف سب جان لیا، جب عبارت پڑھتا ہے تو اسے مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یاد رکھیں جو علم ذہانت کے راستے سے ملتا ہے، اس کی بنیاد نہیں ہوتی ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ میں دو بھائی تھے۔ ابو الفضل

اور فیضی ذہانت کے راستے سے انہوں نے علم لیا تھا۔ ایسے عالم تھے کہ انہوں نے فارسی زبان میں قرآن مجید کی بے نقط تفسیر لکھی، پوری تفسیر میں نقطہ والا حرف استعمال نہیں کیا؛ یہ معمولی بات نہیں اور پھر اس کا نام بھی ایسا ہی رکھا جس میں کوئی نقطہ نہیں تھا ''سواطع الالہام'' ایک جگہ پر وہ تفسیر دیکھنے کا موقع ملا، میں نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر پڑھی، انہوں نے پورے قرآن کی اسی طرح تفسیر لکھی تھی، انہیں علم تو تھا مگر انہوں نے یہ علم ذہانت کے راستے سے لیا تھا، اتنے ذہین تھے کہ ایک بھائی کے سامنے جب ایک بات کہی جاتی تھی تو وہ اسے یاد ہو جاتی تھی گویا فوٹوگرافک میموری تھی، یہ خوبی فیضی میں تھی، جو چھوٹا تھا۔

اور جو بڑا تھا وہ دو دفعہ سن لیتا تھا تو اسے یاد ہو جاتی تھی، انہوں نے اپنے وقت کے شعراء کی ناک میں دم کر دیا تھا۔ شاعر لوگ بادشاہ کی منقبت لکھتے تھے، تعریفی اشعار لکھتے اور آ کر بادشاہ کو سناتے تو جب سنا کے ہٹتے تو چھوٹا کھڑا ہو جاتا اور کہتا تھا، بادشاہ سلامت یہ تو میرا کلام ہے۔ پھر وہ اس کو ری پروڈیوس Reproduce (دوبارہ نقل کرنا) کر دیتا اور سنا دیتا جب وہ سنا دیتا تو پھر بڑا کھڑا ہو جاتا، کیوں کہ اب اس نے دو مرتبہ سن لیا ہوتا تھا کہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے، میں سنا دیتا ہوں ان کی ذہانت اتنی تھی کہ اور وہ ان کا علم اتنا تھا، مگر ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکا، انہوں نے بادشاہ وقت کو فتویٰ دیا کہ غیر اللہ کے لیے تعظیمی سجدہ جائز ہے، اس طرح وہ گمراہ ہو گیے۔

(۲) عبادت کے راستے سے علم حاصل کرنا:

علم کو ذہانت کے راستے سے مت لو بلکہ علم کو عبادت کے راستے سے لو۔ عبادت سے کیا مراد ہے کہ علم پر عمل کرنے کا راستہ اور تقویٰ اختیار کرنا یہ عبادت کا راستہ ہے، جس طالب علم میں عمل اور تقویٰ زیادہ ہوگا اس کو اللہ ایسا علم عطا کرے گا جو علم پہلے ان کے پاس

نہیں تھا، ایسا علم انسان کو ہمیشہ ساتھ دیا کرتا ہے؛ یاد رکھیں فاسق طالب علم عبارتیں تو یاد کر سکتا ہے مگر اسے یاد نہیں ہوگا کہ کس موقع پر میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے اور علم تو یہی تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو علم تو حاصل نہیں، بل کہ معلومات حاصل ہے فرق سمجھئے!

فسق وفجور میں پڑنے والا طالب علم، بدنظری کرنے، غیرمحرم کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے، میسیج بھیجنے اور لینے والا ساتھ ساتھ علم کا طلب گار بھی بن جائے۔ تو اس قسم کے طالب علم کو تو عبارتیں یاد ہوسکتی ہیں مگر اس کو یہ یاد نہیں ہوگا کہ کس موقع پر میرا خدا کیا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں عبادت کے راستے سے، علم کو ذہانت کے راستے سے حاصل نہ کریں ورنہ ہم علم کے باوجود گمراہ ہوجائیں گے۔ کیوں کہ جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

نظام نوافل کو بھی رواج دیجیے

آج کل امت لغویات میں منہمک ہو کر اسلامی فرائض و واجبات سے دن بہ دن دور ہوتی چلی جارہی ہے، اور تو اور علماء وطلبہ بھی نماز جیسی عظیم عبادت سے لاپرواہی برت رہے ہیں، جو بڑے افسوس کی بات ہے کہ نفل نمازوں اور سنتوں سے تو حد درجہ اجتناب پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ سنن مؤکدہ کا بھی اہتمام باقی نہ رہا تو آیئے! نفل نمازوں اور سنن مؤکدہ کے فضائل سے آشنا ہوتے ہیں تاکہ تقرب خداوندی کو حاصل کر سکیں۔

عبادات کی اہمیت:

اسلام میں عقائد کے بعد سب سے اہم شعبہ عبادات کا ہے۔ ''جس طرح امہات العقائد کو دوسرے عقائد کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے، اسی طرح شریعت کے دوسرے شعبوں کے مقابلے میں ''عبادات'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ عبد و معبود (بندے اور خدا) کا تعلق دوسری سب چیزوں کی بہ نسبت عبادات سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح و درستی میں بھی عبادات کو خاص دخل ہے''۔

(دین وشریعت ص ۱۳۱)

عبادات سے کیا مراد ہے؟

عبادات سے مراد وہ خاص اعمال ہیں، جو بندہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور اس کے سامنے اپنی عاجزی، بے چارگی، بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لیے کرتا ہے، اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عربی میں عبادات کو

''قربات''بھی کہتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکاۃ وصدقات، ذکر، تلاوت اور قربانی جیسے تعبدی اعمال جو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اپنے روحانی پہلو کی درستی اور ترقی کے لیے کیے جاتے ہیں اور وہ صرف عبد و معبود کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں''۔

(دین وشریعت ص ۱۳۱۔۱۳۲)

تقرب الی اللہ کی دو بنیادی چیزیں:

عبد کا اپنے معبود کے ساتھ تعلق استوار ہوجائے اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، اس کے لیے دو بنیادی چیزیں ''ایمان اور اعمال صالحہ'' ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي يُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ﴾ (سورہ سبا آیت ۳۷)

اور تمہارے اموال واولاد ایسی چیزیں نہیں، جو تم کو ہمارا مقرب بنادیں۔ہاں مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (البتہ یہ دونوں چیزیں سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لیے ان کے نیک اعمال کے لیے دوگنا صلہ ہے اور وہ بہشت کے بالاخانوں میں چین سے ہوں گے۔ (شریعت وطریقت: ص ۲۴۵)

قرب فرائض وقرب نوافل:

قرب خداوندی کو حاصل کرنے کے لیے یہ دو بنیادی چیزیں ہوئیں، ایمان اور اعمال صالحہ، پھر ایمان کیسا اور کس درجہ کا مطلوب ہے؟ اس کی تفصیلات بھی دین میں بتلائی گئی ہیں، اور اعمال صالحہ میں فرائض ونوافل کا ایک منظّم مبسوط نظام بھی اسلام میں موجود ہے، اس کا مقصد اور مقصود یہی ہے کہ بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوجائے اور

اسے رضائے الٰہی نصیب ہو، ایک حدیث میں آیا ہے کہ: ''میرا بندہ کسی ایسے ذریعہ سے قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ادائے فرض سے زیادہ محبوب ہو۔''

اس لیے حدیث ہی کی موافقت میں صوفیہ اس کو ''قرب فرائض'' کہتے ہیں۔

(شریعت وطریقت: ص۲۵۱،۲۵۲)

اسی حدیث میں ہے کہ: ''اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے کسی چیز کو پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اکثر اس کے جوارح سے کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا، پس میں ہی گویا اس کے اعضاء بن جاتا ہوں۔ چوں کہ حدیث میں اس مقام کا حصول تکثیر نوافل پر وارد ہے اور مجاہدہ وریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے۔ خواہ نماز ہو یا روزہ، کثرت مراقبات ہو یا تقلیل شہوات، اس لیے صوفیہ حدیث کی پیروی میں اس مقام کو ''قرب نوافل'' کہتے ہیں۔ (شریعت وطریقت: ص۲۵۰۔۲۵۱)

سنن ونوافل کے فضائل:

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبدی اعمال میں نافلہ کی بھی بڑی اہمیت کے ساتھ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

رات دن کی بارہ رکعتیں:

جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے

لیے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی تفصیل یہ ہے) ۴ر ظہر سے پہلے ۲ر ظہر کے بعد ۲ر مغرب کے بعد اور ۲ر عشاء کے بعد اور ۲ر فجر سے پہلے۔

(جامع الترمذی، معارف الحدیث سوم: ص ۳۲۰)

فجر کی سنتیں: ''فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح مسلم، ایضاً: ص ۳۲۲)

ظہر کی سنتیں: ''ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں ان کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، ایضاً: ص ۳۲۴)

''جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ، ایضاً: ص ۳۲۴، ۳۲۵)

عصر کی سنتیں: ''اللہ کی رحمت اس بندے پر ہو جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ (جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، ایضاً: ص ۳۲۵)

مغرب کی سنتیں: ''جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔

(معجم طبرانی، ایضاً: ص ۳۲۶)

رات کے مخصوص نوافل:

''فرضوں کے آگے پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے، مثلاً دن میں چاشت اور رات میں تہجد، یہ در اصل تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لیے ترقی اور اصلاح کا مخصوص نصاب ہے۔'' (ایضاً ص ۳۲۰)

اور رات دن کے جو مخصوص نوافل ہیں ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تہجد کو لازم پکڑ لو کیوں کہ وہ تم سے پہلے اللہ کے صالح بندوں کا دستور رہا ہے اور تم کو تمہارے رب سے وہ قریب کرنے والا ہے اور تمہارے گناہوں کے لیے کفارہ بننے والا ہے اور تم کو گناہوں سے روکنے والا ہے۔'' (ترمذی، دین وشریعت، ص۱۴۹)

اشراق: ''اے ابن آدم تو چار رکعت (نفل) پڑھ لے میرے لیے (یعنی اخلاص سے) اول دن میں، تو میں تجھے (تیرے کاموں میں) کفایت کروں گا آخر دن تک۔ (ترمذی؛ بہشتی زیور دوم ص ۷۵)

چاشت: ''جو بندہ چاشت کے وقت کی دو رکعتیں برابر ادا کیا کرے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ سمندر کے پھین کے برابر کیوں نہ ہوں''۔ (دین وشریعت، ص ۱۵۴)

ایک حدیث میں ہے کہ جو چاشت کی بارہ رکعات نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک محل سونے کا جنت میں تیار فرمائے گا۔ (جامع صغیر؛ بہشتی زیور دوم، ص۷۳)

اوابین: ''جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان چھ رکعت پڑھیں اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو وہ بارہ برس کی نفل عبادت کے برابر (ثواب میں) کی جائیں گی۔ (جامع الصغیر)

جو مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعت (نفل) پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مکان جنت میں بنائیں گے۔ (رواہ الامام السیوطی؛ بہشتی زیور دوم، ص۷۳)

دیگر نوافل:

''فرض نماز سے پہلے اور بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد

اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں، بل کہ خاص حالات سے ہے جیسے دوگانۂ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ، صلاۃ توبہ اور استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا تعلق بھی وقت متعین سے نہیں ہے، بل کہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضرورت پیش آئے جن سے ان نوافل کا تعلق ہے یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں''۔

تحیۃ الوضو: جس نے مسنون طریقہ پر وضو کیا دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ سے) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی یعنی (دل میں اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوگئے۔
(صحیح بخاری، مسلم، معارف الحدیث، سوم ص ٦٩)

تحیۃ المسجد: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ (صحیح بخاری، مسلم، ایضا: ص ١٧٨)

ظاہر ہے کہ ادائے نوافل اور اتباع سنت کے ذریعہ قرب کے اعلیٰ مقامات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چناں چہ شیخ نصیر آبادیؒ فرماتے ہیں ''اتباع سنت سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور ادائے فرض سے قربت ملتی ہے اور نوافل ہمیشہ ادا کرنے سے محبت کا حصول ہوتا ہے۔ (عوارف المعارف: ص ٦٨٢)

نوافل کے بارے میں یہ ساری ترغیبیں اسی لیے دی گئی تھیں کہ بندوں میں ایک جذبہ پیدا ہو جائے جو ''ضابطہ'' کے حدود سے آگے بڑھ کر ''رابطہ'' کے حدود میں داخل ہو جائے لیکن!

افضل اور ادنیٰ کی بحث:

حال یہ ہے کہ اسلام کا یہ تعبدی نظام ہی خطرہ میں آ گیا ہے، جوں توں کر کے صرف فرائض کو ادا کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ سب سے آخر میں آنا ہوتا ہے اور فرض کا سلام پھیرتے ہی سب سے پہلے نکل جانا ہوتا ہے، اور وہ حضرات جو دین دار سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں بھی ''نفلی اعمال'' کی کوئی حیثیت نہیں، ایک طبقے کے سامنے ذیل کی روایات ہیں:

(۱) ''علم کا وہ باب جس کو کوئی آدمی سیکھے ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے''۔

(حیات الصحابہ سوم: ص ۱۷۷)

(۲) ''جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلا وہ واپس ہونے تک اللہ کی راہ میں ہے۔ (ایضا: ص ۲۸۳)

(۳) ''علم کا سیکھنا اللہ پاک سے ڈرنا ہے اور اس کی عبادت ہے اور اس کا مذاکرہ تسبیح ہے اور اس سے بحث اور پوچھ گچھ کرنا جہاد ہے اور جو نہیں جانتا اسے یہ سکھانا صدقہ ہے۔ علم میں فکر کرنا اور مطالعہ کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے اور اس کا پڑھنا رات کی عبادت (تہجد) کے برابر ہے۔ (ایضا: ص ۱۷۴، ۱۷۵)

ان روایات کے استحضار سے یہ بات کچھ لوگوں کے ذہن میں آتی ہے کہ سنن ونوافل سے کہیں زیادہ افضل، علم دین کی تحصیل ہے اور ہم اس اہم کام میں لگے ہوئے ہیں اس لیے سنن ونوافل کا ثواب مل ہی جاتا ہے۔ اور اس طرح نظام نوافل سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ کچھ اور لوگ یہ جانتے ہیں کہ

(۱) بلغوا عنی و لو آیة – اگر تمہیں ایک ہی بات معلوم ہے تو دوسروں تک پہنچاؤ۔

(۲) بے شک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ہے لہٰذا تبلیغ کرو“
(حیات الصحابہ: سوم/ص ۲۶۲)

یعنی تبلیغ والا کام اتنا اہم کیوں ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے۔

(۳) امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ عبادت قطرہ ہے اور دعوت سمندر ہے۔

ان امور کے پیش نظر ہونے سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ جو دعوت کا کام ہم کر رہے ہیں وہ تمام چیزوں اور عبادات سے افضل ہے۔ گویا مقصد حیات کو چھوڑ کو نوافل میں لگنا اور ذکر کے ذریعہ مسجد کے کونے سجانا نادانی ہے اسی طرح نظام نوافل سے یہاں بھی صرف نظر ہو جاتا ہے۔

کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ دلوں کی غفلت ہے، اور اس غفلت کو دور کیے بغیر اچھائیوں کو لا نہیں سکتے اور دلوں کی غفلت کو دور کرنے والی اصل چیز ”اللہ کا ذکر“ ہے، اس طرح یہاں بھی اعمال نافلہ سے بے پرواہی ہو سکتی ہے۔ اس طرح افضل و غیر افضل اور اعلیٰ و ادنیٰ کی بحث میں پڑ کر وہ اعمال نافلہ جن کی فضیلت کسی اور نے نہیں، بل کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے، چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ کوئی افضل و اعلیٰ، غیر افضل و ادنیٰ عمل کا ناسخ نہیں ہے، بل کہ صرف اتنی بات ہے کہ دونوں طرح کے اعمال ایک ساتھ سامنے آجائیں تو افضل و اعلیٰ اعمال قابل ترجیح بن جائیں گے اور غیر افضل و ادنیٰ اعمال مؤخر ہو جائیں گے، مثلاً فجر کی نماز کے موقع پر اتنا کم وقت رہ گیا ہے کہ صرف فرض پڑھی جا سکتی ہے تو سنت نماز کو ترک نہیں کیا جائے گا، بل کہ مؤخر کیا جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہیے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی، معارف الحدیث: سوم/ص ۲۳۲)

تہجد کی پابندی کیجئے

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللّٰہ لمع المحسنین" سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین.

مقام انسانیت:

انسان دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے یہ اپنے مقام اور منصب تک پہنچنے کے لیے محنت کرے تو راستہ ہموار کر دیا جاتا ہے اور اگر محنت نہ کرے تو یہ اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی — زندگی بے بندگی شرمندگی

بے عملی کی بنیادی وجہ:

عجیب بات تو یہ ہے کہ ہم اکثر و بیشتر نیکی کی باتیں اپنے بڑوں سے سنتے آتے ہیں مگر توجہ نہیں دیتے، عمل کے جذبہ سے نہیں سنتے اور معاملہ ایسا بن جاتا ہے کہ جیسے ہم نے سنا ہی نہیں ہوتا ہم سنتے ہوئے بھی نہیں سنتے۔ ﴿وَلَوْ اَرَادَ اللّٰهُ خَيْرًا لِسَمْعِهِم﴾ اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا تو انہیں سننے کی توفیق عطا فرما دیتا۔

اول تو سنتے ہی نہیں اور اگر سنتے بھی ہیں تو سمجھتے نہیں ﴿فَمَا لِهٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ

لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا'' کچھ ایسے ہیں جو سنتے نہیں اور جو سن لیتے ہیں وہ بات کو سمجھتے نہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ عمل کے لیے کھڑے نہیں ہوتے۔

قرون اولیٰ اور زمانہ حاضر کا تقابل:

ایک وقت تھا کہ جب تہجد کے فوت ہونے پر لوگ رویا کرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے پر رویا کرتے تھے۔ لیکن آج وہ وقت آچکا ہے کہ فرض کی جماعت بھی حاصل نہیں، حتیٰ کہ نماز بھی اگر قضا ہوگئی تو کوئی انسان اس پر غم کرنے والا نظر نہیں آتا، آج کا زمانہ فتنہ کا ہے۔ فتنے سواری پر سوار ہوکر آرہے ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ پہلے سے کمزور ہوتے چلے جارہے ہیں۔

تہجد سے محرومی کی وجہ:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصروفیت اور تھکاوٹ کی وجہ سے تہجد میں اٹھا نہیں جاتا، ٹھیک ہے یہ ان کی سوچ ہے مگر کسی کی سوچ یہ بھی تو ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرا چہرہ دیکھنا ہی پسند نہیں کرتے۔

تہجد کے وقت فرشتوں کی تین جماعتیں:

جب رات کا آخری پہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی تین جماعتیں بنادیتے ہیں۔

(۱) تھپکیاں دے کر سلانے والے فرشتے:

ایک جماعت کو حکم دیتے ہیں کہ دیکھو! یہ میرے مقربین کے جاگنے اور میرے چاہنے والوں کے لیے مجھ سے راز و نیاز کرنے کا وقت ہے، تم دنیا میں جاؤ فلاں فلاں میرے نافرمان بندے ہیں، انہوں نے مجھے ناراض کیا ہوا ہے، تم ان کے سرہانے جاکر

کھڑے ہو جاؤ اور تھپکیاں دے دے کر اُن کو سلا دو، تا کہ یہ سوئے رہیں اور ان کی آنکھ نہ کھلے۔ میں چاہتا ہی نہیں کہ یہ اس موقعہ پر میرے سامنے کھڑے ہوں۔ فرشتے آتے ہیں اور ان لوگوں کو تھپکیاں دے کر میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔

چناں چہ آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد گپیں مارنا شروع کر دیتے ہیں، گپیں مارتے مارتے جب تہجد اور قبولیت کا وقت شروع ہوتا ہے تو سوئے پڑے ہوئے، بل کہ موئے پڑے ہوتے ہیں۔ شادی بیاہ پر اس کی اکثر مثالیں آپ دیکھتے ہیں کہ عشاء کے بعد خوب گہما گہمی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جی ہم ساری رات جاگتے رہیں گے لیکن رات کے آخری پہر میں ان ہی لوگوں کو دیکھیں سوئے موئے پڑے ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ مقربین کے اٹھنے کا وقت ہے اللہ تعالیٰ ایسے وقت میں جاگنے نہیں دیتے ہم سوچتے ہیں کہ ہم نہیں جاگتے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اوپر سے توفیق ہی نہیں ہوتی بہانہ تھکاوٹ اور کاموں کا بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت میں ان کا جاگنا بھی پسند نہیں کرتے، کیوں کہ یہ ایسی برکت کا وقت ہوتا ہے کہ ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ جو عورتیں رات کے آخری پہر میں اٹھ کر اپنے گھر میں جھاڑو دیتی یا لسی بناتی ہیں جیسا کہ دستور رہے ہمارے علاقوں کا، اس وقت کوئی کام کرنے والی عورت بھی اللہ کی رحمت سے محروم نہیں رہتی، جب رحمت کا یہ حال ہے تو ایسے وقت میں جو بھی جاگے وہ حصہ پائے گا، اسی لیے جاگنے ہی نہیں دیتے حکم ہوتا ہے کہ سلا دو، ان کو تا کہ فہرست میں نام ہی نہ آئے ہم ان کو کچھ نہیں دینا چاہتے۔

(۲) پر مار کر جگانے والے فرشتے:

پھر فرشتوں کی ایک دوسری جماعت کو حکم ہوتا ہے کہ جاؤ فلاں فلاں بندے

میرے پسندیدہ بندے ہیں، جاؤ اور ان کو پر مار کر جگاؤ تا کہ وہ میرے سامنے کھڑے ہو کر عبادت کریں، مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کریں وہ مجھ سے مانگیں گے اور میں ان کی جھولیاں بھر دوں گا۔ چناں چہ کئی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے، کہ تھکے ہوئے ہوتے ہیں، تہجد کے وقت میں ایسے اچانک آنکھ کھل جاتی ہے کہ جیسے کسی نے اٹھا دیا ہو۔ ان کی گھڑی فٹ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ آج ہم میں سے ہر ایک کی پیٹ کی گھڑی ہے، کہتے ہیں کہ یہ پیٹ کی گھڑی ہمیشہ ٹھیک وقت پر الارم بجا دیتی ہے اور ہر بندے کو پتہ چل جاتا ہے کہ بھوک لگی ہوئی ہے۔ تو جیسے ہمارے پیٹ کی گھڑی ٹھیک کام کرتی ہے اللہ والوں کے دل کی گھڑی ٹھیک کام کر رہی ہوتی ہے۔ وہ تہجد کے وقت الارم بجا دیتی ہے کتنا تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں آخری پہر میں ان کی آنکھ کھل ہی جاتی ہے اور وہ اپنے رب کے آگے کھڑے ہو کر اپنے رب کو مناتے ہیں۔

تین گھنٹوں کی نیند منٹ میں:

ہمارے حضرت مرشد عالم فرمانے لگے: کہ ایک دفعہ میں بہت تھکا ہوا تھا، کئی دن سے مسلسل کام کر رہا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، تھکاوٹ اتنی غالب تھی کہ میں عاجز آ گیا اور میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ بس آپ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ وہ کہنے لگے کہ حضرت! نماز میں بس دس پندرہ منٹ باقی ہیں، آپ بعد میں سو جانا۔ میں نے کہا کہ بس آپ جائیں۔ میں نے ان سب کو کمرے سے باہر نکال دیا، فرماتے ہیں کہ میں نے کنڈی لگا دی اور آ کر بستر پر سو گیا، میں سوتا رہا سوتا رہا کہ حتیٰ کہ میری نیند پوری ہو گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ ہم ہی سلاتے اور ہم ہی جگاتے ہیں اس بات کو سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ فرماتے ہیں کہ میری

طبیعت تازہ دم تھی میں نے کہا اچھا اٹھ کر وضو کرتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں جب میں اٹھا اور کنڈی کھولی تو دیکھا کہ جن لوگوں کو باہر نکالا تھا وہ دروازے پر ہی کھڑے تھے، دروازہ کھولا باہر نکلا تو وہ کہنے لگے کہ حضرت آپ نے سونے کا ارادہ ترک کر دیا میں نے کہا کہ نہیں میری تو نیند پوری ہو گئی اس پر انہوں نے گھڑی دیکھی اور کہنے لگے کہ ابھی ہمیں کمرے سے نکلے صرف تین منٹ ہی گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو تین منٹ میں اتنا سکون دے دیتا ہے کہ گویا ان کو تین گھنٹے کی نیند نصیب ہو گئی اور ہم ساری رات بھی سو کر تازہ دم نہیں ہوتے۔

تہجد پڑھنے کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی (یعنی سر کے آخر میں) گرہیں لگاتا ہے، ہر گرہ پر یہ کہہ کر دم کرتا ہے کہ رات لمبی ہے سو جا، پس اگر وہ (رات کے کسی حصہ میں جاگ گیا اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر اس نے وضو کیا تو (دوسری) گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر اس نے نماز پڑھ لی تو (تیسری) گرہ کھل جاتی ہے پس وہ ہشاش بشاش ہو کر صبح کرتا ہے اگر ایسا نہ ہوا (بل کہ وہ سوتا رہا نہ رات کو اٹھ کر اللہ کا ذکر کیا، نہ وضو کیا، اور نہ نماز پڑھی) تو صبح کو بہت خراب حالت میں اٹھتا ہے سستی لیے ہوئے۔ (بخاری ومسلم)

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رحم الله رجلاً قام من الليل فصلّٰى و ايقظ امرأته فان ابت نضح فی وجهها الماء، رحم الله امرأة قامت من الليل فصلت وايقظت زوجها

فان ابی نضحت فی وجهه الماء'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس مرد پر جو رات کو کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو جگائے پس اگر وہ انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے، اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس عورت پر جو رات کو کھڑی ہو کر نماز پڑھے، اور اپنے خاوند کو جگائے پس اگر وہ انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکے۔

(ابوداؤد وابن ماجہ)

(ف) مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی دونوں کو تہجد کی عادت ڈالنی چاہیے، جو پہلے اٹھے دوسرے کو جگا دے اس سلسلہ میں آپس میں ایسی بے تکلفی ہونی چاہیے کہ اگر پانی ڈالیں تو برا نہ لگے جگانے کو خیر خواہی سمجھیں اور دونوں آپس میں خوش ہوں۔

راتوں کو زندہ کیجیے:

تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والوں کا محبوب مشغلہ راتوں میں اٹھ کر باری تعالیٰ سے راز و نیاز اور اس کی عبادت و اطاعت میں سر بسجود رہ کر وقت گزارتا رہا ہے، اس لیے رات کی عبادت میں اخلاص بدرجہ اتم ہوتا ہے، یہ وقت رحمت الٰہیہ کے نزول اور قبولیت دعا کا مانا جاتا ہے، انسان کے لیے رات کی نیند اور آرام کو چھوڑ کر نماز میں لگنا بڑا شاق ہوتا ہے لیکن کمال یہی ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اللہ کے نزدیک سب سے افضل اور پسندیدہ عمل وہ ہے جو نفس کی مرضی کے خلاف ہو گیا ہو۔ (رہبان اللیل: ۶۸۲)

شب بیداری اور تہجد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے لیے روز قیامت اللہ رب العزت وذوالجلال کے روبرو پیشی آسان ہو جائے گی اور عالم آخرت میں سرخروئی وکامیابی اس کا مقدر بنے گی یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ساری عمر تہجد پر مواظبت

فرمائی اور آپ کے جان نثار صحابہ بھی اس کو مضبوطی سے تھامے رہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شب بیداری:

علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو ان کی بیوی نے فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو اپنی راتوں کو نماز میں، قرآن کریم کی تلاوت سے زندہ و آباد کیا کرتا تھا۔ (الزہد لابن حنبل: ۱۲۷)

حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے کہ وہ پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (شعب الایمان: ۲۵۳)

حضرت زبیر بن عبداللہ کی دادی فرماتی ہیں: کہ حضرت عثمانؓ دن میں روزہ رکھتے تھے اور راتوں میں عبادت کرتے تھے۔ (الزہد: ۱۲۹)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: کہ متعدد طرق سے یہ بات مروی ہے کہ حج کے زمانہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حجر اسود سے قریب ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔ (تفسیر سورۂ زمر: آیت ۹)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شب بیداری:

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضرار ابن زمرہ کنانی سے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے اوصاف معلوم کیے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؓ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے وحشت کرتے، موت اور اس کی تاریکیوں سے مانوس ہوتے تھے، میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں میں نے بعض اندھیری راتوں میں محراب میں کھڑے ہو کر حالت نماز میں نہایت غمزدہ شخص کی طرح روتے ہوئے دیکھا ہے۔

(بحوالہ رہبان اللیل: ۳۱۳ ماخوذ: ماہنامہ ندائے شاہی، نومبر ۲۰۰۸ء، محمد عفان منصور پوری)

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ ... إِلٰى ... إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً﴾ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت: ۷۸ تا ۸۱)

ترجمہ: (اے پیغمبر) سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو، یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے، امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہونچائے گا اور یہ دعا کرو کہ: اے رب! مجھے جہاں داخل فرما اچھائی کے ساتھ داخل فرما، اور جہاں سے نکال اچھائی کے ساتھ نکال، اور مجھے خاص اپنے پاس سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ (تیری) مدد ہو، اور کہو کہ: حق آن پہونچا اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔

تشریح: ماقبل آیات میں کفار مکہ کی شرارتوں اور ان کی خباثتوں کا تذکرہ ہے جو اپنی فتنہ انگیزی کے ذریعہ دین مصطفوی کا چراغ گل کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے، اس مخالف ماحول میں کام کرنے کے لیے اور اسلام دشمنی کی صبر آزما گھڑیوں میں پیغمبرِ خدا کو سامان تسلی کے لیے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا جا رہا ہے، کہ نماز سارے مصائب اور ساری مشکلوں کا حل ہے، نماز سکون قلب کا ذریعہ ہے، یہی وہ قرآنی آیت ہے جس سے علمائے مفسرین پنج وقتہ نماز ثابت کرتے ہیں۔

﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ قرآن دنیا کی عام کتابوں کی طرح

نہیں، بل کہ قرآن سراپا نور ہے، وہ اپنے لیے نورانی ماحول کو پسند کرتا ہے، ویسے تو عام حالات میں بھی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، لیکن صبح وشام فرشتوں کی آمد ورفت کا تذکرہ احادیث میں واضح طور پر آیا ہے، اس مبارک وقت میں یعنی نمازِ فجر میں قرآن پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے اور عام نمازوں کے بالمقابل نماز فجر میں طویل قراءت کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ فجر کا وقت وہ مبارک وقت ہے جس میں خدا کی نورانی مخلوق کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔

نَـافِلَةً لَّکَ : آہِ سحر گاہی اور نالۂ نیم شبی کا عطیہ مؤمنانہ زندگی کا سہاگ ہے، اگر یہ اجڑ جائے تو ایمانی زندگی کی کیفیت وحلاوت کماحقہٗ باقی نہیں رہتی، اسی لیے نماز تہجد ہمیشہ سے اولیائے کرام اور مشائخِ عظام کا معمول رہا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد کا بطور خاص حکم دیا جارہا ہے، اس صریح حکم کی وجہ سے علمائے کرام کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ نماز تہجد آپ پر فرض تھی یا بطور نفل کے آپ کو حکم دیا جارہا ہے۔

تہجد کی نماز فرض تھی، اس کا ثبوت سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات سے بھی ہوتا ہے، لیکن شب معراج میں جب پنج وقتہ نماز فرض ہوئی تو اس کی فرضیت ساقط ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی فرضیت بعض مفسرین کے بقول اخیر دم تک باقی رہی اور امام قرطبی اور صاحب تفسیر مظہری وغیرہ کے نزدیک تمام امت سے اس کی فرضیت ساقط ہوگئی، لیکن ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ جب یہ نماز نفل ہے اور اس کا حکم عام امت کے لیے تو صحیح ہے کیوں کہ نفلی عبادات گناہوں کے کفارہ کا سبب ہوتی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم اور بے گناہ تھے تو آپ کو بطور نفل حکم دینے کا کیا مطلب؟ تو اِس کا آسان جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع درجات کا سبب تھی۔

﴿عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ مقام محمود کے دو معنی ہیں:

(۱) قیامت کے دن اللہ رب العزت کرسی رکھوانے کا حکم دیں گے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے۔ (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعتِ کبریٰ حاصل ہوگی، جب میدان حشر میں تمام لوگ جمع ہوں گے اور اپنے اعمال کے بقدر پسینہ میں غرق ہوں گے تو حاضرین حساب شروع کروانے کے لیے تمام نبیوں کے پاس جائیں گے تمام انبیاء انکار کر دیں گے۔

اخیر میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے اور دربار خداوندی سے یہ حکم صادر ہوگا "إرفع رأسک سل تعط" اپنے سر کو اٹھایئے اور جو مانگنا ہے مانگئے، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دربار خداوندی میں سفارش کریں گے کہ امت پریشان ہے حساب کی کارروائی شروع کی جائے، آپ کی فرمائش پر حساب کی کارروائی شروع ہو جائے گی، یہی وہ شفاعتِ کبریٰ ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز کیا جائے گا۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ بقولِ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کا وقتِ نزول قبل ہجرت ہے، جب کفار مکہ کی عداوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی مخالفت طشت از بام ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی ﴿رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ﴾ جو قبول ہوئی، آیت میں ﴿مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ کا مطلب مدینہ اور ﴿مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ سے مراد مکہ ہے۔

چناں چہ دعا ہی کا اثر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاروں طرف سے فتنوں میں گھرے ہوئے تھے، پورا مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے تھا، ان پُرخطر حالات

میں غیبی انتظامات کے ساتھ سفرِ ہجرت شروع ہوا، اور بغیر کسی تکلیف اور کلفت کے کفاروں کے نرغے سے نکل گئے۔

﴿ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ روزِ اول ہی سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی اور کشمکش جاری ہے ہر دور میں بولہبی شراریں چراغِ مصطفوی کو بجھانے کی ناکام کوششیں کرتے رہے ہیں، لیکن خدائی فیصلہ ہے کہ انجام کار فتح و نصرت، عزت و سرخروئی حق اور اہل حق ہی کو حاصل ہوگی، ایک مسلمان چاہے وہ کتنے ہی سنگین مسائل سے دوچار ہو، اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ دعوتِ حق کے خلاف باغیانہ کارروائیاں ایک نہ ایک دن تار عنکبوت ثابت ہوں گی۔

اس آیت کا یہی پیغام ہے اور اس حقیقت کا اس سے بڑا کیا اعتراف ہوگا، کہ اس کا شان نزول فتح مکہ ہے، جس وقت خدا کے مقدس گھر میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) معبودان باطل براجمان اور تشریف فرما تھے، آپ اپنے نیزہ سے ان بتوں کو مسمار کر رہے تھے اور زبان رسالت سے خدائی فرمان ﴿ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ جو تا قیامت آنے والے ابلیسی علم برداروں کے لیے تازیانہ تھا۔

(از ندائے حرم، احمد آباد۔ احمد حسین پٹنی)

اکابر کی نمازیں

کہتے ہیں کہ ان حضرات میں سے جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی، تین دن تک اس کا رنج کرتے اور جس کی جماعت جاتی رہتی سات دن تک اس کا افسوس کرتے تھے۔

حضرت زین العابدینؒ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے۔ تہجد کا کبھی سفر یا حضر میں ناغہ نہیں ہوا۔ جب وضو کرتے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر لرزہ ہو جاتا۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی یہ نماز میں مشغول رہے، لوگوں نے عرض کیا تو فرمایا کہ دنیا کی آگ سے آخرت کی آگ نے غافل کر رکھا تھا۔

ایک شخص نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ذوالنورین مصریؒ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو لفظ اللہ کے وقت ان پر جلالِ الٰہی کا ایسا غلبہ تھا گویا ان کے بدن میں روح نہیں رہی بالکل مبہوت سے ہو گیے اور جب اللہ اکبر زبان سے کہا تو میرا دل اُن کی تکبیر کی ہیبت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

حضرت اویس قرنیؒ مشہور بزرگ اور افضل ترین تابعی ہیں، بعض مرتبہ رکوع کرتے اور تمام رات اسی حالت میں گزار دیتے، کبھی سجدہ میں یہی حالت ہوتی کہ تمام رات ایک ہی سجدہ میں گذار دیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے کہ فرشتے تو عبادت کرتے کرتے نہیں تھکتے اور ہم اشرف المخلوقات ہو کر تھک جائیں اور آرام کی نیند سو جائیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ ایک دن خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے جب آپ

سجدے میں گیے تو کسی دشمن نے آ کر وار کر کے آپ کے پاؤں کی دو انگلیاں کاٹ ڈالیں لیکن آپ کو خبر نہ ہوئی۔ جب سلام پھیرا تو نماز کی جگہ خون پڑا ہوا دیکھا اور پھر پاؤں میں تکلیف محسوس ہوئی تب معلوم ہوا کہ کسی شخص نے میری انگلیاں کاٹ ڈالی ہیں۔

عصامؒ نے حضرت حاتمؒ زاہد بلخی سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے اوّلاً نہایت اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں پھر اس جگہ پہنچتا ہوں جہاں نماز پڑھنی ہوتی ہے اور پہلے نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے منہ کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پل صراط پر ہے، داہنی طرف جنت اور بائیں طرف دوزخ ہے۔ موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے پھر کوئی اور نماز شاید میسر ہو اور میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ اکبر کہتا ہوں پھر معنی کو سوچ کر پڑھتا ہوں، تواضع کے ساتھ رکوع اور عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور اطمینان سے نماز پوری کرتا ہوں۔ اسی طرح اللہ کی رحمت سے اس کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ اور اپنے اعمال سے مردود ہو جانے کا خوف کرتا ہوں۔ عصامؒ نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں؟ حاتمؒ نے کہا تیس برس سے۔ عصامؒ رونے لگے مجھے ایک بھی ایسی نماز نصیب نہ ہوئی۔

کہتے ہیں کہ حاتمؒ کی ایک مرتبہ جماعت فوت ہوگئی جس کا بے حد اثر تھا ایک دو ملنے والوں نے تعزیت کی۔ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اگر میرا ایک بیٹا مر جاتا تو آدھا بلخ تعزیت کرتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ تعزیت کرتے، جماعت کے فوت ہونے پر ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نگاہ میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ بیس برس کے عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور مسجد میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔

محمد بن واسعؒ کہتے ہیں: کہ مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں چاہئیں۔ ایک ایسا دوست جو مجھے میری لغزشوں پر متنبہ کرتا رہے۔ ایک بقدر زندگی روزی جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ ایک جماعت کی نماز ایسی کہ اس میں کوتاہی ہو جائے تو وہ معاف ہو اور ثواب جو ہو مجھے مل جائے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی، نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اِس وقت مجھ پر ایک حملہ کیا۔ میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں (اس لیے کہ افضل کو امام بنایا جاتا تھا) آئندہ کبھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ میمونؒ بن مہران ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گیے تو جماعت ہو چکی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ نماز کی فضیلت مجھے عراق کی سلطنت سے بھی زیادہ محبوب تھی۔

مکبّر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے مالک اور مولا سے بلا واسطہ بات کرنا چاہے تو جب چاہے کر سکتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور نماز کی نیت باندھ لے۔

سعید تنوخیؒ جب تک نماز پڑھتے رہتے مسلسل آنسوؤں کی لڑی رخساروں پر جاری رہتی۔ مسلم بن یسارؒ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے کہہ دیتے کہ تم باتیں کرتے رہو مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا اور واقعی بچے جتنا بھی شور وغل مچاتے آپ کو نماز میں اتنی محویت اور استغراق ہوتا کہ کچھ پتہ نہ چلتا۔

ایک دفعہ اپنے گھر کے کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے اس کمرے کے

کسی کونے میں آگ لگ گئی۔آپ برابر نماز میں مشغول رہے۔سلام پھیرنے کے بعد گھر والوں نے عرض کیا حضرت تمام محلّہ والے آگ بجھانے کے لیے جمع ہو گیے لیکن آپ نے نماز نہ چھوڑی حالاں کہ اس موقع پر شرعاً اجازت تھی کہ آپ نماز توڑ دیتے۔آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے آگ لگنے کا پتہ چل جاتا تو میں نیت توڑ دیتا لیکن مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔

ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں مجھ پر اس کا فکر سوار ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کیا کیا سوال و جواب ہوگا۔

عامر بن عبداللہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کی تو کیا خبر ہوتی ڈھول کی آواز کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کسی چیز کی خبر بھی ہوتی ہے؟ فرمایا مجھے اس کی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا اور دونوں گھروں جنت یا دوزخ میں سے ایک میں جانا ہوگا۔

انہوں نے عرض کیا، یہ نہیں پوچھتا ہماری باتوں میں سے بھی کسی کی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ مجھے نیزوں کی بھالیں گھس جائیں یہ زیادہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا پتہ چلے۔ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر آخرت کا منظر اس وقت میرے سامنے ہو جائے تو میرے یقین اور ایمان میں اضافہ نہ ہوگا (کہ غیب پر ایمان اتنا ہی پختہ ہے جتنا مشاہدہ پر ہوتا ہے)۔

حضرت محمد نصر مشہور محدث ہیں اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے ایک مرتبہ پیشانی پر ایک بھڑ نے نماز میں کاٹا جس کی وجہ سے خون بھی نکل آیا مگر نہ حرکت ہوئی اور نہ خشوع وخضوع میں کوئی فرق آیا۔کہتے ہیں کہ نماز میں لکڑی کی طرح سے بے حرکت کھڑے رہتے تھے۔

نماز کا خشوع وخضوع:

آدمی کے لیے جس طرح اعتقادات درست کرنے سے چارہ نہیں ہے اسی طرح اعمال صالحہ کے بجالانے سے بھی چارہ نہیں ہے اور عبادتوں میں سب سے جامع عبادت اور طاعتوں میں سب سے زیادہ قرب والی طاعت نماز کا ادا کرنا ہے حضور انور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا'' **الصلوٰۃ عما دالدین فمن اقامھا فقد اقام الدین و من ترکھا فقد ھدم الدین**'' یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو گرادیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عنایت فرماتے ہیں اس کو برائیوں اور خلافِ شرع کاموں سے بھی باز رکھتے ہیں۔ قرآن کا فرمان ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ﴾ بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

یہ آیت اس بات کی تائید کرتی ہے اور جو نماز ایسی نہیں ہے وہ نماز کی صرف صورت ہے (نماز کی) حقیقت نہیں ہے۔ لیکن حقیقتِ نماز کے حاصل ہونے تک صورت کو بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

عربی کا مقولہ ہے کہ ''**ما لا یدرک کلہ لا یترک کل**''، جو چیز پوری حاصل نہ ہوسکے اس کو بالکل ترک بھی نہیں کرنا چاہیے یعنی جس قدر مل سکے حاصل کرلے۔ اکرم الاکرمین (حق سبحانہٗ تعالیٰ) اگر نماز کی صورت کو نماز کی حقیقت کے درجہ میں اعتبار کرلے تو کچھ بعید نہیں ہے پس آپ پر واجب ہے کہ تمام (فرض) نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ جماعت سے ادا کریں کیوں کہ یہی نجات وکامیابی کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ (المؤمنون آیت:۱،۲)

بے شک ان ایمان والے لوگوں نے کامیابی حاصل کی جو اپنی نماز میں خشوع وعاجزی کرنے والے ہیں۔ (مکتوبات مجددیہ دفتر اول حصہ اول: مکتوب نمبر ۸۵/ص ۲۵۱)

اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے! واضح ہو کہ نماز کو کامل طور پر ادا کرنے اور اس میں کمال حاصل ہونے سے مراد فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے فرائض وواجبات اور سنن و مستحبات جن کا بیان کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے۔ (سب کو احتیاط سے ادا کرنا چاہیے) ان چاروں امور کے علاوہ اور کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کے کامل کرنے میں دخل ہو، نماز کا خشوع وخضوع بھی ان ہی (چاروں) سے وابستہ ہے، بعض لوگ ان امور کے جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل کرنے میں سستی وکاہلی کرتے ہیں اس لیے لازمی طور پر نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں۔

اور بعض لوگ حق سبحانہ کے ساتھ حضور قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمال ادبیہ جوارح (یعنی ظاہر اعضاء سے تعلق رکھنے والے مستحبات) کی طرف کم توجہ کرتے ہیں، صرف فرائض اور سنتوں پر کفایت کرتے ہیں، یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اور کمال نماز کو غیر نماز سے ڈھونڈتے ہیں کیوں کہ حضور قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے۔

اور یہ جو حدیث میں آیا ہے "لَا صَلٰوۃَ إِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ" نماز حضور قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ اس میں حضور قلب سے مراد یہ ہے کہ ان امور اربعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے تاکہ ان امور میں سے کسی امر کے بجالانے میں کچھ فتور واقع نہ ہو۔ اس حضور قلب کے علاوہ اور کوئی حضور فی الحال اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔

ہماری نمازیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرہ کے شروع میں اہل تقویٰ کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے ﴿اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ﴾ ”کہ وہ لوگ نمازوں کو قائم کرتے ہیں“۔ ”اقامت صلوٰۃ“ کے معنی صرف نماز پڑھنے ہی کے نہیں، بل کہ اسے اس کے تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کا نام ”اقامت“ ہے۔

(روح المعانی: ۱/۱۵۶)

دوسری جگہ اللہ رب العزت نے جن اہل ایمان کے لیے ابدی کامیابی کا اعلان کیا ہے، ان کی ایک اہم صفت یہ بھی ہے ذکر کی ہے کہ وہ لوگ اپنی نمازوں کے اندر خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد پاک ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ ”تحقیق کہ اہل ایمان کامیاب ہوگیے، جو اپنی نمازوں کے اندر خشوع وخضوع اختیار کرنے والے ہیں“۔

خشوع کا لفظی معنی ہے سکون، مراد یہ ہے کہ دل میں بھی سکون ہو (یعنی غیر اللہ کے خیال سے اپنے دل کو پاک رکھے اور اس طرف اپنے ارادہ اور قصد سے توجہ نہ دے) اور بدن کے ظاہری اعضاء بھی پر سکون ہوں کہ بے فائدہ اور فضول حرکتیں نہ کرے۔

(بیان القرآن: ۲/۵۳۳)

علماء فرماتے ہیں کہ سنن و مستحبات کی رعایت اور مکروہات و ممنوعات سے اجتناب بھی خشوع میں داخل ہے۔ (کشاف)

نماز کے اندر خشوع فرض ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ خاتمۃ المحققین علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نماز کے اندر خشوع فرض تو نہیں، کہ اس کے بغیر نماز ہی نہ۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ نماز کی قبولیت کے لیے شرط ہے کہ اس کے بغیر نماز کو قبولیت کا شرف حاصل نہیں ہوتا''۔ (روح المعانی: ۱۸/۱۸۱)

آج ہماری نمازوں کا کیا حال ہے؟ اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ ہماری غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نماز میں بہت سی ایسی غلطیاں کرجاتے ہیں کہ بعض مرتبہ تو اُن غلطیوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ فاسد تو نہیں ہوتی، تاہم قبولیت کے درجے سے نکل کر ناقص ہونے کی وجہ سے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے۔ وضو بھی اچھی طرح کرے۔ خشوع و خضوع سے بھی پڑھے۔ کھڑا بھی پورے وقار سے ہو۔ پھر اسی طرح رکوع وسجدہ بھی اچھی طرح کرے تو وہ نماز نہایت روشن اور چمک دار بن کر جاتی ہے، اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی۔

اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے وقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، خشوع میں بھی کمی ہو، رکوع سجدہ بھی اطمینان سے اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز اچھی صورت سے سیاہ رنگ میں تبدیل ہوکر بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کردے جیسا کہ تو نے مجھے ضائع کردیا، اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے''۔ (طبرانی)

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جو اچھے طریقے سے وضو کر کے نماز کو بہتر طور پر، اس کے سنن و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا فرماتے ہیں کہ اللہ کی اہم ترین عبادت اس کے لیے دعا کرتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں اس کی سفارشی بنتی ہے!

لیکن ایسے بانصیب لوگ آٹے میں نمک کے برابر ملیں گے عام طور پر ہماری نمازیں خشوع سے یکسر خالی ہوتی ہیں، ایک رسمی کارروائی بن چکی ہے بچپن سے نماز کو رَٹ لیتے ہیں، پھر اس کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کا بھی علم ہو جاتا ہے لیکن عملی طور پر ان کی ادائیگی کی زحمت نہیں کرتے اور یوں ہی تہی دامن رہ کر اپنی نمازوں کو دریا برد کرتے رہتے ہیں۔

جب آدمی اپنا وقت خرچ کرے، کاروبار چھوڑے، مشقت برداشت کرے، تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ وزنی اور قیمتی بنائے، نہ کہ اسے ثواب کے بجائے وبال کا سامنا کرنا پڑے۔

ہمارا فرض بنتا ہے کہ جیسے ہم نے نماز کے الفاظ زبانی یاد کیے اور سیکھے ہیں تو اسی طرح سے نماز کے صحیح اور مسنون طریقے کو بھی کسی عالم اور معتبر مفتی سے عملی طور پر سیکھیں بل کہ دینی اداروں میں وضو و نماز کے مسائل سے متعلق باقاعدہ علمی مشق کا اہتمام ہونا چاہیے، تاکہ نماز جیسی اہم عبادت صحیح طور پر ادا ہو۔

ورنہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم تو بزعم خویش اپنی نمازوں کو درست سمجھتے ہیں اور اسی میں عمر کا ایک طویل حصہ گذار لیتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ نمازیں بے جان اور روح سے خالی ہوتی ہیں اور ثواب کے بجائے عقاب کا سبب بنتی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکاتیب میں نماز کے اہتمام پر بہت

زور دیا ہے اور معمولی معمولی آداب کی رعایت کو بھی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ بھی حکمت سے خالی نہیں، مثلاً سجدہ میں انگلیاں ملانا اور رکوع میں علیحدہ رکھنا وغیرہ۔

نامکمل رکوع اور سجدہ والی نماز قبول نہیں ہوتی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے مگر اس کی ایک بھی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔ پوچھا گیا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کیوں کہ نہ وہ اپنا رکوع پورا کرتا ہے اور نہ وہ سجود نہ قیام پورا کرتا ہے، نا اس کی نماز میں خشوع ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص اسلام میں بوڑھا ہو گیا اور ایک رکعت بھی اس نے اللہ کے لیے مکمل نہیں پڑھی پوچھا گیا یا امیر المومنین فرمایا اس نے نہ اپنا رکوع پورا کیا اور نہ سجود۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ لوگ نماز تو پڑھیں گے مگر ان کی نماز نہیں ہوگی اور مجھے ڈر ہے کہ وہ زمانہ یہی زمانہ ہے۔ امام اگر آج کا زمانہ دیکھتے تو کیا کہتے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ایک شخص سجدہ کرتا ہے اس خیال سے کہ اللہ کا تقرب حاصل کرے گا اس اللہ کی قسم! اگر اس کے سجدہ کے گناہ تقسیم کیے جائیں تو سارا بدن ہلاک کر دیا جائے۔ پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا وہ اپنا سر اپنے اللہ کے سامنے جھکاتا ہے مگر اپنے نفس، گناہوں، اپنی شہوات اور دنیا کی محبت میں مصروف ہوتا ہے تو یہ کیسا سجدہ ہے؟

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے تو کیا آپ نے ایسی نماز پڑھی جو آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک بنی ہو، کیا آپ اللہ کے گھر کی طرف تیزی سے پلٹے صرف دو رکعت کی ادائیگی کی نیت سے؟

کیا کبھی نماز کی محبت نے آپ کو بے چین کیا؟ کیا کبھی آپ نماز کے لیے ترسے؟ کیا کبھی آپ نے رات کا بے چینی سے انتظار کیا؟ تاکہ آپ اپنے رب کے ساتھ اکیلے میں ملاقات کریں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت قریب نہ آیا کہ اللہ کی یاد سے ان کے دل نرم ہو جائیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے اسلام لانے کے چار سال بعد یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اس آیت میں اللہ سبحانہ نے ہماری شکایت کی ہے۔ ہم سب بہت روئے اپنے قلب کے خشوع پر، پھر ہم گھروں سے نکلتے تو ایک دوسرے کو عتاب کرتے اور کہتے کیا تم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟؟

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد سے ان کے دل نرم ہو جائیں؟؟؟ تو لوگ گر جاتے اور رونے لگتے اللہ کے اس عتاب پر، تو کیا کبھی آپ نے یہ محسوس کیا اس آیت سے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے شکوہ کر رہا ہے؟

لہٰذا اپنی نمازوں کو ضائع ہونے سے بچا کر نمازوں میں خشوع پیدا کیجیے۔

(مفتی عطاء الرحمٰن پاکستان)

نماز میں دل لگانے کا طریقہ

''تحقیق کہ ایمان والے کامیاب ہوگیے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں''۔

خشوع کا اصلی معنی ہے''دل کا جھکاؤ''۔ جب مؤمن بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا پورا دھیان نماز کی طرف ہونا چاہیے، ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

نماز اللہ کے دربار عالی میں حاضری ہے اس لیے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، سُترہ رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دل جمعی قائم رہے، اِدھر اُدھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے کھانا اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیوں کہ یہ تمام چیزیں توجہ ہٹاتی ہیں۔ان کی وجہ سے خشوع حاصل نہیں ہوتا۔

خشوع کیسے حاصل ہو؟

اس کے لیے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے مختلف طریقے بیان فرمائے ہیں:

پہلا طریقہ:

جب کوئی نماز شروع کرے تو یہ خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں، قیامت کا میدان ہے، حساب وکتاب ہو رہا ہے، جنت ودوزخ سامنے ہیں، بس اس خیال سے خوب دل لگے گا۔

دوسرا طریقہ:

یہ ہے کہ ہر لفظ کو ارادہ کر کے پڑھے، جو لفظ منہ سے نکالے پہلے سوچ لے کہ اب یہ لفظ نکال رہا ہوں۔

تیسرا طریقہ:

یہ ہے کہ جو کچھ نماز میں پڑھیں، اس کا ترجمہ یاد کرلیں، اور ہر لفظ کو پڑھتے وقت اس کا مفہوم اور معنی کی طرف دھیان اور خیال جمائیں، اس طرح کہ بندہ کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے مالک اور رب سے کیا عرض کر رہا ہوں؟ اس طرح خوب لطف آتا ہے اور جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اسے حق تعالیٰ کا قرب خاص مل جاتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے کی حالت میں ہو۔'' (مسلم)

سبحان اللہ! کیا ہی مبارک ہے وہ سر، جو اپنے مالک حقیقی کے قدموں میں پڑا ہوا ہے، اس کا لطف تو عاشقوں سے پوچھنا چاہیے، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے فرمایا تھا ''اشرف علی! جب سجدہ میں سر رکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیار کرلیا۔'' سجدہ میں خاص قرب اللہ والوں کو عطا ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

پردے اٹھے ہوئے بھی ہیں ان کی ادھر نظر بھی ہے
بڑھ کے مقدر آزما، سر بھی ہے سنگ در بھی ہے

چوتھا طریقہ:

یہ ہے کہ ہر رکن میں یہ سوچے کہ اب مجھے اسی رکن میں رہنا ہے، مثلاً قیام میں سوچے کہ اب مجھے قیام ہی میں رہنا ہے، رکوع میں سوچے کہ اب رکوع ہی میں رہنا ہے اور سجدے میں سوچے کہ اب مجھے سجدہ ہی میں رہنا ہے۔

(اصلاح الاخلاق: ص۱۷۱۶۔ بشیر احمد بھاٹیہ)

طلبہ اور نماز کی حاضری

فرشتے نماز میں حاضری لیتے ہیں:

حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ فرماتے ہیں:

مدرسہ کا معمول ہے کہ بعد فجر وظہر طلبہ کی حاضری لی جاتی ہے، جو طالب علم غیر حاضر ہوتا ہے اس کو تنبیہ کی جاتی اور سزا دی جاتی ہے بعض مرتبہ طلبہ ایسا بھی کر لیتے ہیں کہ نماز تو پڑھی نہیں اور عین وقت پر آ کر حاضری دے دی۔ حضرت اقدس نے فجر بعد طلباء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

نمازوں کے بعد حاضری ہوتی ہے مجھے طبعاً بہت ناگوار ہے۔ لیکن کیا کروں مجبوراً لینی پڑتی ہے۔ اگر تم لوگ پابندی شروع کر دو، کیوں حاضری لی جائے۔ اب تو اخیر سال ہے اب اچھا عمل کر کے دکھلا دو میں حاضری بند کیے دیتا ہوں، اب دیکھتا ہوں کہ تم نماز کی پابندی کرتے ہو یا نہیں؟ اور صرف مدرسہ والے حاضری نہیں لیتے اصل تو حاضری فرشتے لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ فرشتے ہر نماز کے وقت آتے اور نماز پڑھنے والوں کا نام لکھتے ہیں۔ بعض فرشتے ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہاری ہر اچھی اور بری حرکت لکھتے ہیں۔ تم بتلاؤ دھوکہ دے کر نماز پڑھے بغیر اگر تم نے حاضری دے بھی دی تو اس سے کیا فائدہ۔ جب فرشتوں نے تمہاری حاضری نہیں لکھی تو تم غیر حاضر ہو، اللہ کے یہاں غیر حاضر سمجھے جاؤ گے اور آخرت میں فرشتوں کی بات مانی جائے گی یا کسی اور کی۔ حضرت

نے فرمایا: میرے پاس جتنی تدبیریں تھیں میں کر چکا، کہتے کہتے تھک گیا لیکن تم اپنی حرکت سے باز نہیں آتے۔اب تک تم نے نماز کی پابندی نہیں کی۔ مدرسہ میں رہ کر نماز کی پابندی نہ ہوئی تو پھر کہاں ہوگی؟ آخر کون سا وقت آئے گا کہ تم کچھ بن کر دکھاؤ گے۔

پھر حضرت نے بڑی لجاجت سے فرمایا کہ میں تدبیریں کر چکا اب انشاء اللہ نماز کی پابندی کریں گے حضرت نے فرمایا: اگر تم اس طرح مان سکتے ہو کہ میں تمہارے جوتے اپنے سر رکھ لوں گا تم مان جاؤ گے تو میں ایسا بھی کرسکتا ہوں۔آخر کسی طرح تو مانو۔اگر اس طرح تم لوگ اپنے گھر جاؤ گے نمازیں چھوڑا کرو گے تو لوگ کیا اثر لیں گے؟

جب مال نقصان نہیں کرتے تو اعمال کا نقصان کیوں کرتے ہو؟ میں تم سے پوچھتا ہوں بتاؤ تکبیر اولیٰ چھوڑنے میں نقصان ہے یا نہیں؟ طلبہ نے عرض کیا جی۔فرمایا: تو پھر کیوں نقصان کرتے ہو۔کیا دنیا کا بھی نقصان گوارہ کرتے ہو۔

تمہارے گھروں سے پیسے آتے ہیں کیا کوئی شخص اس کو نالی میں پھینک دیتا ہے۔آگ لگا دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔تو جب مال کا نقصان تم برداشت نہیں کرتے تو اعمال کا نقصان کیوں برداشت کرتے ہو۔ مال سے تو صرف تم کو کھانے پینے کی چیزیں ملیں گی۔ جلیبی اور پکوڑے ملیں گے اور اعمال سے تو جنت ملے گی۔اور جنت ملے یا نہ ملے اصل مقصود تو اللہ کی رضا ہے۔اعمال سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگی۔

ہمارے لیے سب سے بڑی نعمت تو اللہ کی رضامندی ہے۔جب یہ ہوگی تو جنت ضرور ملے گی۔اصل ہم کو آخرت کی فکر نہیں، اس لیے لاپرواہی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

اذان سن کر مسجد نہ جانے والا عتاب کا مستحق:

فرمایا: حاکم اگر کسی کو بلائے اور وہ نہ آئے تو حاکم اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ آقا نے کسی غلام اور چپراسی کو ملازم رکھا اور آقا جب اس کو بلاتا ہے تو آرام سے بیٹھا ہے اس کے بلانے پر آتا نہیں، بتاؤ آقا اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اس کو سزا دے گا یا نہیں؟ کیوں کہ اس کو رکھا ہی اسی واسطے ہے کہ جب بلایا جائے تو فوراً حاضر ہو جائے اس میں اگر وہ کوتاہی کرے گا تو آقا اس کو سزا دے گا، نکال باہر کرے گا، اس پر نظر عنایت نہ ہوگی بل کہ نظر عتاب ہوگی۔

اسی طرح ہم کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہیں۔ ان کا منادی اعلان کرتا ہے نماز کے واسطے بلاتا ہے۔ اس کی آواز پر اگر ہم لبیک نہ کہیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے۔ ہمارا مالک ہم سے راضی ہوگا یا نہیں؟ ہم پر نظر عنایت کرے گا یا نظر عتاب؟ ایسے حال میں ہم کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے۔

طلبہ اور نماز کی پابندی:

طلبہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: حدیث میں آتا ہے: جو شخص عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کو رات بھر عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن کتنی افسوس اور تعجب کی بات ہے۔

(از افادات حضرت باندویؒ)

اپنے متعلقین کو نماز کی تاکید اور اس کی فضیلت

﴿وَ أْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ اس پر ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی، ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو اور انجام بھلا ہے پرہیز گاری کا۔

یعنی آپ اپنے اہل کو بھی نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے، یہ بظاہر دو حکم الگ الگ ہیں، ایک اہل وعیال کو نماز کی تاکید، دوسرے خود بھی اس کی پابندی لیکن غور کیا جائے تو خود اپنی نماز کی پوری پابندی کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ آپ کا ماحول، آپ کے اہل وعیال اور متعلقین نماز کے پابند ہوں کیوں کہ ماحول اس کے خلاف ہو تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

لفظ "اھل" میں بیوی، اولاد اور متعلقین سبھی داخل ہیں جن سے انسان کا ماحول اور معاشرہ بنتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے "الصلوٰۃ الصلوٰۃ"۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ جب کبھی امراء وسلاطین کے دولت وحشمت پر اُن کی نظر پڑتی تو فوراً اپنے گھر لوٹ جاتے اور گھر والوں کو نماز کے لیے دعوت دیتے اور یہ آیت پڑھ کر سناتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ جب رات کو تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کر دیتے تھے اور یہی آیت پڑھ کر سناتے تھے۔ جو آدمی نماز اور اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کا معاملہ آسان بنا دیتے ہیں۔

﴿ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ﴾ یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم اپنا اور اپنے اہل وعیال کا رزق اپنے زورِ علم وعمل سے پیدا کرو، بل کہ یہ معاملہ ہم نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے کیوں کہ رزق کی تحصیل دراصل انسان کے بس میں ہے ہی نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی تو کرسکتا ہے کہ زمین کو نرم اور قابل کاشت بنائے اور کچھ دانے اس میں ڈال دے مگر دانہ کے اندر سے درخت نکالنا اور پیدا کرنا اس میں تو اس کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے، درخت نکل آنے کے بعد بھی انسان کا سارا عمل اس کی حفاظت کرنا اور جو پھل پھول قدرت نے اس کے اندر پیدا فرمائے ہیں ان سے فائدہ اٹھانا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ یہ بارِ محنت بھی اس کے لیے آسان اور ہلکا کر دیتے ہیں۔

اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لے تو میں تیرے سینے کو غناء اور استغناء سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرا سینہ فکر اور شغل سے بھر دوں گا اور محتاجی دور نہ کروں گا (یعنی جتنا مال بڑھتا جائے گا حرص بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جائے گی اس کے لیے ہمیشہ محتاج ہی رہے گا)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنی ساری فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنا دے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی فکروں کی خود کفایت کر لیتا ہے اور جس کی فکر دنیا کے مختلف کاموں میں لگے رہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ان کی فکروں سے کسی جنگل میں ہلاک ہو جائے۔

اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کیجئے

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ﴾ (سورہ رحمٰن:۴۶)

جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کے منظر سے ڈرے، اور اس بات کا خوف رکھے کہ ایک دن مجھے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونا اور اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے، اس کے لیے دو جنتیں ہیں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور تابعی بزرگ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ اس آیت میں وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں کسی برائی کا خیال آیا کہ فلاں گناہ کرلوں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کا دھیان کرلیا اور یہ بات یاد آئی کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اس یاددہانی کے بعد اس نے گناہ کے کرنے کا ارادہ ترک کرکے اس گناہ کو چھوڑ دیا تو ایسے شخص کے لیے دو جنتوں کا وعدہ ہے۔

پھر اس کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص تنہائی میں ہے اور وہاں اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں، اگر وہاں کوئی گناہ کرنا چاہے تو بظاہر گناہ کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، اس تنہائی میں اس کے دل میں گناہ کرنے کا داعیہ اور تقاضہ پیدا ہوا، لیکن اس تنہائی میں اس نے یہ سوچا کہ اگرچہ کوئی انسان مجھے تو نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

ایک دن مجھے اس کے سامنے جا کر کھڑا ہونا ہے، اس خیال کے بعد وہ شخص اس گناہ کو ترک کردے تو یہ وہ شخص ہے جس کے لیے آیت میں دو جنتوں کا وعدہ ہے اور اسی کا

نام ''تقویٰ'' ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا دھیان کر کے اپنی خواہش نفس کے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط تقاضے کو چھوڑ دے، اور یہ سوچ کہ اگر چہ دنیا نہیں دیکھ رہی ہے لیکن کوئی دیکھنے والا یہ دیکھ رہا ہے اور ساری طریقت وشریعت کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ خوف دل میں پیدا ہو جائے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص جہنم یا عذاب سے ڈرے، یا آگ سے ڈرے، بل کہ فرمایا جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں عظمت ہو کہ وہ سوچ کہ چاہے اللہ اس گناہ پر عذاب دیں یا نہ دیں، لیکن میں اس عمل کو لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے جاؤں گا؟ جس شخص کے دل میں دوسرے کی عظمت ہوتی ہے اس کو چاہے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مجھے مارے اور سزا دے گا لیکن اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر کے اس کے سامنے جا کر کیا منہ دکھاؤں گا؟ اسی خوف کا نام تقویٰ ہے۔

دیکھیے! جہنم اور عذاب اس لیے ڈرنے کی چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا مظہر ہے، ورنہ اصل ڈر اور خوف تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا ہے، عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

لا تسقني ماء الحياة بذلة

بل فاسقني بالعز كاس الحنظل

مجھے آب حیات بھی ذلیل کر کے مت پلا، یعنی میں ذلت اٹھا کر آب حیات بھی پینے کے لیے تیار نہیں، بل کہ مجھے حنظل کا کڑوا گھونٹ پلا دے، مگر عزت کے ساتھ پلا

بہر حال جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں، اور چوں کہ جہنم اور عذاب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مظہر ہے اس لیے اس سے بھی ڈر رہے ہیں، ورنہ اصل میں ڈرنے کی چیز اللہ کی ناراضگی ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کو اللہ رب العزت کا خوف زیادہ ہوگا، اور جتنا نادان ہوگا اتنا ہی خوف کم ہوگا، دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ ہے، جو ابھی نادان ہے اس کے سامنے بادشاہ آجائے تو یا وزیر آجائے یا شیر آجائے تو اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا، لیکن جو شخص بادشاہ کا مرتبہ جانتا ہے وہ بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے تھراتا اور کانپتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ تھی، اس لیے ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ تھا۔

اس خوف کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت فجر کے بعد یا رات کو سوتے وقت مقرر کرے، پھر اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میں مر رہا ہوں، بستر مرگ پر لیٹا ہوا ہوں، اعزہ اور اقرباء جمع ہیں، میری روح نکل رہی ہے، اس کے بعد مجھے کفن پہنانے کے بعد دفن کیا جا رہا ہے۔

پھر فرشتے سوال وجواب کے لیے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں، ان سب باتوں کا دھیان کر کے سوچے کہ پردے اٹھنا شروع ہو جائیں گے، ہم پر غفلت اس لیے چھائی ہوئی ہے کہ ہم اور آپ موت سے غافل ہیں۔

اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو مٹی دے کر آتے ہیں، اپنے کاندھوں پر جنازہ اٹھاتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ فلاں آدمی بیٹھے بیٹھے دنیا سے

رخصت ہوگیا۔

اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس دنیا کو جمع کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے صبح وشام دوڑ دھوپ کررہا تھا محنت ومشقت برداشت کررہا تھا لیکن جب دنیا سے گیا تو اُن کی طرف منہ موڑ کر بھی نہیں دیکھا، ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موت کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے اپنی طرف دھیان نہیں جاتا کہ مجھے بھی ایک دن اسی طرح دنیا سے رخصت ہونا ہے۔

اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَکثِرُوا ذِکرھازم اللذّات الموت''۔ اس چیز کو کثرت سے یاد کیا کرو جو اُن ساری لذتوں کو ختم کرنے والی ہے یعنی موت، اس کو بھلاؤ نہیں، بل کہ اس کو کثرت سے یاد کرو، بہر حال روزانہ صبح وشام کے وقت ان چیزوں کا تھوڑا سا مراقبہ کرلے تو اس سے مطلوبہ خوف کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

وارثین انبیاء علیہم السلام کے نام

سب سے پہلے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا عنوان میں ''وارثین انبیاء علیہم السلام'' سے کون سا طبقہ مراد ہے؟ اس بارے میں حدیث پاک کی طرف اشارہ کرنا ہے جس میں یہ ہے کہ ''العلماء ورثة الانبیاء'' علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ''وارث'' بھی وہی کام کرے گا جو اس کو ''ورثہ'' میں ملا ہے تو وہ ''وارث'' کہلانے کا مستحق قرار پائے گا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذمہ کیا کیا کام تھے؟ یہ سوال اس قدر دشوار نہیں، کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے تاریخی اوراق کی گردانی کرنی پڑے۔ بل کہ قرآن کریم نے جہاں انبیاء علیہم السلام کی عظمت بیان کی ہے، وہاں انبیاء علیہم السلام کے ذمہ جو کام تھے اُن کو بھی واضح فرمایا ہے۔ ہم ان تمام کاموں کو دو کاموں پر تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) اصلاح عقائد واعمال

(۲) اصلاح افراد ومعاشرہ

(۱) اصلاح عقائد واعمال:

تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو خدائے وحدہٗ لم یزل کی توحید کا درس دیا۔ اپنی نبوت اور اپنی کتاب پر یقین دلانے کے لیے کہا اور عقیدۂ آخرت کا یہ سبق دیا کہ مرنے کے بعد حساب کتاب ہوگا۔ ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ دیا جائے گا اور نیک کو اس کی جزا ملے گی۔

اعمال صالحہ کے بارے میں فرمایا کہ بدعات ورسومات سے کنارہ کش رہو۔ اپنے اعمال کوسنت مبارکہ کے نور سے منور کرو۔ یہ وہ مشترکہ دعوت تھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امت تک بخوبی پہنچایا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ آخری نبی ہیں اورآپ کے بعد کسی نئے نبی کونہیں آنا، اس لیے فریضۂ تبلیغ کوامت محمدیہ کے حوالہ کر دیا گیا۔ وہ کام جوانبیاء کے ذمہ تھے امت کے ذمہ آگیے۔ امت میں سب سے زیادہ ان پر جوعلومِ دینیہ کوحاصل کرنے والے ہیں یعنی علمائے کرام۔

علمائے کرام کے لیے لائحہ عمل کیا ہے؟ اس سوال کا جواب لکھنے کے لیے قلم ہاتھ میں لیا تا کہ علماء کواپنی زندگی کالائحہ عمل بتلایا جاسکے تب یہ صحیح معنوں میں انبیاء علیہم السلام کے وارث کہلانے کے مستحق ہوسکیں گے۔ جیسا کہ اوپر یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کاموں کودو کاموں پر تقسیم کرلیا گیا ہے، اصلاح عقائدواعمال اوراصلاح فردومعاشرہ۔

اصلاحِ عقائد واعمال کیسے ممکن ہے؟ اسلام کی وہی تعبیر وتشریح معتبر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کی ہے۔ اسلام میں توحید خالص ہے۔ شرک وغیرہ کی ملاوٹ نہیں۔ زندگی، موت، رزق، اولاد، خوشی وغمی وغیرہ اکیلے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اللہ کے علاوہ نہ توکوئی زندگی دینے والا ہے اورنہ ہی موت۔

اسی طرح اسلام میں رسالت کاعقیدہ بھی بالکل صاف وشفاف ہے۔ نبی کو ماننا بھی لازم ہے اورحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوآخری نبی ماننا بھی لازم اورضروری ہے۔ عقیدہ آخرت بھی واضح ہے قبر، حشر، جنت، جہنم، سوال وجواب وغیرہ پرایمان لانا اسلام میں داخل ہونے کے لیے ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا ایمانیات میں جن کے بارے میں حکم

ہے کہ ان کو مانو، ان کا ماننا اور اور جن سے منع کیا گیا ہے، اس کو نہ ماننا ہی خالص اسلام ہے۔ اسی طرح اعمال میں بھی یہی اصول اور ضابطہ ہے جن اعمال کو جیسے کیا گیا ویسے ہی کرنا ضروری ہے ان میں کمی بیشی، ترمیم واضافہ کرنا بدعت والحاد کہلاتا ہے، اسلام نہیں۔

(۲) اصلاح افراد و معاشرہ:

حضور کی تمام زندگی اسوۂ کاملہ ہے: معاملات، معاشرت، اخلاقیات، رہن سہن، بودوباش، طور طریقے، کلچر، سیاست، وزارت، تجارت وصنعت، خانگی اور خارجی امور سب میں وہی اخلاق حسنہ لازم ہیں جن کی تعلیم قرآن وسنت میں مذکور ہے۔

نوجوانو! آج کا دور...... قیامت کے قریب آچکا ہے۔ جن خدشات کا اظہار آج سے چودہ سو برس پہلے زبان نبوت نے کیا تھا، آج حرف بحرف پورے نظر آرہے ہیں۔ جن فتنوں کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا وہ آج اپنے پر پرزے نکالتے آرہے ہیں۔ ایسے پُر آشوب دور میں تم وارثین انبیاء علیہم السلام پر لازم ہے کہ تم اپنے مسلمانوں بھائیوں کو اس سے باخبر رکھو تاکہ وہ کسی بھی فتنہ کا شکار نہ ہو۔ اس کے لیے پہلے تم کو خود باخبر ہونا پڑے گا۔ یہ بات یاد رکھیں کہ دفع مضرت پہلے ہے اور جلب منفعت بعد میں۔ یعنی نقصان دہ امور سے بچنا بچانا پہلے اور نفع کی طلب بعد میں۔ اس لیے خود بھی تعلیمات اسلامی سے آراستہ ہوں اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو بھی اس زیور یعنی تعلیمات اسلامی سے آراستہ کریں اس کے لیے جو رکاوٹیں ہوں ان کو ختم کرنے کے گُر بھی حاصل کریں۔ اور کسی نے کہا ؎

ہم فقیروں سے ہمکلام ہو کے تو دیکھ گر سکھا دیں گے بادشاہی کے

(مولانا محمد الیاس گھمن)